

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ دوم

سوانح شیخ الاسلام حافظ ابوالخیر

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابوالخیر
کے سوانح خیات ان کے صفات و کمالات ان کی علمی و تحقیقی خصوصیات
ان کا تجدیدی و اصلاحی کام ان مقام اور ان کی تصنیفات کا مفصل تعارف
اور ان کے ممتاز تلامذہ اور متبعین کے حالات

مفت اسلام سوالیہ سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳ ناظم آباد سنشن ناظم آباد کراچی و

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ دوم

سوانح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ
کے سوانح حیات ان کے صفات و کمالات ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات
ان کا تجدیدی و اصلاحی کام اور مقام اور ان کی تصنیفات کا مفصل تعارف
اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳ ناظم آباد منیشن: ناظم آباد کراچی ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس دارالصفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی کراچی
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ

نام کتاب _____ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ دوم)
تصنیف _____ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت _____ احمدیہ پبلشرز، کراچی
ضخامت _____ ۴۱۶ صفحات
ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۴

اسٹاکٹ : مکتبہ ندوۃ قائم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ رفیعہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۲۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۴۶

marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم

دیباچہ	۱۱	پہلی مخالفت	۴۳
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ	۱۴	تاتاریوں کا رخ دمشق کی طرف	۴۷
شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت	۱۴	سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت	۴۸
ابن تیمیہؒ کا زمانہ	۲۱	ابن تیمیہؒ کی قاذان سے طاقت	۴۹
مصر کے ملوک سلاطین	۲۲	دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں	۵۱
نظام سلطنت	۲۵	مشراب کے خلاف جہاد	۵۴
ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت	۲۶	بدعتیہ کو ہستانیوں کی تادیب و تبلیغ	۵۴
علمی حالت	۲۹	تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہؒ کا اعلان جہاد	۵۵
ابن تیمیہؒ کا آبائی وطن	۳۲	مصر کا سفر	۵۶
ابن تیمیہؒ کا خاندان	۳۳	تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ اور ابن تیمیہؒ کا	
ولادت اور نقل مکانیت	۳۴	کارنامہ	۵۸
دمشق میں	۳۵	انکار بدعات اور ازالہ منکرات	۶۱
غیر معمولی حافظہ	۳۶	لمحدین و مفسدین کے خلاف جہاد	۶۳
تعلیم و تکمیل	۳۷	رفاعیوں سے مناظرہ	۶۶
ابن تیمیہؒ کا پہلا درس	۴۱	ابن تیمیہؒ کی مخالفت اور مصر طلبی	۶۷
حج	۴۲	عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید	۶۸
شایخ رسول کی تعزیر	۴۲	ابن تیمیہؒ مصر میں	۷۸

۱۲۳	زندگی کے آخری دن اور وفات	۷۸	ایسری و رہائی
۱۲۴	جنازہ کی کیفیت اور تدفین		بنائے احکامات اور مسک کی توضیح خود شیخ الاسلام
۱۲۶	غائر جنازہ غائبانہ	۷۹	کی زبان سے
۱۲۷	نمایاں صفات اور کمالات	۸۸	جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور ان کے اثرات
۱۲۷	خدا داد حافظہ اور ذہانت	۸۹	ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی
۱۲۹	تبحر علمی اور جامعیت	۹۱	درس و افادہ
۱۳۳	شجاعت اور فکری استقلال	۹۱	ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام
۱۳۸	اخلاص و انہماک	۹۶	دوبارہ ایسری
۱۴۱	ان کی تصنیفی خصوصیات	۹۸	سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی
۱۴۲	پہلی خصوصیت	۱۰۰	رکن الدین جاشگیر کا زوال
۱۴۲	دوسری خصوصیت	۱۰۲	ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہ عزت افزائی
۱۴۳	تیسری خصوصیت	۱۰۴	مصر میں سنت یوسفی
۱۴۴	چوتھی خصوصیت	۱۰۷	دشمن واپسی
۱۴۷	مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین	۱۰۷	مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی
۱۴۷	و مدافعیین	۱۱۰	تین طلاقیں کا مسئلہ
۱۴۷	۱۔ تنقیص میں غلو	۱۱۲	حلف بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی
۱۴۸	۲۔ وقت کی ذہنی سطح سے اونچا ہونا	۱۱۴	آخری ایسری
۱۴۹	۳۔ غیر معمولی مقبولیت	۱۱۸	اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج
۱۵۰	۴۔ طبیعت کی تیزی اور ذکاوت	۱۱۹	قلعہ میں شیخ کے مشاغل
۱۵۲	۵۔ تقررات		نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے
۱۵۳	۶۔ اشعری طریقہ تاویل کی مخالفت	۱۲۰	محدودی
۱۵۴	۷۔ ابن عربی کی مخالفت	۱۲۱	کوئلہ سے تحریر و تصنیف
۱۵۷	۸۔ ان کی طرف سے غلط فہمیاں اور مغالطے	۱۲۱	تسلیم و رضا اور حمد و شکر

۱۹۶	مشاہد کا فتنہ	۱۶۵	شیخ الاسلام ایک عارف باللہ اور محقق
۱۹۷	مشاہد و مزارات کا حج	۱۶۷	ذوق عبودیت و اتانیت
۱۹۸	۸ بیت الشریعہ ترجیح	۱۶۹	ذوق عبادت و انہماک
۱۹۹	مساجد کی ویرانی و کس پرسی اور شاہد کی	۱۷۱	زہد و تجرید و تحقیر دنیا
۲۰۰	رواق و اہتمام	۱۷۲	سخاوت و ایثار
۲۰۱	امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کام اور مشرکانہ	۱۷۴	فروتنی و بے نفسی
۲۰۲	عقائد کی زبرد و مخالفت	۱۷۶	سکینت و سرور
۲۰۳	غیر الشریعہ دعا و استغاثہ کی مانعت	۱۷۷	کمال اتباع سنت
۲۰۴	غیر الشریعہ دعا کی حرمت کی حکمت	۱۷۸	صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی
۲۰۵	اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں	۱۷۹	شہادت
۲۰۶	اور صوفیوں	۱۸۰	فراست و کرامت
۲۰۷	زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ	۱۸۱	شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی
۲۰۸	جو اباب دنیاوی سے اور اہل جہنم نہیں	۱۸۲	و اصلاحی کام
۲۰۹	واسطہ کی حقیقت	۱۸۳	۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور مشرکانہ عقائد و
۲۱۰	مشاہد بدعت قبیحہ ہیں	۱۸۴	رسوم کا ابطال
۲۱۱	مشاہد کے موجد باطنی و روانہ ہیں	۱۸۵	امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و
۲۱۲	اکثر مشاہد و مزارات جعلی ہیں	۱۸۶	رسوم
۲۱۳	مشاہد و مزارات پر حصول مقصد کے	۱۸۷	کھلی قبر پرستی
۲۱۴	افسانے	۱۸۸	خدا سے بے خوفی اور صاحب مزار سے خوف
۲۱۵	مشرکین کے لئے شیاطین کا تمثیل	۱۸۹	و خشیت
۲۱۶	امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے	۱۹۰	الشرا و شعائر الشریعہ استہزاء و استحقاقات
۲۱۷	اثرات	۱۹۱	مشرکین کی بے باکی و شوع چشمی
۲۱۸		۱۹۲	بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

۲۔ فلسفہ منطق و علم کلام کی تنقید

اور

کتاب سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح

۲۱۹

قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین

۲۲۱

اور یقین آفرین ہے

ذات و صفات کے بارے میں قرآن اور فلسفہ

۲۲۲

کا بنیادی و اصولی فرق

۲۲۲

نفی صفات کا اثر پوری زندگی پر

۲۲۳

صواب کرام کا امتیاز

۲۲۴

منطق یونانی کا سحر اور عرب عالم اسلام پر

۲۲۶

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں

بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور

۲۲۷

کمزور ہیں

۲۲۸

کوہ کندن دکاہ برآوردن

۲۲۹

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیان پر

۲۵۰

بعض مشتملات

۲۵۱

منطق کے متعلق اجمالی رائے

۲۵۲

منطق کا صحیح مقام اور فائدہ

دینی و ادبی حقائق کے بارے میں منطق کی

۲۵۳

بے بسی

منطق پر تفصیلی و فنی مقدمہ اور ابن تیمیہ کے اجتہاد

۲۵۵

واضافات

۲۵۶

علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے

عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا وجود

۲۵۷

انحطاط اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت

۲۱۹

فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار

۲۲۱

فلسفہ کا دور تقلید

۲۲۳

فلسفہ و منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا اکرار

۲۲۴

طبیعیات و ریاضیات کا احترام

۲۲۶

اختلافات کا اصل میدان فلسفہ و انہیات

یونانی انہیات اور پیروں کے علوم و تعلیمات

۲۲۷

کا تقابلی

۲۲۹

فلاسفہ یونان کا جہل و انکار

۲۳۰

بُت پرست و ستارہ پرست یونان

۲۳۱

مقدمین و متاخرین فلاسفہ یونان کا فرق

۲۳۲

ارسطو حقائق دینیہ سے بعید تھے

۲۳۳

یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت

۲۳۴

فلاسفہ اسلام یونان کے تقلید محض ہیں

ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے

۲۳۵

نا آشنا ہے

۲۳۷

علم کلام کا نقص مشکلیں کا تذبذب

۲۳۹

مشکلیں و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری

۲۳۹

تطویر و تکلفات

۲۴۰

مشکلیں کے دلائل پر انحصار نہیں

۲۴۰

ایک طبقہ کو فائدہ

۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

اور

ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ

۲۷۹

شریعت محمدی کا اعجاز

نبوت محمدی کا اقرار ہر مقرر نبوت کے لئے

۲۸۱

ضروری ہے

۲۸۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

۲۸۳

۲۔ ردِ شیعیت

۲۸۴

(منہاج السنہ)

۲۸۶

کتاب کا محرک اور اندرونی باعث

شیعوں کے نزدیک غیر اسلام سے یہود و نصاریٰ

۲۸۷

بہتر ہیں

۲۸۸

شیعوں نے خیارات کو شرایعت بنادیا

۲۸۹

ایک مثال

۲۸۹

لامِ شعبی کا قول

۲۹۰

سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت

۲۹۰

تعصب و بے انصافی

۲۹۱

شیعوں کی باہجیاں

صحابہ کرامؓ سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاکی

۲۹۲

۴۔

۲۹۳

شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں

۲۹۳

رسالت پر الزام

۲۹۵

فضائل صحابہؓ قطعی اور متواتر ہیں

۲۹۵

صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے

۲۹۶

صحابہ کرامؓ کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

۲۹۸

مسلمانوں میں جو کچھ غیر صحابہ کرامؓ کی برکت ہے

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۵

۲۶۷

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۳

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۱۔ ردِ عیسائیت

عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک

۱۰۔ الجواب الصحیح کی تصنیف

یسیت حضرت مسیحؑ کی تعلیم اور ردِ وی بت پرستی

کا مجموعہ ہے

موجودہ یسیت قسطنطین کی تصنیف ہے

اناجیل کی صحیح حیثیت

اناجیل میں تحریف

نصاری انفاذ انبیاء کو سمجھے نہیں

انفاذ کے صحیح معنی

انفاذ ابن ادریس روح القدس مشترک اور

عام ہیں

منافی عقل باتیں

توحید اور حضرت مسیحؑ کی عبدیت کے قائل

سیسی علماء

تورات و صحیفہ سارویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بشارتیں

معجزات و دلائل نبوت

اسلامی انقلاب اور امت محمدی مستقل مجزہ

۵۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دلیل نبوت و صداقت ہے۔

جاہلیت کی نسب پرست

شیعوں کا انتساب اور مدح 'اولاد حسین کے لئے'

ایک آزمائش ہے

تعصب کی کرشمہ سازیاں

حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض

بحث امامت

شیعوں کی قرآن و حدیث سے دھسپی نہیں

مساجد و جمعہ و جہالت سے بیگانگی

متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں

گذشتہ تاریخ

اہل سنت راو اعتدال پر

۴۔ علوم شریعت کی تجدید

امام ابن تیمیہ کا مہم

ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات

تفسیر

حدیث

اصول فقہ

علم کلام

فقہ

امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر

فکر اسلامی کا احیاء

عقائد کا ماخذ کتاب و سنت

عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ

فلسفہ کی سعی لا حاصل

مشکلات کا تفلسف

قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط

عقل کی تسلیم و تقدیس میں مبالغہ

عقل کا منصب و مقام

رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے

عقل کے ہوائی قلعے

اہل دانش کی بے دانشی

صوبہ عقل اور صحیح نقل میں کبھی تضاد نہیں ہوتا

قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں

رسول کی تعلیم میں القیاس نہیں

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ

فقہیات کا ماخذ کتاب و سنت

دور تقلید سے پہلے

تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب

تقلید کی حیثیت

پچھلی صدیوں کا غلو و انحطاط

امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں

۳۶۴	(قضایائے نبوی)	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کامل اور ان کا فقہی مرتبہ
۳۶۶	ابن عبدالبہادی	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کی دعوت امداس کا اثر
۳۶۶	(علی جلالت)	۳۴۴	تلامذہ و متبیین
۳۶۷	(اہل سیر کا اعتراض)	۳۴۴	حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۸	مختصر حالات	۳۴۵	نام و نسب
۳۶۸	(سائذہ)	۳۴۵	علمی مرتبہ
۳۶۸	(علوم دینیہ میں مہارت)	۳۴۶	زہد و عبادت
۳۶۹	(حالات)	۳۴۶	ابتلا و آزمائش
۳۶۹	(وفات)	۳۴۷	ان کے تلامذہ و معاصرین کا اعتراض
۳۶۹	تصنیفات	۳۴۷	تدریس و تصنیف
۳۷۱	ابن کثیر	۳۴۷	ان کی تصنیفات کی خصوصیت
۳۷۱	(نام و نسب)	۳۴۸	اہم تصنیفات
۳۷۱	(تعلیم)	۳۴۸	وفات
۳۷۲	(تصانیف)	۳۴۹	زاد المعاد
۳۷۲	(تفسیر)	۳۵۰	(کتاب کی جامعیت)
۳۷۳	(البدایہ والنہایہ)	۳۵۱	(کتاب کے بعض مضامین)
۳۷۳	(وفات)	۳۵۱	(شرح صدر کا خلاصہ)
۳۷۴	حافظ ابن رجب	۳۵۲	(احکام کے اسرار)
۳۷۴	مختصر حالات	۳۵۲	(مدزہ کا بیان)
		۳۵۸	(حج کا بیان)
		۳۶۰	(غزوات نبوی)
		۳۶۳	(غزوات پر تبصرہ)

۳۷۶

(علامہ ابواسحاق شاطبی)

۳۷۴

(حدیث کی سماعت)

۳۷۷

اشاریہ (انڈیکس)

۳۷۵

(فن حدیث میں تبحر)

از: محمد غیاث الدین ندوی

۳۷۵

تصنیفات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیکھو

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

اگر تکرر ناظرین کے سامنے تاریخ دعوت و عزیمت کا دوسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت و سرت

حاصل ہو رہی ہے الحمد للہ الذی بعزیزتہ و جلالہ تتم الصالحات:

کتاب کی پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک کی روداد اصلاح و دعوت
مقامی شخصیتوں کے لحاظ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز سے لے کر مولانا جلال الدین رومی تک صحابہ دعوت و
عزیمت کا تعارف اور ان کے مصلحانہ و اولوالعزما نہ کارناموں کی تفصیل آگئی تھی۔

اس دوسری جلد میں حسب وعدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مولفہ حیات اور ان کے تلامذہ اور ان کے
دستان فکر کے فضلاء کا تذکرہ ہے ابتدائی خاک کے مطابق یہ جلد اس دور اور اس مدرسہ فکر کے لئے
مخصوص کر دی گئی تھی اور اسی انداز سے لکھنا شروع کیا تھا یہاں تک کہ صرف شیخ الاسلام کے تذکرہ
نے سود کے تقریباً دو سو صفحات گھیر لئے ابھی ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں اور ان کے اثرات
کا تذکرہ باقی تھا کہ پہلی جلد پر تبصرہ کرنے والوں میں بعض نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ اس زمانہ کی کم فرصتی اور
اختصار پسندی کے پیش نظر کتاب میں اختصار سے کام لیا جائے اور کتاب کے پیمانہ کو کچھ محدود کر دیا جائے
اس کا تقاضا تھا کہ شیخ الاسلام کے تذکرہ میں بھی تخصیص و انتخاب سے کام لیا جائے تاکہ اس جلد میں

دوسرے اصحاب دعوت و غربیت کی جگہ نکل سکے، مصنف نے (جو اس دور کے رجحانات سے ناواقف نہیں) اس کا ارادہ بھی کیا، لیکن جب تذکرہ پر نظر ڈالی تو ایسا محسوس ہوا کہ بہت کارآمد اور قیمتی مواد فراہم ہو گیا ہے، جو اپنی جگہ پر مفید اور ضروری ہے، جس طرح بعض گوشوں سے اختصار کا مشورہ دیا گیا ہے، اسی طرح بعض اہل خلوص و اہل طلب نے تفصیل کا مطالبہ کیا ہے، اور بہت اصرار سے کہا ہے کہ اس باب میں قطعاً اختصار سے کام نہ لیا جائے، بالآخر طبیعت نے یہی فیصلہ کیا کہ اس حصہ کو یوں ہی رہنے دیا جائے اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو قلمزد نہ کیا جائے کہ یہ علمی کام روز بروز نہیں ہوتے، اور طبیعت کے نشاط و انبساط، فرصت کے لمحات اور قلم کی روانی کا کچھ بھروسہ نہیں، کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگ خود انتخاب و تخصیص کا کام کر سکتے ہیں۔

اس دوسری جلد کی اشاعت کے موقع پر اس کی حسرت اور دلی قلق ہے کہ فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا شاہ حلیم عطا موجود نہیں جو اس سلسلہ کے سب سے بڑے قدردان اور مؤید تھے، پہلی جلد شائع ہوئی تو سب سے زیادہ مسرت کا اظہار مولانا گیلانی نے فرمایا، کتاب کا لفظ لفظ ذوق و شوق سے پڑھا اور بڑے جوش و اثر کا خط لکھا، مرحوم اگرچہ (ہمارے علم میں) شیخ اکبر کے علوم کے ہندوستان میں بہت بڑے عارف و حامل تھے، لیکن بایں ہمہ شیخ الاسلام کی امامت و عظمت کے قائل، ان کے بڑے مرتبہ شناس اور ان کی تصنیفات کے بڑے شائق تھے، یقین ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس حصہ کی اشاعت سے ان کو بڑی مسرت ہوتی۔

مولانا شاہ حلیم عطا نے زندگی گوشت و گنہامی میں گزاری اور اہل علم نے بھی ان کو بہت کم جانتا مگر واقعہ یہ ہے کہ اس تختی بڑا عظیم (ہندوستان و پاکستان) میں شیخ الاسلام اور ان کے تلامذہ کے علوم پر ان کے زیادہ کسی کو عبور نہ تھا، وہ ان کی تصنیفات و تحقیقات کا ایک زندہ دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھے، اگرچہ پہلی جلد بھی ان کی رہنمائی و اعانت سے محروم نہیں رہی، لیکن اس دوسری جلد میں تو ان کی

معلومات ان کا قوی حافظہ اور ان کا قیمتی کتب خانہ مصنف کا شیرو فریق رہا ہے اور اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں ان کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ شکر و اعتراف کے بند بند لفظ اس کے لئے کفایت نہیں کرتے اس دور آخر میں یہ دونوں بزرگ علمائے سلف کے علمی شغف و انہماک، وسعتِ نظر، ذوقِ مطالعہ اور علمی فنائیت کی یادگار تھے۔ غفر اللہ لہما و دفع درجاتہما۔

قدیم مآخذ کے علاوہ اس حصہ کی تالیف میں مصری فاضل شیخ محمد البوزہرو کی کتاب ابن تیمیہ سے بڑی مدد ملی اس کا اعتراف اور شکر واجب ہے۔

الشرائع کی ذات سے امید ہے کہ جلد اول کی طرح یہ جلد ثانی بھی ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں میں مقبول ہوگی اور ذوق و شوق سے پڑھی جائے گی۔

ابوالحسن علی

دائرہ شاہ علم الشریعہ رٹے بریلی

دار محمد اکبر اعظمی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ

شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت

الہیات و عقائد میں تفلسف و یونانیت اور حکمیں کی عقلی ظاہریت کے خلاف ایک ردِ عمل وہ تھا جس کے علمبرار مولانا جلال الدین رومی تھے یہ ایک خام و سطحی عقلیت کے مقابلہ میں ایک بلند تر عقلیت اور پختہ تر فکر و نظر کا مظاہرہ تھا اور ایک نئے علم کلام کا افتتاح جس کی بنیاد قلب و فکر کی بلندی و پاکیزگی اور حکم کے ذاتی تجربہ پر تھی مولانا روم اپنے وقت کے ایک تبحر عالم اور کہنہ مشوق حکم تھے جن کا اثر تولا نے عارفِ قلب اور عاشقِ طبیعت عطا فرمائی تھی فلاسفہ کی سخن سلاویں اور حکمیں کی موٹگانیوں سے ان کی طبیعت سرد اور سبز اور چمکی تھی ایک صاحبِ یقین اور صاحبِ عشق کی صحبت اور ریاضت و مجاہدہ نے ان کو اس مقام تک پہنچا دیا جہاں سے ان کو علم کلام کی ان سرگرد آرائیوں میں حقیقت کم اور ذہانت و خطابت زیادہ نظر آئی اس مقام پر پہنچ کر انھوں نے دینی حقائق کو اپنی زبان میں بیان کیا اور ان کے ثبوت کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو حقیقت سے زیادہ قریب اور وجدان و تجربہ پر مبنی تھا۔

لیکن فلسفہ کی اس سرکشی اور علم کلام کی اس بے اعتدالی کے خلاف ایک ردِ عمل اور بھی ضروری تھا جو سابق الذکر ردِ عمل کے مقابلہ میں کچھ کم حق بجانب نہ تھا فلسفہ (الہیات) اور علم کلام کا موضوع بحث اللہ کی ذات و صفات کے مسائل تھے شریعت اسلامیہ نے عقائد کے بارے میں انسان کو تیار کیا ہے

نہیں چھوڑا، بلکہ چونکہ یہ شعبہ پوری زندگی، اعمال و اخلاق اور صحیح تمدن و معاشرہ کی بنیاد ہے اس لئے اس نے تمام مذاہب سابقہ سے کہیں زیادہ اثر تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ایسی واضح، عام فہم اور فیصلہ کن تعلیم دی، جس کے بعد اس سلسلہ میں کسی بحث و دوسری کو کسی قیاس آرائی کی ضرورت نہیں تھی، اس علم و یقین کا سرچشمہ اور اخذ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے انھوں نے جو کچھ کہہ دیا اور جتنا کہہ دیا، وہ حرف آخر ہے کہ وہی اس وراء الداء، استی اور اس کے ناقابل قیاس و بے مثال صفات کے عارف ہیں، فلسفہ کو اس موضوع پر گفتگو کرنے اور فرق بننے کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو اس علم کے مبادی اولیہ بھی حاصل نہ تھے اور نہ وہ معلومات جن کو ترتیب دے کر وہ بھول تک پہنچا کرتا ہے، نہ یہاں کسی تجربہ اور تحلیل و تجزیہ کی گنجائش تھی اور نہ اہل فلسفہ میں اس کی صلاحیت لیکن فلسفہ نے اپنے حدود سے تجاوز کیا اور اس موضوع میں نہ صرف دخل دیا بلکہ اس کے مسائل و جزئیات میں اس وثوق و حکم اور اس تفصیل و تدقیق سے بحث کی اور اس تحلیل و تجزیہ سے کام لینا شروع کیا جو صرف ایک کیمیاوی عمل میں انجام دیا جاسکتا ہے۔

فلسفہ کے مقابلہ اور مذہب کی حمایت کے لئے علم کلام و جہد میں آیا اور ایسا ہونا ضروری تھا لیکن اس میں رفتہ رفتہ خود فلسفہ کی روح گھس گئی اور وہ ایک مذہبی فلسفہ بن کر رہ گیا، وہی اس کا موضوع، وہی طریق بحث و استدلال اور وہی بنیادی غلطی کہ ذات و صفات الہی اور مادہ و عقل مسائل کو عقل سے ثابت کیا جاسکتا ہے، وہی انبیاء علیہم السلام کی تعبیرات و تشریحات پر عدم توجہ و ہی محذور ناقص اور غلط فہمی پیدا کرنے والے یونانی اصطلاحات کا استعمال، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسائل سلجھنے اور بات مختصر ہونے کے بجائے زیادہ پیچیدگی اور طوالت پیدا ہوتی چلی گئی، اور ذات و صفات کے نہایت مادہ ہو کر اور دل آویز بیان کے متوازی جس میں دلوں میں ایمان و اذعان پیدا کرنے اور ہر زمانہ کے دماغوں کو تسکین دینے کی پوری صلاحیت تھی اور وہ کتاب و سنت کے نصوص پر مبنی تھا، ایک طویل پر پیچ فلسفہ الہیات اور ایک ضخیم شرح عقائد تیار ہو گئی، جس پر باوجود فلسفہ یونان کے حرافت و مقابل ہونے کے یونانی فکر

کا اچھا خاصا اثر پڑ چکا تھا، اس صورت حال کے خلاف کتاب سنت کی روح ہمیشہ احتجاج کرتی رہی، امت کا ایک اچھا خاصا گروہ ان فلسفیانہ تفصیلات اور مشکل تاویلات کا مخالف رہا، لیکن کتاب سنت کی صحیح و مؤثر ترجمانی کے لئے ایک ایسے قوی الایمان و وسیع العلم اور دقیق النظر عالم کی ضرورت تھی جو علیٰ وجہ البصیرۃ اس پر ایمان راسخ رکھتا ہو کہ کتاب سنت کے نصوص اور ذات و صفات کے بارے میں اس کے بیانات و تعبیرات بالکل کافی و شافی ہیں، جو اپنی ذہانت و مطالعہ سے فلسفہ کے رگ و ریشہ سے واقف ہو چکا ہو، حکماء یونان کے اقوال و خیالات اور ان کے مذاہب فکر کی علمی تنقید کر سکتا ہو اور ان کی بنیاد کمزور لوگ واقف ہو، جو اپنے غور و فکر سے علم کلام کی سبک پہنچ چکا ہو، مذاہب فرق اسلام کے دقیق و مختلف سے واقف ہو، علم کلام کی پوری تاریخ اور اس کے ارتقاء پر اس کی نظر ہو اور اس پورے مطالعہ و تجربہ سے اس کے اندر کتاب سنت کے نصوص اور مسلک سلف پر حدود و درجہ کا وثوق و اعتماد اور اس کی حمایت و ترجمانی کا جوش اور عزیمت پیدا ہو چکا ہو اور وہ عقلی حیثیت سے بھی اس کی ترویج اور اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے بے چین ہو، پھر اس نازک اور عظیم الشان کام کے لئے اس کے پاس وہ تمام وسائل و صلاحیتیں ہوں جو اتنے بڑے کام کے لئے دنیا میں باہر پائی ذکاوت، قہمت، استدلال، قوت بیان، وسعت نظر، کثرت مطالعہ میں بھی ممتاز اور اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہو اور ہر طرح سے اس خدمت کا اہل ہو۔

دوسری طرف اسلام اندرونی اور بیرونی حلوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا، عیسائیوں میں اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے اور اسلام پر اعتراضات کرنے کی نئی تحریک پیدا ہوئی تھی، صلیبیوں کے پے درپے حملوں اور شام و فلسطین و قبرص میں غزلی و غزلیہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی نے دنیا اس کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے علمی مقابلہ کریں، نبوت محمدی پر اعتراضات اور اپنے مذہب کی ترویج پر کتابیں تصنیف کریں، اس کا جواب دینے کے لئے بھی ایک ایسے عالم و حکم کی ضرورت تھی جو بحیثیت اور دوسرے مذاہب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کر چکا ہو، مصحف سماوی اور ان کی تبدیلیوں اور تحریفات پر

پوری نظر رکھتا ہو مذاہب کے تقابل و موازنہ کا کام بڑی خوبی سے انجام دے سکتا ہو اور اسلام کی صداقت و برتری کو طاقتور و موثر علمی انداز میں ثابت کر سکتا ہو، اور حکمت و قوت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتا ہو۔

ان عیسائی مناظرین و مصنفین کے حملے سے زیادہ خطرناک حملہ ایک نام نہاد اسلامی فرقہ "باطنیہ" کا تھا جن کا مذہب و جن کی تعلیمات مجوسی عقائد افلاطونی تصویات اور خطرناک سیاسی اغراض کا عجیب و غریب مجموعہ تھا، یہ اور اس کی مختلف شاخیں (اسماعیلی، حشاشی، درویشی، نصیری) مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم طاقتوں اور بیرونی حملہ آوروں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے اور اکثر اوقات ان ہی کی تحریک سازش سے اسلامی ملکوں پر بیرونی حملے ہوئے، شام و فلسطین پر صلیبی حملوں کے موقع پر انھوں نے صلیبیوں کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب صلیبیوں کا شام پر تسلط ہوا تو انھوں نے ان باطنی فرقوں کے لوگوں کو اپنا مستمد و مقرب بنایا، اور ان کو ان کی مدد کا صلہ دیا، ازنگی اور ایوبی دور سلطنت میں یہ ہمیشہ سازشوں اور بغاوتوں میں مشغول رہے، آٹھویں صدی میں جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو انھوں نے کھل کر تاتاریوں کا ساتھ دیا، اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا، اس کے علاوہ وہ مسلمانوں میں ہمیشہ ذہنی انتشار و دین سے بے اعتمادی اور بغاوت پھیلانے اور اسکاد و بے دینی کی اشاعت میں مہمک رہتے تھے، اور مسلمانوں کے دینی قلوب میں غنیم کے جاسوسوں کا کام کرتے تھے، اس سب کا تقاضا تھا کہ اس فرقہ پر علمی و علمی حیثیت سے کاری ضرب لگائی جائے، اس کے عقائد و اغراض کو بے نقاب کیا جائے، مسلمانوں کو ان کی طرف سے خبردار کر دیا جائے، اور ان کی دشمن اسلام کا رد واثیوں پر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے، یہ کام بھی وہی انجام دے سکتا تھا، جو اس فرقہ کی حقیقت و اسرار اور اس کے ماضی و حال اور اس کی تمام شاخوں اور اس کے تمام فرقوں کے عقائد و خیالات سے واقف ہو، ان کی علمی تنقید و تردید پر پوری قدرت رکھتا ہو، اس کے سینہ میں حیثیت اسلامی کا جوش اور ان دشمنان اسلام کے خلاف جذبہ جہاد کا فرما ہو۔

اس سب کے علاوہ غیر مسلموں کے اختلاط، عجیبی اثرات اور علماء کے تساہل و غفلت سے عوام میں مشرکانہ عقائد و اعمال پھیلے ہوئے تھے، توحید و دینِ خالص پر پڑے پڑتے چلے جا رہے تھے، اولیاء اللہ و صاحبین کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کا سا غلو پیدا ہوتا جا رہا تھا، وساطت اور تقرب بالاولیاء کا عقیدہ راسخ اور مانعہ ہمارا لا یقربنا الی اللہ زلفی کا جاہلی خیال مسلمانوں میں بھر رہا تھا، غیر اللہ کی دہائی دینے اور استغاثہ بغیر اللہ تک میں بہت علماء تک کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی، انبیاء و صاحبین کی قبور کے پاس وہ سب کچھ ہونے لگا تھا جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا، اور جس پوری شدت سے آپ نے منع کیا تھا، مسلمان غیر مسلموں اور ذمیوں کے شعائر و خصوصیات اختیار کرنے اور ان کی مذہبی تہواروں اور میلوں میں شرکت اور ان کے رسوم و عادات اختیار کرنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے تھے، اس مشرکانہ جاہلیت کے خلاف جہاد کرنے اور توحید خالص کی طرف پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ دعوت دینے کے لئے ایک ایسے مجاہد عالم کی ضرورت تھی جس کا ذہن توحید و شرک کے فرق کو خوب سمجھتا ہو، جو جاہلیت کو اس کے تمام بامسوں اور مظاہر میں پہچان سکتا ہو جس نے توحید کی حقیقت کو تاخرین کی کتابوں جاہل مسلمانوں کے تعامل اور زمانہ کے رسم و رواج کے بجائے براہِ راست کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے سمجھا ہو، جو عقیدہ صحیح کے اعلان و اظہار میں حکومتوں کی مخالفت اہل زمانہ کی عداوت، علماء کے اختلاف اور کسی طرح کی لومہ لاثم کی پرواہ نہ کرتا ہو، جو کتاب و سنت اور دین کے مستند اور اولین مآخذ اور قرونِ اولیٰ کے حالات پر غائر نظر اور کامل عبور رکھتا ہو، جو یہود و نصاریٰ کے انحرافات ان کے مسخ و تحریف کی تاریخ اور جاہلی قوموں کے ذہن و نفسیات پر بے طور پر واقف ہو، اور جو مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم اور صدر اول کے عقیدہ و عمل پر واپس لانے اور ان کو صحابہ کرام اور ان کے جانشینوں کی روش اور مسلک پر دیکھنے کے لئے بے چین کرے۔

لے ترجمہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔ (۱۱-۲)

اہل تصوف کے گروہ میں (مختلف تاریخی و علمی اسباب کی بنا پر) پونانی و ہندوستانی فلسفہ اشراقیت کے اثرات خیل ہو گئے تھے اور اسلامی عقائد و افکار کے ساتھ اس طرح خیر و شر ہو گئے تھے کہ ان کا سر رخ لگانا مشکل تھا، افلاطونیت جدیدہ کی اشراقیت یا ہندوستان کا جوگ، حلول و اتحاد کا عقیدہ، وحدۃ الوجود کا مسلک، ظاہر و باطن کی سرحد بندی، رموز و اسرار اور علوم سینہ کا فتنہ، کالمیں و اصلین سے نکالیت شرعیہ کا سقوط اور احکام شریعت سے استثناء، یہ سب وہ عقائد و خیالات تھے جو اہل تصوف کے ایک بڑے حلقہ میں مقبول و مسلم تھے، اگرچہ ہر زمانہ کے محققین و راسخین ان عقائد فاسدہ کی تردید و انکار کرتے رہے، مگر تصوف کے ایک بڑے حلقہ کو اس پر اب بھی اصرار تھا، تصوف کی بعض شاخیں اور سلسلے شعبہ بازی اور نظر بندی کی نیچی سطح تک اتر آئے تھے، ساتویں و آٹھویں صدی میں رفاہی سلسلہ اس بارہ میں خاص طور پر پیش پیش تھا، عوام اور بہت سے خواص ان مغالطوں کا شکار تھے، اس خطرہ کے سد باب اور شریعت کی حفاظت کے لئے بھی ایک صاحب یقین اور جوی مصلح کی ضرورت تھی، جو اس گروہ کی شوکت و دبیدہ اور اس کے متقدین و متوسلین کی تعداد و طاقت سے بے پروا و بے خوف ہو کر ان پر آزادانہ و دلیرانہ تنقید کرے اور ان کی غلطیوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرے۔

علمی و دینی حلقوں میں صدیوں سے ایک ایسا جمود طاری تھا کہ اپنے گروہ کے فقہی دائرہ سے سب سے مقدم نکالنا جرم سمجھا جاتا تھا، قرآن و حدیث کو ان فقہی مسلکوں اور اپنے گروہ کے عمل کی عینک سے دیکھنے کا عام رواج تھا، فقہی اختلافات میں قرآن و حدیث کو حکم بنانے کے بجائے قرآن و حدیث کو ہر حال میں ان کے مطابق کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، ترجیح و اختیارات فقہیہ کا دروازہ بھی عملاً بند تھا، زمانہ اور حالات کے تغیر کے ساتھ بہت سے نئے مسائل درپیش تھے جن میں فتویٰ دینے کے لئے اسلام کے پورے فقہی ذخیرہ پر وسیع نظر، کتاب و سنت پر عبور، قرونِ اولیٰ کے تعامل پر اطلاع اور

اصول فقہ سے گہری واقفیت کی ضرورت تھی، لیکن عرصہ سے علم و نظر اور مطالعہ محدود ہوتا چلا جا رہا تھا، قوائے فکر یہ مضمحل ہو چکے تھے، اور کوئی عالم نئے مسائل کے استنباط کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اسلامی قانون اور فقہ اپنا نمونہ اور ارتقاء کی صلاحیت کھو چکے تھے، اور قدیم فقہی ذخیرہ میں اضافہ ناممکن سمجھا جانے لگا تھا، اس صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی ایک ایسے محدث و فقیہ اور اصولی کی ضرورت تھی جو پورے اسلامی کتب خانہ اور اس کے علمی ذخیرہ کا جائزہ لے چکا ہو، قرآن و حدیث کا اس کو ایسا استحضار ہو کہ لوگ انگشت بند رہ جاتے ہوں، حدیث کی اقسام اور اس کے مراتب اور اس کے مجموعوں پر اس کی ایسی نظر ہو کہ کہنے والے کہیں کہ جس حدیث کو یہ شخص نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں، فقہاء کے اختلافات اور ان کے مآخذ و دلائل اس کو ہر وقت مستحضر رہیں، اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کی جزئیات سے وہ ان مذاہب کے اہل درس و اہل فتویٰ سے زیادہ باخبر ہو، قوت استنباط اور ذاتی تحقیق کے ساتھ سلف کے دائرہ میں محدود اور ائمہ مجتہدین کا مرتبہ نشاں اور ان کا خوشہ چیں ہو، لغت میں محقق اور زبان کے معاملہ میں نقاد اور مقرب ہو، جو میں اس کو یہ درجہ حاصل ہو کہ ائمہ فن و معنی نو کی بے تکلف غلطیاں نکالتا ہو، اس کا حافظہ محدثین اولین کی یاد تازہ کرتا ہو، اس کی ذکاوت قدرت خداوندی کی ایک نشانی، اس کا علم فیاض ازل کی فیاضی کی ایک دلیل، اس کی ذات امت اسلامیہ کی مرمی خیزی، و رخت اسلام کی شادابی اور علوم اسلامیہ کی زندگی اور تازگی کا ثبوت ہو، اور اس حدیث کی تصدیق کہ۔

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ میری امت کی مثال بارش کا ہے کہ نہیں کہہ سکتا

خبرام الخیرہ۔ کہ اس کا بہت بڑا حصہ زیادہ بہتر و بابرکت ہے کہ آخری حصہ

اس کے ساتھ وہ زندگی کے علمی میدان کا بھی شہسوار ہو، صاحب قلم بھی ہو اور صاحب سیف بھی، سلاطین وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے سے اس کو باک نہ ہو، اور تائاری جیسے خونخوار دشمن کے مقابل میں

لے ترمذی عن انس بن مالک۔

شکر اسلام کی قیادت کرنے سے اس کو عذر نہ ہوا درس کے حلقوں، کتب خانہ کے گوشوں مسجد کی خلوتوں، مناظرہ کی مجلسوں سے لے کر حیل خانہ کی کال کوٹھری اور میدان کارزار تک اس کی یکساں پرواز اور فاتحانہ ترک تازہ ہوا اور ہر جگہ اس کی ذات محترمہ اور اس کی امامت مسلم ہو۔

آٹھویں صدی کے لئے ایک ایسے ہی مردِ کامل کی ضرورت تھی جو زندگی کے تمام میدانوں کا مجاہد ہو، اور جس کی جدوجہد اور اصلاحات کسی ایک شعبہ میں محدود نہ ہوں، یہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی ذات تھی جس نے عالم اسلام میں ایک ایسی علمی و عملی حرکت اور زندگی پیدا کر دی جس کے اثرات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قائم ہیں۔

ابن تیمیہ کا زمانہ

ابن تیمیہؒ کا زمانہ بڑا پُر آشوب اور پُر از واقعات ہے، سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، علمی اور دینی حیثیت سے یہ دور خاص اہمیت رکھتا ہے، ابن تیمیہؒ کی اصلاحی جدوجہد اور ان کے علمی و اصلاحی مزاج کو سمجھنے کے لئے اس ماحول کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جس میں ان کا نشوونما ہوا، اور جس میں انھوں نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام انجام دیا۔

ابن تیمیہ بغداد کی تباہی کے پانچ برس بعد اور حلب اور دمشق میں تاتاریوں کے داخلہ کے کل تین برس بعد پیدا ہوئے، اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ انھوں نے جب بچپن میں سنبھالا ہوگا تو ان اسلامی شہروں کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی داستانیں اور تاتاریوں کے دہشت انگیز اور وحشیانہ مظالم کے واقعات بچہ بچہ کی زبان پر ہوں گے، اور اس کے چشم دید گواہ ہر جگہ موجود ہوں گے، وہ جب سات سال کے تھے تو خود ان کے وطن حران پر چوتھیں تاتاریوں کے مقبوضہ علاقہ (عراق) کے شمال اور جبلہ و فرات کے دو آب میں واقع ہے تاتاریوں کا حملہ ہوا، اور بہت سے خاندانوں اور گھرانوں کی طرح ان خاندان بھی

تاریوں کے مظالم اور وحیانہ سلوک سے بچنے کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں ہر جگہ تاریوں کی دہشت پھیلی ہوئی تھی، اس دہشت و پریشانی، بے امنی اور بے نظمی کی یاد ان کے غیر معمولی حافظہ سے کبھی محو نہیں ہوئی ہوگی، بڑے ہو کر انھوں نے اس تباہی و بربادی کے آثار و نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے اور خود ان لوگوں کی زبان سے اس کی دردناک تفصیل سنی ہوگی، جنھوں نے یہاں سے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اس لئے قدرتی طور پر ان کی حساس اور غریبہ طبیعت مسلمانوں کی اس بے بسی اور رسوائی سے متاثر ہوئی ہوگی اور ان غارتگروں کے خلاف ان کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہوگا۔

اسی کے ساتھ عین جاووت میں مسلمانوں کی شاندار فتح کا واقعہ ان کی ولادت سے صرف تین سال پہلے پیش آیا تھا، نیز الملک نظاہر میرس کی فتوحات ان کے بچپن کی باتیں تھیں اور مجلسیں کے تذکرہ سے گرم تھیں، اس سبب ان کے قلب کو سکون اور تقویت حاصل ہوئی ہوگی اور ان واقعات سے ان کا حوصلہ بلند ہو گیا ہوگا۔

مصر کے مملوک سلاطین

مصر و شام پر ابن تیمیہ کی ولادت سے ۱۲ برس پہلے سے مالیک (خاندان غلامان) کی حکومت تھی، یہ سلطان صلاح الدین کے خاندان کے آخری بادشاہ الملک الصالح نجم الدین ایوب (م ۶۴۴ھ) کے ترک غلام تھے، جن کو سلطان نے ان کی وفاداری اور بہادری کا تجربہ کرنے کے بعد مصر میں آباد کیا تھا، اور بچپن کے لقب سے مشہور ہیں، ان میں ایک فرد عز الدین ایبک الترمکانی نے ۶۴۴ھ میں الملک الصالح کے جانشین توران شاہ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا، اور الملک المعز کا لقب اختیار کیا۔

لے ان کی قیام گاہ دریائے نیل کے کنارہ واقع تھی، اس لئے بحرہ مشہور ہو گئے، مصر میں اب بھی دریائے نیل کو بحرہ بحر کہتے ہیں۔

۶۵۵ھ میں وہ قتل ہوا، اور اس کا بیٹا نور الدین علی جانشین ہوا، ۶۵۷ھ میں عز الدین ایک کے غلام سیف الدین قطز نے جو حکومت کا ناظم اعلیٰ تھا تخت پر قبضہ کیا، یہ وہی سلطان ہے جس نے تاتاریوں کو پہلی مرتبہ شکست فاش دی، اگلے ہی سال (۶۵۹ھ میں) الملک الصالح نجم الدین ایوب کے دوسرے غلام رکن الدین بیریس نے سیف الدین قطز کو قتل کر کے عنانِ مملکت اپنے ہاتھ میں لی اور الملک مظاہر لقب اختیار کیا، اور وہ اس سال تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی اور تاتاریوں اور صلیبیوں پر پے درپے فتوحات حاصل کیں۔

امام ابن تیمیہ کی ولادت ہوئی تو مصر و شام پر ظاہر بیریس ہی کی حکومت تھی، ان کا بچپن اسی کی حکومت میں گذرا، اس کا انتقال ہوا تو ان کی عمر سترہ سال کی تھی، اور وہ جوان تھے، الملک مظاہر بیریس سلطان صالح الدین کے بعد پہلا طاقتور مسلمان بادشاہ تھا جس نے جہاد کی طرف پوری توجہ کی اور دشمنانِ اسلام کو پے درپے شکستیں دیں، ابن کثیر سلطان کے متعلق لکھتے ہیں:-

”بیریس بیدار مغز، بلند حوصلہ، بہادر بادشاہ تھا، دشمنوں سے کسی وقت غافل نہیں ہوتا تھا، برابر ان کے مقابلہ میں صف آرا اور کمر بستہ رہتا تھا، اس نے اسلام کی پراگندگی دور کی اور مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو جمع کیا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اخیر زمانہ میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد اور تقویت کے لئے مقرر کیا تھا، فرنگی، تاتاری اور مشرکین کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، اس نے شراب کی بندش کی، فاسقوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو ملک بدر کیا، وہ جس خرابی اور فساد کو دیکھتا، اس کو دور کئے بغیر چین نہ لیتا۔“

ظاہر بیریس کی سلطنت بہت وسیع اور منظم تھی، مشرق میں دریا سے فرات تک اور جنوب میں سوڈان کے آخری حصہ تک اس کے حدود پہنچ گئے تھے، مصر اس سلطنت کا مرکز اور قاہرہ اس کا

صدر مقام تھا، جو سلطان اور خلیفہ عباسی کے قیام کی وجہ سے اس وقت کی دنیا میں اسلام کا بانی علمی اور تمدنی مرکز بن گیا تھا، بیسیرس نے بکثرت مدارس قائم کئے، دور دور سے علماء و اہل کمال قاہرہ میں جمع ہو کر بیسیرس اپنی ذاتی صلاحیت اسلامی جذبات اور جوش جہاد کے ساتھ ہر حال ایک مطلق العنان فرمانروا تھا، اس لئے اس میں مطلق العنان بادشاہوں کی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں اس کی تاریخ جہاد مجاہدانہ کارناموں اور اسلامی خدمات سے روشن ہے، وہاں شخصی سلطنت کی خصوصیت استبداد، ضد و اصرار کے واقعات سے بھی داغدار ہے، اس سلسلہ کا ایک افسوسناک واقعہ وہ ہے جو امام نووی کے ساتھ پیش آیا۔

بیسیرس کی ۱۸ سالہ منظم و مستحکم حکومت کے بعد بہت جلد جلد مصر و شام کے تخت حکومت پر طہین آئے اور گئے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۱۷۱ء سے لے کر (جس سال بیسیرس نے انتقال کیا ہے) ۱۱۷۱ء تک کل ۳۳ سال کی مدت میں ۹ بادشاہ مصر کے تخت پر بیٹھے، اس ۳۳ سال کی مدت میں مصر و شام و حجاز کی اسلامی حکومت کو صرف ایک طاقتور و منظم اور مجاہد سلطان نصیب ہوا جس کا نام الملک المنصور بیف الدین قلاوون ہے جس نے ۱۱۷۱ء میں قاتاریوں پر حملہ کیا، اور سخت شکست دی اور طرابلس کو جو ۱۸۵ سال سے صلیبیوں کے قبضہ میں تھا، فتح کیا، اس نے ۱۱۷۱ء سے ۱۱۷۹ء تک ۸ سال بڑی شان سے حکومت کی منصور قلاوون کے بعد مصر کا تخت بادشاہوں اور بادشاہ گروں کا پھر کھل بن گیا، بالآخر ۱۱۷۹ء میں منصور قلاوون کے بیٹے الملک الناصر محمد بن قلاوون نے تیسری مرتبہ عتبات مملکت ہاتھ میں لی

۱۱۷۹ء خلیفہ مستعصم کی شہادت کے بعد مسلمان تین سال تک بغیر کسی خلیفہ کے رہے مدینہ نئے سال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دخلت سنة والمسلمون بلاخليفة۔ بالآخر سلطان ظاہر بیسیرس نے ۱۱۷۹ء میں خاندان عباسی کے ایک فرد کو مصر کا امیر القاسم احمد بن امیر المومنین الظاہر کے ہاتھ پر بیعت کی اور مصر خلافت کا مرکز قرار پایا، لیکن یہ خلافت برائے نام اقتدار کا

تھی، اصل حکمران اور فرماں روا خود سلطان تھا۔ یہ ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ الکبریٰ ترجمہ امام نووی۔

اور ۳۲ سال تک سلطنت کو استقرار حاصل رہا، الملک ناصر الملک ابن تیمیہ کا اصل معاصر ہے جس سے ان کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا تعلق ہے، وہ بڑی حد تک ظاہر سیرس کا جانشین اور بہت سی صفات میں اس کا نمونہ اور اپنے والد نامدار منصور قلاوون کی یادگار تھا، اس کے زمانہ میں پھر اسلامی سلطنت میں وحدت اور طاقت پیدا ہوئی، اس نے اپنے نامور پیشرو کی طرح تاتاریوں پر شاندار فتح حاصل کی اور اسلامی حکومت کی دھاک بٹھادی۔

اس پورے عرصہ میں عراق، ایران و خراسان بدستور تاتاریوں کے قبضہ میں رہے اور بغداد اس وقت تک مسلمانوں کو واپس نہیں ملا، جب تک کہ اس کے حکمران (تاتاری) خود مسلمان نہیں ہو گئے، مصر کے عباسی خلیفہ نے خود فوج کشی کی اور سلطان ظاہر سیرس نے بار بار ارادہ کیا، مگر کامیابی نہیں ہوئی سلاطین مالیک کے قبضہ و انتظام میں صرف مصر، سوڈان، شام اور حجاز تھے۔

نظام سلطنت

ملوک سلاطین کی سلطنت کا سرکاری مذہب اگرچہ اسلام تھا، اور سلطان اور اعیان سلطنت اسلام سے محبت کرتے تھے، اور دین کی حمایت رکھتے تھے، قضاۃ و ائمہ شیخ الاسلام اور دینی عہدیداروں کا باقاعدہ تقرر ہوتا تھا، احتساب کا محکمہ قائم تھا، قاضی کے فیصلے واجب التعمیل تھے، مدارس میں آزاد دینی تعلیم ہوتی تھی، لیکن سارے نظام سلطنت میں اصل کار فرما ذات سلطان اور اس کے معتمد وزراء اور ارکان سلطنت کی تھی، اور انہی کا فیصلہ اور ولی مشاء سلطنت کا اصل قانون تھا، اسلامی قوانین کے نفاذ کا رقبہ ان کی وسیع سلطنت میں بہر حال محدود تھا، نظام حکومت تقریباً فوجی و عسکری طرز کا تھا، جس کا نہ تو کوئی تدوین و مرتب دستور تھا، نہ کوئی مقررہ معین نظام، نہ کوئی مجلس شوریٰ تھی۔

ظاہر سیرس اور اس کے جانشین سلاطین اس کی کوشش ضرور کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کے

قوانین و احکام اور ان کی کارروائیوں کو علماء وقت کی تصدیق و تائید حاصل ہوا اور وہ حتی الامکان ان کی رضامندی اور مشورہ سے کام کریں، ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر علماء نے کسی نئے اقدام یا قانون کی سختی سے مخالفت کی ہے تو اس کو ملتوی کر دیا گیا ہے، خود ظاہر سیرس نے مصر و شام میں زمینداروں کی زمینیں اور جاگیریں بحق حکومت ضبط کرنی چاہیں، امام نوویؒ نے اس کی سختی سے مخالفت کی، سیرس نے اگرچہ اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، اور امام نوویؒ کو اس کی وجہ سے دشمن چھوڑ کر چلا جانا پڑا، لیکن اس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ زمینوں کی وہ صورت حال باقی رہی، اور سیرس نے اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

یہ نظام سلطنت موروثی بنیادوں پر قائم تھا، لیکن عملاً اس کے خلاف ہو رہا تھا، مگر یہ بھی کسی اسلامی بنیاد پر نہیں تھا، اور نہ اس لئے کہ اسلام کی روح اور اس کی مستند روایات کا تقاضا ہے کہ امیر ذاتی صلاحیت سے متصف ہو، اور اس کو امت کا اعتماد حاصل ہو، بلکہ اس لئے کہ خاندان غلامان (مالک) کی بنیاد ہی ذاتی جدوجہد، شخصی حوصلہ مندی اور کارکردگی پر پڑی تھی، اور اس سلطنت کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ جو زیادہ طاقتور اور دلیر ہو وہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے، سلطنت الیوبیہ کے غلاموں نے اپنی ذاتی کوشش اور ہمت سے اپنے آقاؤں کی سلطنت پر قبضہ کیا تھا، یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا، ان میں سے ہر ایک اپنے بیٹے کو جانشین بنانے کی کوشش کرتا رہا، مگر اس کے غلاموں میں جو زیادہ جری اور حوصلہ مند ہوتا، وہ اس کو ہٹا کر خود تخت سلطنت پر بیٹھ جاتا، تخت و تاج کے ان امکانات نے حوصلہ مندوں میں قسمت آزمائی کا شوق پیدا کر دیا تھا، اور اس کے حصول کے لئے اکثر رزکشی اور زور آزمائی ہوتی رہتی، اسی عرصہ میں اگر تاتاریوں یا فرنگیوں کا حملہ ہوتا تو وہ اکثر متحد ہو جاتے۔

ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت

یہ ترکی النسل حکمران طبقہ اپنی برتری کا احساس رکھتا تھا، اور ہر چیز میں عام شہری آبادی سے

متنازع رہتا تھا، اس کی زبان ترکی تھی، صرف عبادات کے موقع پر یا علماء سے خطاب کے مواقع پر یا عوام سے گفتگو کرنے میں (جس کی نوبت براہ راست کم آتی تھی) وہ عربی زبان استعمال کرتا تھا، ان میں سے بعض عربی سے اتنی واقفیت رکھتے تھے کہ وہ فرض ادا کر لیں اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کے قدروں، شاخ و صلیاء کے معتقدوں کے قیام اور مساجد کی تعمیر کے شائق تھے، عہدوں کی تقسیم میں کسی خاص نسل یا طبقہ کی تخصیص نہ تھی، پھر بھی بڑے بڑے انتظامی اور فوجی عہدے قدرتی طور پر ترکی النسل سرداروں کو ملتے تھے، احکام اور بڑے بڑے جاگیردار ترک تاتاری ہوتے تھے، جو کاشتکاروں اور مزدوروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، ۱۹۶۷ء میں حسام الدین لاجپن نے اپنے عہد حکومت میں اس کی کوشش کی کہ زمینوں کی تقسیم اس طرح ہو کہ مزاد عین کو فائدہ ہو اور ان کی حالت درست ہو، اور زراعت و پیداوار کو بھی ترقی ہو، لیکن حکام کو اس کا یہ رویہ پسند نہ آیا، اور انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، شہری آبادی کا ایک اہم عنصر تاتاری تھے، سیف الدین قطز، ظاہر بیرس اور ناصر الدین قلاوون کی جو جنگیں تاتاریوں سے ہوئی تھیں ان میں بیشمار تاتاری قید ہوئے اور گرفتار ہو کر مصر و شام میں آئے، اور وہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی، مقریزی کے بیان کے مطابق ظاہر بیرس کے زمانہ میں مصر و شام ان سے بھر گئے، اور ان کے عادات اور رسم و رواج ملک میں پھیل گئے، اور انھوں نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اپنی بہت سی رسوم و عادات پر قائم تھے، اور انھوں نے اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھا تھا، ان مسلمانوں کے اسلام کی نظر کلیہً منتقل ہو جانے اور اپنے سابقہ عقائد و خیالات، تہذیبی خصوصیات اور ذہنی اثرات سے بالکل مجرور و مکیو ہو جانے کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں، یہ تو صحابہ کرام کی خصوصیت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ تھا کہ ان کی زندگی میں اسلام و جاہلیت کی کشمکش بالکل ختم ہو گئی تھی، اور گویا دوبارہ وہ اسلام میں پیدا ہوئے تھے، ایک ایسے زمانہ اور سوسائٹی میں جب اسلامی تعلیم و تربیت کا مکمل نظام قائم نہ ہو، اور اسلامی معاشرہ میں نو واردوں کو جذب کر لینے اور از سر نو ڈھال لینے کی صلاحیت نہ رہی ہو۔

تاتاریوں اور ترکی النسل عجیوں کے اسلامی عقائد و عبادات کے سانچہ میں ڈھل جانے اور اپنے قدیم عادات و اخلاق سے یکسر آزاد و دستبردار ہو جانے کی توقع صحیح نہیں ہے، چنانچہ ان تاتاری النسل نو مسلموں کی زندگی اسلامی و جاہلی اثرات کا معجون مرکب تھی، مصر کا نامور مورخ مفریزی لکھتا ہے۔

”ان تاتاریوں کی تربیت دارالاسلام میں ہوئی تھی انھوں نے قرآن کی اچھی طرح تعلیم حاصل کی اور اسلام کے احکام و قوانین سیکھے، لیکن ان کی زندگی حق و باطل کا مجموعہ تھی اس میں اچھی چیزیں بھی تھیں اور بُری بھی انھوں نے اپنے دینی معاملات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اوقات اور یتامی کے مسائل زوجین کے اختلافات، قرض خواہوں کے تنازعات وغیرہ، قاضی القضاۃ کے سپرد کر رکھے تھے اور خود اپنے ذاتی معاملات میں چنگیزی عادات و روایات کے پابند اور ایسا (تاتاری قانون) پر کاربند تھے، انھوں نے اپنے لئے ایک حاکم حاجب کے نام سے مقرر کر رکھا تھا، جو ان کے روزمرہ کے واقعات میں فیصلہ کیے، طاقتور کو نظم و ضبط میں رکھے اور ایسا کے مطابق کمزور کو اس کا حق دلائے، اسی طرح بڑے بڑے تاتاری سوداگروں کے معاملات کا فیصلہ بھی ایسا کے مطابق ہوتا تھا، اور جاگیروں اور جائیدادوں کے معاملات میں اگر اختلاف واقع ہوتا تو اس کا تصفیہ اس قوی قانون کے مطابق ہوتا۔“

ان ترکی النسل عجیوں اور ان تاتاری نو مسلموں کے عادات و اخلاق، رسم و رواج اور تہذیب و معاشرت حتیٰ کہ عقائد و خیالات کا اثر قدیم عرب اور سلمان آبادی پر پڑنا لازمی تھا جس طرح صلیبی جنگوں میں یورپ و ایشیا کا اختلاط ہوا تھا اسی طرح تاتاری یورش اور تاتاریوں کے فاتح اور فتوح غنہ کی حالت میں مشرق و مغرب کا اختلاط ہو رہا تھا، یہ اختلاط و اجتماع میدان جنگ کی آویزش سے شروع ہوا تھا، لیکن تہذیبی و فکری و اخلاقی آمیزش پر ختم ہوا، ہر ایک نے دوسرے کو

لے خط مصر

متاثر کیا اور ہر ایک نے دوسرے کا اثر قبول کیا۔

اس اختلاط و اجتماع نے بہت سے نئے مسائل پیدا کر دیئے، اور ایک نئی تہذیب اور نئی معاشرت وجود میں آئی جس کے متعلق یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ اسلامی تہذیب یا عربی معاشرت ہے، اس صورت حال سے ایک ایسے مصلح اور علم کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو مسلمانوں کی زندگی میں غیر اسلامی اثرات اور جاہلی عادات کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، اور جو اس کو سترتا سر کتاب سنت کے تابع صدر اول اور خیر القرون کے نقش قدم پر اور۔

أَدْخُلُوا فِي التِّلْمِ كَعَفَاً اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

کی تفسیر دیکھنا چاہتا ہے۔

علمی حالات

اس صدی کے وسط میں علامہ تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح (۵۴۴-۶۱۳ھ) شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (۵۴۸-۶۶۰ھ) اور امام محی الدین النووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) جیسے امام فن موجود تھے، اس صدی کے آخر میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن قیم العید (۶۲۵-۷۰۲ھ) جیسے محدث اور علامہ علماء الدین اباجی (۶۳۱-۷۱۴ھ) جیسے اصولی و حکم نظر آتے ہیں، ابن تیمیہ کے معاصرین میں علامہ جمال الدین ابوالکجاج المزنی (۶۵۴-۷۴۲ھ) حافظ علم الدین البرزالی (۶۶۵-۷۳۹ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ) جیسے محدث و مؤرخ موجود تھے، جو اپنے زمانہ میں فن حدیث و روایت کے ارکان اربعہ میں شمار ہوتے تھے، اور جن کی کتابوں پر متاخرین کا دار و مدار ہے۔

ان کے علاوہ قاضی القضاة کمال الدین ابن الزمکانی (۶۶۷-۷۲۷ھ) قاضی القضاة

جلال الدین القزوينی (م ۷۳۹ھ) قاضی القضاة تقی الدین البکی (۶۸۳-۷۵۶ھ) اور علامہ ابو جراح

(۶۵۴-۷۷۵ھ) جیسے کامل الفن اساتذہ اور قوی الاستعداد عالم موجود تھے، جن کا درس مرجع خلائی اور جن کا تبحر شہرہ آفاق تھا۔

علم کی اشاعت ترقی پرتھی، مصر و شام میں الیویوں اور مالیک کے قائم کئے ہوئے بڑے بڑے مدرسے اور دارالحدیث تھے، جن میں اطرافِ عالم کے طلبہ علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کی تعلیم پاتے تھے، مدارس کے ساتھ اور مستقل طور پر بھی بڑے بڑے کتاب خانے تھے، جن میں ہر علم و فن کی نادر کتابیں اور علمی ذخیرہ محفوظ تھا، جس سے ہر طالب علم فائدہ اٹھا سکتا تھا، صرف مدرسہ کالمیہ میں (جس کو الکامل محمد الایوبی نے ۶۲۱ھ میں قائم کیا تھا) جو کتب خانہ تھا، اس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں، اسی صدی میں بعض جلیل القدر کتابیں تصنیف ہوئیں، جو متاخرین کا مرجع ہیں، مثلاً علامہ تقی الدین ابن الصلاح کا مقدمہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی القواعد الکبریٰ، امام نوادی کی مجموع (شرح المہذب) اور شرح مسلم ابن دقین العید کی کتاب الامام اور احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، ابوالعجاج المزی کی تہذیب الکمال، اور علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال اور تاریخ الاسلام۔

لیکن چند شخصیتوں اور علمی کارناموں کو مستثنیٰ کر کے اس صدی کے علم اور تصنیف و تالیف میں وسعت زیادہ تھی، عمق کم تھا، غور و فکر و تعمق کے بجائے نقل و اقتباس کا ذوق غالب تھا، مذاہب فقہیہ کے آہنی سانچے بن گئے تھے جن میں لوہے نہیں تھا، یوں کہنے کو تو حق کو مذہب باربعہ میں دائر مانا جاتا تھا، لیکن عملاً ہر مذہب کے پیرو حق کو اپنے مذہب و مسلک کے ائمہ محدود مانتے تھے، بہت رعایت سے کام لیتے تو کہتے کہ۔

رأى امامنا صواباً في مثل الخطأ
ہم نے امام کے اجتہادات تمام تر درست ہیں ان میں
و رأى غيرنا خطأً في مثل الصواب۔
غلطی کا احتمال ہے اور دوسرے لوگ کے اجتہادات

نادرست ہیں ان میں صحت کا احتمال ہے۔

ہر مذہب کے پیرو اپنے فقہی مسلک کو تمام مذاہب فقہیہ سے افضل و اعلیٰ مقبول و مویدین اللہ سمجھتے تھے ان کی تمام ذہانت، قوت تصنیف، قوت بیانہ اس کی ترجیح اور اس کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف ہوتی تھی، مبعین اپنے مذہب کو جس نظر سے دیکھتے تھے، اور جو ذہنیت اہل مذاہب میں کارفرما تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب سلطان الملک نطاہر میرس نے پچھلے دستور کے برخلاف شافعی قاضی القضاۃ کے علاوہ باقی تینوں مذاہب کے بھی علیحدہ علیحدہ قاضی القضاۃ مقرر کئے تو فقہاء شافعیہ نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اس لئے کہ وہ مصر کو شافعی قاضی القضاۃ کے ماتحت ہی دیکھنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قدیم روایات اور امام شافعی کا مدفن ہونے کی وجہ سے مصر پر مذہب شافعی ہی کا حق ہے، جب میرس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور اس کے خاندان سے حکومت منتقل ہوئی تو بعض شافعیہ نے اس کو اسی فعل کی سزا اور قدرتی انتقام سمجھا۔

اس فقہی تحریک (گروہ بندی) کے ساتھ کلامی تعصب بھی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، مذاہب اربعہ کے پیرو ایک دوسرے کے معترف اور شاگرد و استاد بھی تھے آپس میں ملتے جلتے بھی تھے، محبت و احترام بھی کرتے تھے لیکن اشاعرہ و حنابلہ کا اتحاد تقریباً ناممکن تھا، مذاہب میں بحث صرف ارجحیت اولیت کی تھی، یہاں بحث کفر و اسلام کی تھی، ایک کو دوسرے کی گمراہی پر اصرار تھا، عقائد کی بحثوں نے اور کلمانہ مویشگان فیوں نے تمام مباحث کو دبا لیا تھا، اور یہ ذوق ہر ذوق پر غالب تھا، سلطنتوں کو اس سے دھپسی تھی، اور عوام و خواص سب اس نشہ میں مبتلا رہے تھے۔

دوسری طرف تصوف بھی عروج پر تھا، اس میں بہت سے غیر اسلامی افکار اور عناصر شامل ہو گئے تھے اور بہت سے پیشہ ور جاہل، غیر محقق اور مبتدع اس گروہ میں شامل ہو کر عوام و خواص کی گمراہی اور شرک، بدعات کی گرم بازاری کا سبب بن رہے تھے۔

لے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔

فلسفہ کا ایک حلقہ مذہب اور انبیاء کی تعلیمات سے آزاد ہو کر اپنی تعلیمات کی اشاعت میں بعض اوقات علانیہ اور بعض اوقات خفیہ طور پر مصروف تھا، دوسرا حلقہ فلسفہ کو اصل اور معیار قرار دے کر مذاہب کا اس سے پیوند لگانا چاہتا تھا، اور عقل و نقل کی تطبیق کی کوشش کرتا تھا، دونوں حلقے اسطرح وافلاطون کے جامد مقلد اور ان کے افکار و خیالات کی تقدیس، ان کے علوم کی صحت اور ان کی برتری اور مافوق البشری حیثیت کے پورے پورے قائل تھے اور کسی چیز میں ان کے نتائج فکر اور تحقیقات سے ہٹنے اور ان کی غلطی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

یہ تھا وہ سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، ذہنی و علمی ماحول جس میں ابن تیمیہ نے ہوش بنگھالا، اور جس میں انھوں نے اصلاح و تجدید کا علم بلند کیا۔

ابن تیمیہ کا آبائی وطن

جلد و فرات کا دو آبہ دو حصوں میں تقسیم ہے (۱) جنوبی جو عراق عربی کہلاتا ہے اور جس میں بغداد و بصرہ وغیرہ واقع ہیں (۲) شمالی جس کو قدیم عربی لٹریچر میں دیار مکہ، دیار ربیعہ اور دیار مصر کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور عرب جغرافیہ نویس عام طور پر بحرِ ربیعہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کا شمال میں آرمینیا، جنوب میں عربی عراق، مشرق میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک اور بلاتستان (صحرائے شام) واقع ہے اسی علاقہ میں موصل، الرقة (البیضاء) نصیبین اور حلب (ایڈریا) واقع ہیں الرابکہ جنوب میں تقریباً گھنٹے کی مسافت پر شہر تاریخی شہر حران ہے ابن حوقل کے بیان کے مطابق یہ قدیم زمانہ سے صابئین کا مذہبی و علمی مرکز رہا ہے، فلسفہ اور قدیم یونانی علوم میں اس کو خاص امتیاز اور شہرت حاصل رہی ہے یہی حران ابن تیمیہ کا آبائی وطن ہے، جہاں ان کا خاندان صدیوں سے آباد تھا۔

لے آج کل اس کو اور فاکتے ہیں، اور وہ سلطنت ترکی میں شامل ہے۔

ابن تیمیہ کا خاندان

ابن تیمیہ کا خاندان جو پہلے سے اسرۃ ابن تیمیہ (خاندان ابن تیمیہ) کے نام سے مشہور تھا، حوران کا مشہور علمی اور دینی خاندان تھا، یہ خاندان (جب سے اس کی تاریخ معلوم ہے) خلیلی القیدہ اور خلیلی الذہب تھا، اپنے دیار میں اس کو مذہب خلیلی میں پیشوائی کا منصب حاصل تھا، اور اس کے صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا ابو البرکات محمد الدین ابن تیمیہ کا شمار مذہب خلیلی کے ائمہ و اکابر میں ہے، بعض اہل علم نے ان کو محدث مطلق کے لقب سے یاد کیا ہے، امام ابن رجال حافظ ذہبی کتاب النبلاء میں لکھتے ہیں کہ محمد الدین ابن تیمیہ سن ۵۹۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، پہلے اپنے چچا مشہور خطیب و واعظ محمد الدین ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا، پھر حوران اور بغداد کے علماء و محدثین سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور فقہ میں کمال حاصل کیا، ذہبی کے الفاظ ہیں۔

وانت الی الامامة فی الفقہ فقہ میں ان کو وجہ لامت حاصل تھا۔

۶۵۱ھ کے سفر حج میں جب وہ بغداد پہنچے تو علماء ان کی ذکاوت اور کمالات دیکھ کر حیران رہ گئے، ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے خود مجھ سے نقل کیا کہ شیخ ابن مالک کہتے تھے کہ اشرع علم فقہ کو محمد الدین ابن تیمیہ کے لئے ایسا ہی نرم کر دیا ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے دادا (محمد الدین) کی طبیعت میں کچھ تنزیہی اور جوش تھا، ایک مرتبہ ایک عالم نے

لے ابن تیمیہ سے چار پشت اور ان کے جد امجد محمد بن اعنف کے وقت سے یہ سب شروع ہوئی تھی، اس وجہ سے یہ یوں خیر کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ محمد بن اعنف کی والدہ کا نام (جو حافظہ تھیں) تیمیہ تھا، اس لئے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔

۷۰۰ھ ترجمہ صاحب فتی الاخبار تعلیم ملا محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار۔

ان سے ایک علمی سوال کیا، انھوں نے فرمایا کہ اس کا جواب ساٹھ طریقہ پر ہے، پھر ایک ایک کر کے پورے جوابات گنا دیئے اور آخر میں کہا کہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم ان جوابات کو دہراؤ، وہ یہ ذہانت دیکھ کر متحیر رہ گیا، اور خاموش ہو گیا، شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ ستون کے نقل اور مذاہب کے خط میں وہ ایک مجاہد روزگار تھے، ان کو اس میں کچھ تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا، ۶۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی سب سے مشہور تصنیف اور علمی یادگار مفتی الاخبار ہے، علماء نے ہر زمانہ میں اس کتاب سے استفادہ اور اس سے اعتناء کیا ہے، مصنف نے اس کتاب میں فقہی ابواب پر وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اہل مذاہب کی دلیل اور ان کا ماخذ ہیں، آخر میں یمن کے مجتہد عالم اور سرآمد مذکورہ محدث علامہ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار کے نام سے آٹھ جلدوں میں اس کی شرح لکھی جو اپنی حسنِ ترتیب و فصاحت کی بختوں اور مصنف کی وسعتِ نظر اور وسعتِ قلب کی وجہ سے علمی و علمی حلقوں میں خاص وقعت رکھتی ہے۔

شیخ الاسلام کے والد شہاب الدین عبد الحکیم ابن تیمیہ عالم و محدث حنبلی فقیہ اور صاحبِ درس و افتاء تھے، حران سے دمشق منتقل ہونے کے بعد انھوں نے دمشق کی جامع اموی میں جو اکابر علماء و مدین کامرکز تھے، اور جہاں ہر عالم اور مدرس کا کام نہیں تھا کہ درس دے، باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا، ان کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بالکل زبانی اور درجہ بہ درجہ ہوتا تھا، اور وہ اثنائے درس میں کسی کتاب سے مدد نہیں لیتے تھے، تمام تراپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد تھا، جامع اموی کے درس و وعظ کے ساتھ وہ دمشق کی دارالحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث بھی تھے، وہیں ان کی سکونت بھی تھی، ۶۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور مقابر الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔

ولادت اور نقل سکونت

اس نامور اور مخلص علمی و دینی خاندان میں دو شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں تقی الدین ابن تیمیہ

لے یہ خصوصیات ان کے پوتے کی طرف منتقل ہوئیں۔ ۷۷۰ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۱۳ ص ۱۳۱

کی ولادت ہوئی، بابائے احمد تقی الدین نام رکھا، بڑے ہو کر انھوں نے ابوالعباس کینیت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب پر غالب آیا، اور وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

یہ زمانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، تاتار گروہی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام ان کی ہیبت سے لڑھ براندام تھا، لیکن عراق و جزیرہ کی سرزمین خاص طور پر ان کی جولانگاہ تھی، ابن تیمیہ سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آگیا، تاتاریوں کے حملہ کے بعد علم و فضل، عزت و آبرو اور جان و مال کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی، آخر مجبور ہو کر ان کا خاندان بھی شرفاء و علماء کے صدا خاندانوں کی طرح کسی اسلامی ملک میں پناہ ڈھونڈھنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، عراق کی طرف جانے کا کوئی سوال نہ تھا، قریب تر ملک جو اس وقت تک تاتاری غارتگروں سے بچا ہوا تھا، شام تھا، جہاں مصر کے طاقتور ملک سلاطین حکومت کر رہے تھے، آخر اس خاندان نے مغرب ہی کا رخ کیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس پریشانی اور بے سرو سامانی کی حالت میں بھی اس علمی خاندان نے اپنے قیمتی کتب خانہ کو جو کئی پشتوں کا اندوختہ اور ایک بڑا علمی سرمایہ تھا، جدا کرنا گوارا نہیں کیا، چنانچہ سب مال و متاع چھوڑ کر کتابیں ایک گاڑی پر بار کیں، اور روانہ ہو گئے، تاتاریوں کا کھٹکا لگا ہوا تھا، ہر جگہ دہشت پھیلی ہوئی تھی، عورتوں اور بچوں کا ساتھ تھا، بڑی مشکل یہ تھی کہ جانوروں کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتابوں کی گاڑی خود کھینچنی پڑتی تھی، قافلہ افتاں و خیزاں چلا جا رہا تھا، ایک جگہ قریب تھا کہ تاتاری سر پر پہنچ جائیں، قباحت یہ ہوئی کہ کتابوں کی گاڑی چلتے چلتے رک گئی، خاندان کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور گریہ و زاری کی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور گاڑی کے پہیے کام کرنے لگے اور قافلہ آگے بڑھا۔

دمشق میں

دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانہ کی آمد کی خبر ہو گئی، اہل علم ابوالبرکات مجد الدین ابن تیمیہ کے نام

لے الکواکب الدریہ۔

اور کام سے واقف تھے، عبدالحلیم ابن تیمیہ کا علم و فضل بھی معروف تھا، چند دن کے اندر ہی جامع اموی اور دارالحدیث اسکریہ میں ان کا درس شروع ہو گیا، اور وہ طلبہ و جنسلی علماء کا مرجع بن گئے، اور اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی غریب و اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

کس احمد ابن تیمیہ نے جلد قرآن مجید کے حفظ سے فراغت کر لی، اور حدیث وفقہ و عربیت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، اس عرصہ میں اپنی نو عمری کے باوجود اپنے والد کی مجالس میں درس و وعظ اور علماء کے حلقوں میں شرکت کرتے تھے اور علمی مذاکرات میں شریک رہتے تھے جس سے ان کا اخلاق و دین و سعت و ترقی حاصل کرتا تھا۔

غیر معمولی حافظہ

ابن تیمیہ کا خاندان قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں مشہور تھا، ان کے دادا اور والد دونوں بڑے قوی الحفظ تھے، لیکن تقی الدین ابن تیمیہ اس نعمت میں اپنے پورے خاندان سے سبقت لے گئے، اور بچپن ہی میں ان کے عجیب و غریب حافظہ اور سرعت حفظ نے علماء و اساتذہ کو حیر کر دیا، اور دمشق میں اس کی شہرت پھیل گئی، صاحب العقود الدردیہ لکھتے ہیں کہ:-

”ایک مرتبہ حلب کے ایک بڑے عالم دمشق آئے، انھوں نے سنا کہ ایک بچہ ہے جس کا نام احمد ابن تیمیہ ہے، اور وہ بہت جلد یاد کرتا ہے، ان کو اس کے دیکھنے اور امتحان لینے کا شوق ہوا، جس رات سے ابن تیمیہ گزرا کرتے تھے، وہاں وہ ایک دزدی کی دکان پر بیٹھ گئے، دزدی نے کہا کہ وہ بچہ آتا ہوگا، یہی اس کے کتب کا راستہ ہے، آپ شریف رکھئے، تھوڑی دیر میں کچھ بچہ کتب جاتے ہوئے گزرے، دزدی نے کہا دیکھئے وہ بچہ جس کے پاس بڑی سی تختی ہے، وہی ابن تیمیہ ہے، شیخ نے اس بچہ کو آواز دی، وہ آیا تو اس کی تختی لے لی، اور کہا کہ بیٹا اس تختی پر جو کچھ لکھا ہوا ہے

اس کو پونچھ ڈالو، جب وہ صاف ہو گیا تو انھوں نے اس پر کوئی ۱۱ یا ۱۳ حدیثیں لکھوا دیں اور کہا ان کو پڑھ لو، بچہ نے اس کو ایک مرتبہ غور سے پڑھا، شیخ نے تختی اٹھالی اور کہا کہ سناؤ، بچہ نے پوری حدیثیں سنا دیں، شیخ نے کہا کہ اچھا اب ان کو بھی پونچھ ڈالو، پھر چند سندیں لکھ دیں اور کہا کہ پڑھو، بچہ نے ایک بار غور سے دیکھا اور پھر سنا دیا، شیخ نے یہ تماشا دیکھ کر فرمایا کہ اگر یہ بچہ جتنا رہا تو کوئی چیز بنے گا، اس لئے کہ اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے!

محدثین متقدمین کے حافظہ کے جو واقعات معتبر تاریخوں میں منقول ہیں، اور ادیانِ حدیث اور ائمہ ادب کے خداداد حافظہ کی جو مثالیں تجربہ اور شاہدہ میں آئی ہیں ان کے پیش نظریہ واقعہ بالکل بعید از قیاس اور ناممکن نہیں، خود ابن تیمیہ کی بعد کی زندگی اور ان کے حفظ و نقل کے واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کو غیر معمولی حافظہ عطا ہوا تھا۔

تعلیم تکمیل

ابن تیمیہ نے بڑی محنت اور توجہ اور انہماک کے ساتھ علوم کی تحصیل شروع کی ان کے مورخ اور معاصر بیان کرتے ہیں کہ ان کو کسنی کے باوجود کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ وقت ضائع نہیں کرتے تھے، بایں ہمہ وہ زندگی اور اپنے زمانہ کی سوسائٹی، شہر کے حالات اور لوگوں کے اخلاق و عادات سے بے خبر اور بے تعلق نہیں تھے، ان کی تصنیفات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زندگی کا مطالعہ وسیع اور عمیق تھا اور انھوں نے عوام سے الگ تھلگ کسی علمی گوشہ میں زندگی نہیں گزاری تھی۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی، انھوں نے عربیت کی طرف خاص توجہ کی اور لغت و نحو میں عالی بصیرت حاصل کی، امام نحو سیبویہ کی کتاب الکتاب (جو نحو کی سب سے مقبول اور مستند

۱۔ ابن تیمیہ (محبوب زہرا) بحوالہ عقود الدردیہ - ص ۱۷

کتاب ہے، یہاں تک کہ جب محض الکتاب کہا جائے تو اس سے کتاب سیویہ ہی مراد ہوتی ہے) کا انھوں نے خاص طور پر بڑے غور و فکر سے مطالعہ کیا، اور اس کے کمزور مقامات اور غلطیوں کی گرفت کی، عربیت اور لغت و نحو پر محققانہ اور ناقدانہ نظر رکھنے اور اپنے اس ادبی و نحوی ملکہ اور راسخ سے انھوں نے اپنی علمی زندگی اور اپنی تصنیفات و مباحث میں بڑا کام لیا، نثر و نظم کا ایک بڑا حصہ انھوں نے محفوظ کیا، عرب جاہلیت اور عرب ولین کے حالات و واقعات تفصیل سے دیکھے، اور اسلامی عہد اور اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا، یہ وسیع اور متنوع مطالعہ ان کو اپنے بعد کی گونا گوں علمی زندگی میں بہت کام آیا، ان کے معاصرین و مناظرین میں کوئی وسعت نظر اور وسعت مطالعہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ان کے علمی تفوق کا یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔

نظری علوم کے علاوہ انھوں نے کتابت و خوشنویسی اور حساب و ریاضی کی طرف بھی توجہ کی اور ان کو ان کے اساتذہ سے حاصل کیا۔

علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ، فرائض اور حدیث و تفسیر کی طرف پوری توجہ کی، فقہ حنفی ان کے گھر کی چیز تھی اور خود ان کے والد اس سلسلہ میں شایع استاد و تجربہ کار عالم اور بہترین شیعہ رہنما تھے اس زمانہ میں حدیث کی کتابت و حفظ اور سماع کا عام رواج تھا، ابن تیمیہ نے سب سے پہلے امام محمدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین حفظ کی، پھر اساتذہ وقت اور علمائے وقت حفظ و طالعے شام سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی، ابن عبد الہادی کا بیان ہے کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے، ان کے خاص شیوخ حدیث میں ابن عبد الدائم المقدسی اور ان کے طبقہ کے لوگ ہیں، مسند امام احمد کی کئی بار سماعت کی، اسی طرح صحاح ستہ کی سماعت کی کئی بار نوبت آئی۔

تفسیر ابن تیمیہ کا محبوب موضوع تھا، اور ان کو اس سے خاص دلچسپی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ

مفتوں نے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی۔۔۔ اسے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا، اس فن سے ان کو فطری مناسبت تھی قرآن مجید کی تلاوت، تدبر اور مطالعہ کی کثرت سے اثر تعالیٰ نے ان پر علوم قرآن کا خاص افاضہ فرمایا تھا۔ کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے فہم قرآن اور شرح صدر کی دولت آگتے تھے اپنی طالب علمی اور اپنے تدبر فی القرآن کے طریقہ کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں:-

بعض اوقات یکایک آیت کے لئے میں نے سو تفیروں	ربما طالعت علی الآیة الواحدة فحماة
کا مطالعہ کیا ہے مطالعہ کے بعد میں اثر تعالیٰ سے	تفسیر ثم استلذت الله الفهم واقول ينفعني
دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم غایت میں عرض	ادم و ابراهيم علمني و كنت اخم بال
کہ کلام آدم و ابراہیم کے معلم میری تعلیم فرما میں سنان	للمساجد المبحرة و نحوها و ارفع و جی
اور میرا جو سب سے زیادہ مقالات کی طرف چلا جاتا اپنی	فی التراب و اسأل الله تعالى واقول يا معلم
پیشانی خاک پر پڑا بعد کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے	ابراهيم فقمی

وایے مجھے سمجھا فرما:

اس زمانہ میں (بالخصوص مصر و شام میں) اشاعرہ کے علم کلام کا زور تھا، سلطان صلاح الدین خود اشعری عقیدہ تھا، مورخ مصر قزوی کا بیان ہے کہ سلطان نے یحییٰ بن قطب الدین ابوالمعالی اشعری کا من (جو انھوں نے قائم کے بارے میں تصنیف کیا تھا) حفظ کیا تھا، اور بعد میں اپنے خاندان کے بچوں کو حفظ کراتا تھا، اس نے اس کے جانشینوں (بنی ایوب) نے لوگوں کو اشعری عقیدہ کا پابند کر دیا تھا، ان کے زمانہ اور ان کے جانشینوں (مالک مصر) کے زمانہ تک اشعری عقیدہ کو حکومت کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ غالبہ صحیح یا غلط طریقہ پر اشاعرہ کے حریف اور متقابل سمجھے جاتے تھے، دونوں فریق بحث و گفتگو میں مشغول رہتے، اشاعرہ کا علم کلام اور طریق اثبات عقلی استدلال اور قطعی برہان پر مبنی تھا، غالبہ نصوص

لہ تفہیمۃ النور (ابن تیمیہ) ص ۱۱۱

لہ العقود الدینیہ ص ۱۱۱

marfat.com

Marfat.com

اور آیات و احادیث کے ظاہری مفہوم سے بحث کرتے تھے علم کلام میں عدم تعمق اور منطق و فلسفہ سے عدم اشتغال کی وجہ سے بعض اوقات بحث و مناظرہ میں حنابلہ کا پیرا ہکا معلوم ہوتا تھا اور ان کے متعلق یہ خیال قائم ہوتا جاتا تھا کہ یہ عقلیات سے بے خبر اور ظاہری و سطحی علم کے لوگ ہیں غائبانہ اسی احساس نے ابن تیمیہ جیسے غیور و ذکی احسن نوجوان عالم کو علم کلام کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور عقلیات اور فلسفہ و منطق سے براہ راست واقفیت کی طرف متوجہ کیا، انھوں نے ان علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور ان پر ایسا عبور حاصل کیا کہ وہ خود ان علوم کی کمزوریوں اور ان کے مصنفین و ائمہ حتیٰ کہ حکماء و یونان کی غلطیوں سے واقف ہو گئے اور انھوں نے ان علوم کی تنقید میں ایسی دلائل اور عالمانہ کتابیں لکھیں جن کا جواب فلسفہ کا پورا حلقہ نہیں دے سکا۔

غرض ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں کتاب و سنت کی ترجمانی، دین کی صداقت و برتری ثابت کرنے اور علمی و ملی گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے ایسی وسیع اور مکمل علمی تیاری کی جس کی اس ترقی یافتہ علمی دور اور فکری و دینی انتشار کے زمانہ میں ضرورت تھی، انھوں نے ان تمام علوم کا استعمال کیا جن سے ان کے حریف اور مخالفین اسلام (یہود و نصاریٰ و فلاسفہ اور باطنیہ) مسلح تھے، انھوں نے وہ علمی تحریک اکیک ان کے معاصرین دیکھ کر رنگ رہ گئے، ان کے مشہور حریف علامہ کمال الدین الزمکانی ان کی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قد الات الله لما العلوم كما الات لداود	ابن تیمیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے علوم اس طرح نرم
المديد كان اذا مثل من في من العلم	کریئے تھے جیسے دائود علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ
ظن الراعي والسماع انه لا يعرف غير	والسلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا جس علم کے بارے
ذلك الفن وحكم ان احدا لا يعرفه	میں ان سے سوا کسی کو جانتا اس طرح جواب دیتے کہ
مثلة وكان الفقهاء من سائر الطوائف	دیکھنے والا اپنے حق سمجھتا کہ وہ اس فن کے سوا کچھ
اذا جلنوا معه استفادوا في مذاهم	نہیں جانتے اور فیصلہ کرتا کہ ان کی طرح کوئی اس

منہ مال مرکبوا عرفوہ قبل ذلک،
ولا یعرف انہ ناظر احدًا فانقطع منہ
ولا تکلم فی علم من العلوم سواہ کان
من علوم الشرع او غیرہا الا فاق فیہ
اہلہ والمنسوبین الیہ وکانت لہ
الید الطولی فی حسن التصنیف۔
فن کا عالم نہیں ہر مذہب و فقہ کے علماء جب
ان کی مجلس میں شریک ہوتے تو ان کو کوئی نہ کوئی
ایسی چیز معلوم ہوتی جو ان کو پہلے سے معلوم نہیں
تھی کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کسی سے مناظر کیا
اور ہند ہو گئے ہوں، جب کبھی انہوں نے کسی شرمی یا
عقلی علم میں کلام کیا تو ماہرین فن سے اور اس کے مخصوص
عالموں سے بڑھ گئے تصنیف میں بھی ان کو ید طولی حاصل تھا۔

ابن تیمیہ کا پہلا درس

ابھی ابن تیمیہ کی عمر ۲۲ ہی سال کی تھی کہ (۶۸۲ھ میں) ان کے جلیل القدر والد عبد الحلیم ابن تیمیہ
کا انتقال ہوا، اور دارا کدیت السکر یہ میں ان کی سند درس خالی ہو گئی۔
لیکن یہ سند درس زیادہ دن خالی نہیں رہنے پائی، ۲۲ محرم ۶۸۳ھ کو ان کے قابل فخر فرزند
احمد تقی الدین ابن تیمیہ نے اس کو زینت دی اور پہلا درس دیا اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی درس
میں دمشق کے مشہور فضلاء و علماء شریک تھے، قاضی القضاۃ بہاء الدین ابن الزکی الشافعی بنفس نفیس
موجود تھے علماء شافعیہ میں سے ان کے علاوہ شیخ الشافعیہ شیخ تاج الدین الفزاری، علمائے سنا بلہ
میں سے زین الدین بن المنجا اخبیلی اور دوسرے سربراہان و علماء حاضر تھے اس درس تمام حاضرین
بیمد متاثر اور نوجوان عالم کے تبحر علمی، حاضر دماغی اور جرأت و فصاحت کے معترف تھے، عافا ابن کثیر
جو شیخ الاسلام کے تلامذہ میں ہیں ۶۸۳ھ کے واقعات کے ضمن میں اس درس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لہ الکواکب الدررۃ ص ۵

وكان درساها نالا، وقد كتبه الشيخ
 تاج الدين الفزاري بخطه لكثرة فوائده
 وكثرة ما استحسنه الحاضرون وقد اطلب
 الحاضرون في شكره، على حداثة سنه و
 صغره فانه كان عمرا اذ خال عشرين
 سنة وستين.
 بحير الحقول درس تھا، شیخ تاج الدین الفزاری
 نے اس کے کثیر فوائد اور لوگوں کی عام پسندیدگی کی
 وجہ سے اس کو اپنے قلم سے ضبط کیا، حاضرین نے
 ابن تیمیہ کی کم عمری اور جوانی کی بنا پر اس درس کی
 بڑی تعریف کی، اور ان کو بہت داد دی، اس لئے
 کہ ان کی عمر اس وقت ۲۲ سال کی تھی۔

اگلے بہینہ (صفر) کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے دن ابن تیمیہ نے اپنے والد کی جگہ پر جامع اموی میں
 تفسیر کا درس دیا، ان کے لئے خاص طور پر منبر رکھا گیا تھا، انھوں نے سلسلہ وار تفسیر بیان کرنی شروع کی،
 روز بروز مجمع میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ اپنے درس تفسیر میں اس کثرت سے علوم اور جدید مضامین
 بیان کرتے تھے کہ سامعین کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اسی کے ساتھ ان کی دینداری زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ
 اور گرویدہ ہوتے تھے، اور ان کی شہرت دور دور کے شہروں اور ملکوں میں پھیلتی جاتی تھی، کئی برس تک
 ان کا یہی معمول رہا۔

ج

۶۹۲ھ میں ابن تیمیہ نے شامی قافلہ کے ساتھ جس کے امیر اباسطی تھے، ریح کیا، معان میں
 جب یہ قافلہ پہنچا تو ایک بڑی تند و تیز ہوا چلی جس میں بہت سے آدمی کام آئے، اونٹ بھی اپنی جگہ پر
 قائم نہ رہ سکے، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔
 شاتم رسول کی تعزیر

۶۹۳ھ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ابن تیمیہ کی دینی حمیت اور ایمانی جذبہ کا

لے البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۳ ایضاً ۳۰۴ ایضاً ۳۰۵

marfat.com

Marfat.com

علی اظہار ہوا، دمشق میں عساف نامی ایک عیسائی کے متعلق ایک جماعت نے گواہی دی کہ اس نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، اس جرم کے بعد اس نے ایک عرب سردار کے پاس پناہ لی، یہ سن کر ابن تیمیہ اور دارالحدیث کے شیخ زین الدین الفارقی اکٹھا ہو کر نائب السلطنت عزالدین ایکلحموی کے پاس گئے، اور اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی، امیر نے اس کو منظور کیا اور مجرم کو بلا بھیجا، شیخین حاکم کے پاس سے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ایک مجمع کثیر تھا کہ عساف کو لوگوں نے آتا ہوا دیکھا، اس کے ساتھ ایک عرب بھی تھا، مجمع یہ دیکھ کر عرب کو گالیاں دینے لگا، عرب نے کہا کہ یہ عیسائی تم سے بہتر ہے، مجمع یہ سن کر مشتعل ہو گیا، اور دونوں پر سنگ باری کرنے لگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، حاکم نے دونوں عالموں (ابن تیمیہ اور فارقی) کو بلایا، اور اپنے سامنے ان کو زکوٰۃ کو بکرا، عیسائی مسلمان ہو گیا، اور اس کی حفاظت کی ضمانت کی گئی، بعد میں دونوں عالموں کو چھوڑ دیا گیا، اور حاکم نے ان سے معافی مانگی، اسی زمانہ میں ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب الصام المسلول علی شاتم الرسولؐ لکھی۔

۴ شعبان ۷۹۵ھ میں شیخ احتساب علامہ زین الدین بن منجی شیخ المدرستہ احنبلہ نے وفات پائی، تو ان کی قائم مقامی اور مدرسہ حنبلیہ کی صدارت تدریس بھی ابن تیمیہ کے سپرد ہوئی۔

پہلی مخالفت

ابن تیمیہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور عوام و خواص میں ان کی مقبولیت و شہرت روز افزوں تھی کہ ۷۹۵ھ میں ان کے خلاف پہلی شورش برپا ہوئی، اور ان کی ذات اور ان کے عقائد موضوع بحث بنے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۷۹۵ھ میں شہر حماہ (شام) کے چند باشندوں نے ایک استفتاء مرتب کر کے بھیجا جس میں دریافت کیا گیا تھا کہ **الَّذِي عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ**

جیسی آیات اور ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن اور یضع الجبار قدمہ فی النار

وغیرہ احادیث کے بارہ میں علماء کی کیا تحقیق اور صفات کے بارہ میں علماء اہل سنت کا کیا مسلک ہے؟
 شیخ الاسلام نے اس کا بسوط و مفصل جواب دیا، صفات کے بارہ میں صحابہ تابعین، ائمہ
 مجتہدین، متقدمین (امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر ابی قلزانی اور امام اکبرین تک) کا
 مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت
 کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو
 اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اور اس کی ذات (بسی مکتبہ شی) کے لائق اور تشبیہ و مجسم نیز نفی و تعطیل
 سے منزہ اور پاک ہے، یعنی نہ تو ان صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس کرتے ہیں، نہ تنزیہ و تقدیس
 کے غلو و افراط میں ان کی نفی اور ان کا انکار کرنے لگتے ہیں، نہ ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے وہ
 حقیقت سے دور اور محض کنایہ اور مجاز بن کر رہ جائیں، بلکہ جس طرح خود اس کی ذات اور اس کی
 صفات سب (حیاء، علم، قدرت، سمیع، بصیر، کلام، ارادہ) پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے
 ہیں، جو ذات الہی اور شان خداوندی کے لائق ہے، اسی طرح الفاظ مخصوص و مجرید غضب و رضا
 فی السماء علی العرش، فوق کو بھی حقیقہً بلا کسی تاویل کے تسلیم کرتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت ثابت
 کرتے ہیں، جو اس منزہ و مقدس ذات اور بے چوں و بیچکوں و بے مثال و بے قیاس ہستی کے شانِ شان
 ہے، ان دونوں قسم کی صفات میں ان حضرات کا مسلک اور رویہ علیحدہ علیحدہ اور متضاد نہیں ہے، اور
 جس طرح حیات، علم، قدرت وغیرہ پر ایمان لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوقات اور محدثات کی سی
 کمزور حیات اور ان کا محدود و مستعار علم اور ناقص قدرت مراد ہے، اور نہ ان صفات کی حقیقت پر
 لے یہ جواب انوار الہیۃ الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے، یہ تقریباً ۱۰ صفحہ کا رسالہ ہے جو بحوثہ الرسائل الکبریٰ میں
 شامل ہے اور ۱۳۲۳ھ میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

ایمان لانے والے کو مجتہد کا خطاب دیا جاسکتا ہے اسی طرح ید اقلہ فوقاً یدیمم دینی و حجہ ربک
 الرحمن علی العرش استوی، امنتہم من فی السماء پر بلا تاویل ایمان لانے سے یہ مطلب نکالنا صحیح
 نہیں ہے کہ مخلوق و حادث کا سا وجود اور یہ مراد ہے اور اسی طرح کی فوقیت و مکانیت مقصود ہے
 جو ایک محدود کی دوسرے محدود پر اور ایک جسم کی دوسرے جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور نہ ان صفات کی
 حقیقت پر ایمان لانے والے کو تجسیم و تشبیہ کا طعنہ دینا درست ہے اس سلسلہ میں انھوں نے سلف
 اولین اور متکلمین متقدمین کے جو اقوال اور عبارتیں نقل کی ہیں ان سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے
 وہ کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نص و ظاہر ایک لفظ بھی صحابہ و تابعین و سلف سے ثابت نہیں
 ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اثر آسمان پر نہیں ہے یا وہ عرش پر نہیں ہے یا وہ ہر جگہ ہے اور یہ کہ
 تمام اکثر اس کی نسبت سے کیساں ہیں اور یہ کہ نہ وہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے نہ متصل
 ہے نہ منفصل ہے اور یہ کہ اس کی طرف انگلیوں سے حتیٰ طور پر اشارہ جائز نہیں اگر مسلک وہی صحیح ہے
 جو نفی کرنے والوں کا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہمیشہ اس کے خلاف الفاظ کیوں
 بولتے رہے اور حق کے اظہار سے ساری عمر کیوں خاموش رہے؟ یہاں تک کہ یہ ایرانی اور رومی اور
 یہود و فلاسفہ کے پروردہ آئیں اور امت کو صحیح عقیدہ کی تعلیم کریں!

پھر انھوں نے ثابت کیا کہ متکلمین تاخرین کچھ تو فلسفہ یونان کے اثر سے اور کچھ تنزیہ کے
 جوش و غلو میں ان صفات کی ایسی تاویل کرنے لگے کہ جو حقیقت لغوی، فہم صحابا اور نصوص حدیث سے
 بہت دور جا پڑی اور جس کی سرحد نفی و تعطیل سے ملنے لگی اس سلسلہ میں وہ علماء سلف ائمہ سنت
 اور خود متکلمین متقدمین کے مسلک سے دور ہو گئے یہاں تک کہ وہ سلف کے متعلق ایسے لفظ بولنے لگے
 جس سے ان کے علم کی تحقیر ہوتی ہے جو بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سلف کا طریقہ
 زیادہ مامون و بے خطر، مگر خلف کا طریقہ زیادہ علمی اور پر از حکمت ہے یہ سب سلف کی حقیقت اور

مقام سے نا آشنائی کا نتیجہ اور ناواقفیت کی دلیل ہے اصل علم سلف کو حاصل تھا، بھلا وارثین انبیاء
 نابین رسل، عالمین کتاب و سنت سے معرفت الہی اور اسماء و صفات کے فہم میں وہ لوگ کیا مقابلہ
 کر سکتے ہیں جو مدعیان فلسفہ کے چوڑے بچے اور ہندو یونان کے خوانِ نعمت کے زائر باہن، فلاسفہ و متکلمین
 کے آخری اقوال اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کے مقولے بتلاتے ہیں کہ وہ اپنی موٹگانیوں پر نام
 عالم حیرت میں سرگرداں اور اپنی ناکامی و بے حاصلی پر ماتم کناں تھے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ
 ہماری ساری عمر کا اندوختہ قیل و قال کے سوا کچھ نہیں کسی نے کہا کہ دریا سے ناپید اکناں میں غوطے لگائے
 اہل اسلام کے علوم کو چھوڑ کر بیاباں کی خاک چھانی، اب یہ حال ہے کہ اگر لطیف خداوندی نے دستگیری
 نہ کی تو میں کہیں کا نہ رہا، گواہ رہنا کہ اپنی ماں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں۔
 فتویٰ ایک مستقل علمی رسالہ ہے جس میں شیخ الاسلام کی علمی و تصنیفی خصوصیات پوری موجود ہیں
 روانی، قوت استدلال، خطابت، قرآن و حدیث سے حسن استشہاد، جدت اسلوب عقل عام سے
 اپیل، جستجو و بے تکلفی، تاریخی معلومات، متکلمین و فلاسفہ پر یکا یک تنقید یہ سب وہ خصوصیات ہیں جو
 اس زمانہ کی عام تصانیف یا مخصوص فتاویٰ میں (جو عموماً فقہی و اصطلاحی زبان میں لکھے جاتے تھے) نہیں ہیں۔
 اس فتویٰ میں پہلی مرتبہ انھوں نے ایسے واضح اور طاقتور طریقہ پر اس عقیدہ کی توضیح و تبلیغ کی تھی،
 جو ان کے نزدیک سلف کا عقیدہ اور اہل سنت کا اعتقاد تھا، اور ان کے مخالفین کے نزدیک جسم
 کا عقیدہ اور گڑی ہوئی حبلیت تھی، یہ فتویٰ جس لب و لہجہ اور جن تہذیبی (جلیغ) کے انداز میں
 لکھا گیا تھا، اور جن حلقوں میں جس طرح اس کا استقبال ہوا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ائمہ و متکلمین
 کے حلقہ میں جن کو جمہور اور حکومت کی تائید حاصل تھی، اور جو قضاء و افتاء کے سرکاری منصبوں سے
 لے کر درس و تصنیف کے علمی حلقوں تک پر حاوی تھے، ناراضگی کی ایک لہر اور عام برہمی کی کیفیت
 پیدا ہو جائے، ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

• علماء کا ایک گروہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا، ان کا اصرار تھا کہ وہ حنفی قاضی شیخ جلال الدین کی مجلس میں حاضر ہوں، اور اس فتویٰ کے متعلق صفائی پیش کریں! ابن تیمیہ نے اس کو منظور نہیں کیا، اس پر شہر میں منادی کرادی گئی کہ یہ فتویٰ قابل قبول نہیں، لیکن امیر سیف الدین جاغان نے ابن تیمیہ کی حمایت کی، اور ان لوگوں کو طلب کیا، جنہوں نے ہنگامہ کیا تھا، مگر ان میں سے اکثر روپوش ہو گئے، امیر نے منادی کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو زد و کوب کیا جس سے باقی خاموش ہو گئے، جب جمعہ کا دن آیا تو شیخ اپنی عادت کے مطابق جامع مسجد میں گئے اور (انک علی خلق عظیم) کی تفسیر بیان کی، اگلے روز سینچر کو وہ قاضی امام الدین (شافعی) کے پاس گئے اور فضلاء کی ایک جماعت بھی وہاں آگئی، ان سب نے فتویٰ حمویہ کے بارے میں ان سے سوال و جواب کیا، اور کئی مقامات کی توضیح چاہی، انہوں نے سب کو مطمئن اور خاموش کر دیا، شیخ واپس آگئے، اور حالات اعتدال پر آگئے۔

ممکن ہے یہ قصہ طول پکڑتا، اور پھر کوئی مخالفت یا شورش پیدا ہوتی، مگر اس کے بعد ہی ایسے حالات پیش آئے کہ ایک عرصہ تک کسی ایسے علمی اختلاف اور بحث و مناظرہ کی فرصت اور مہوش باقی نہیں رہا، یہ تاتاریوں کا حملہ تھا جس میں شیخ الاسلام پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان مجاہد اور ایک عوامی قائد کی حیثیت نمایاں ہوئے۔

تاتاریوں کا رخ دمشق کی طرف

۶۹۹ھ کا نیا سال شروع ہی ہوا تھا کہ متواتر اطلاعیں میں مضمون کی ملیں کہ ایران و عراق کے تاتاری فرار و آقا زاد

لہ البدلیۃ والنہاجہ ص ۱۳۳۔ لہ قازان جس کا اسلامی نام محمود ہے، چکیز خاں کا پرچہ تھا، ۶۹۹ھ میں نے امیر تونون رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ و ترغیب اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن پانچ سال کے مختصر عرصہ میں سیرت و اخلاق کی کثیر تبدیلی اور اسلامی تعلیم و تربیت کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی، اس سے باوجود مسلمان ہو جانے کے تاتاریوں کی دہشت انگیزی، غارتگری اور مفاکی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا تھا۔

کی نیت شام پر حملہ کرنے کی ہے اور اس کی فوجوں کا رخ دمشق کی جانب ہے تاہم یوں کے حملے کے جو تلخ تجربات اسلامی ممالک کو تھے اور جو روایات قائم ہو چکی تھیں ان کی بنا پر پورے ملک شام میں ہر اطلاع سے ایک ہشت پھیل گئی، حلب و حماہ سے جو دار السلطنت سے فاصلہ پر ہیں لوگ نکل نکل کر دار السلطنت کا رخ کرنے لگے یہاں تک کہ صرف حماہ سے دمشق تک گھوڑے کا کرایہ دو سو درہم ہو گیا، لیکن لوگوں کو بہت جلد یمن کراہینان ہوا کہ سلطان مصر (الملك الناصر محمد بن قلاوون) افواج شاہی کے ساتھ شام کی حفاظت اور تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے، ۸ ربیع الاول ۶۹۹ھ کو مصری افواج دمشق میں داخل ہوئیں، اہل شہر نے سخت بارش اور کچھ کے باوجود بڑی گرمجوشی سے سلطان اور اس کی افواج کا استقبال کیا، شہر آراستہ کیا گیا، جا بجا اس کے لئے اور مسلمانوں کی فتح کے لئے دعائیں کی گئیں، ۱۲ ربیع الاول کو سلطان اپنے عساکر کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا، حنفی قاضی القضاۃ اور بڑے بڑے علماء اور اعیان شہر ہر کاب ہوئے، پورا لشکر ساتھ تھا، مجاہد رضا کاروں اور نئے زنگوٹوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، مسجدوں میں قنوت نازلہ اور دعاؤں کا خاص اہتمام کیا گیا۔

سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت

دمشق کے باہر ۱۲ ربیع الاول کو قازان اور سلطان کے درمیان معرکہ پیش آیا، مسلمان ہم کر رہے اور بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی، سلطانی افواج نے مصر کا رخ کیا اور اہل دمشق نے دمشق میں پناہ لی، اس شکست، مصری افواج کی واپسی اور تاتاریوں کے فاتحانہ دشمنی میں داخل ہونے کے خطرہ سے شہر میں بدحواسی پھیلی ہوئی تھی، بڑے بڑے علماء اور سربراہانہ اشخاص شہر چھوڑ چھوڑ کر مصر کا رخ کر رہے تھے، خود قاضی شافعی، قاضی مالکی، بعض دوسرے نامور علماء، حاکم شہر، محتسب اور بڑے بڑے تاجروں اور عوام شہر چھوڑ چکے تھے، حکومتی عملدہ خست ہو چکا تھا، احکام میں سے صرف قلعہ اجمیٰ مقیم تھا۔

کوئی ذمہ دار حاکم اور منظم شہر میں موجود نہ تھا، اگرانی حد کو پہنچی ہوئی تھی، باہر کی آمدورفت موقوف تھی اس پر طرفہ یہ ہوا کہ قیدی جیل خانہ توڑ کر باہر نکل آئے اور انھوں نے شہر میں لوٹ مچادی، اوباشوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، باغات (جواہلِ دمشق کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے) کے دروازے توڑ ڈالے اور دروازے اور کھڑکیاں اکھاڑ کر لے گئے، اور اونے پونے کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا، ادھر دمشق میں یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا، ادھر قازان کی آمد کا غلغلہ تھا جس سے رہے سہے جو اس اور پرانگندہ تھے۔

ابن تیمیہ کی قازان سے ملاقات

یہ حالات دیکھ کر اعیانِ شہر اور ابن تیمیہ نے مشورہ کیا اور فیہ قرار پایا کہ ابن تیمیہ چند علماء اور رفقاء کی معیت میں قازان سے ملاقات کریں اور دمشق کے لئے پروانہ امن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔
دوشنبہ ۳ ربیع الثانی ۷۹۸ھ کو مقامِ نبک میں اہلِ دمشق کے نمائندہ اور اسلام کے سفیر ابن تیمیہ اور تاتاریوں کے جبار بادشاہ قازان کی ملاقات ہوئی، شیخ کمال الدین بن الانجا جو دمشق سے ابن تیمیہ کے ساتھ گئے تھے، اور اس مجلس میں شریک تھے، اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:-

”میں شیخ کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھا، وہ سلطان (قازان) کو عدل و انصاف کی آیات و احادیث اور الشریعہ کے ارشادات و احکام سناتے تھے، ان کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی اور برابر سلطان کے قریب ہوتے جلتے تھے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کے گھٹنے اس کے گھٹنے سے مل جائیں، سلطان کو اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوئی، وہ بڑی توجہ سے کان لگائے ان کی گفتگو سن رہا تھا، اور ہم تن متوجہ تھے، اس پر ان کا رعب ایسا طاری تھا، اور وہ ان سے ایسا تاثر

لے بہ مقامِ دمشق اور محض کے درمیان واقع ہے، وہاں کا پانی خاص طور پر شہور ہے آج کل ایک سیرگاہ ہے، بسطہ میں محض جاتے ہوئے راقم سطور نے یہ جگہ دیکھی تھی۔

تھا کہ اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ عالم کون ہیں؟ میں نے ابھی تک یہ شخص نہیں دیکھا، اور نہ اس شخص سے زیادہ کوئی دلیر اور قوی القلب آج تک دیکھنے میں آیا مجھ پر ابھی تک کسی کا ایسا اثر نہیں پڑا تھا، لوگوں نے ان کا تعارف کرایا، اور ان کے علمی اور عملی کمالات کا تذکرہ کیا۔

ابن تیمیہ نے قازان سے کہا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مسلمان ہو اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھ قاضی امام شیخ اور موزنین بھی رہا کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم نے ہم مسلمانوں پر حملہ کیا، حالانکہ تمہارے باپ اور دادا کافر ہونے کے باوجود ایسے اعمال سے محترزم تھے انھوں نے جو کچھ عہد کیا تھا، وہ پورا کیا اور تم نے جو عہد کیا تھا، وہ توڑ دیا، اور جو کچھ کہا تھا، اس کو پورا نہیں کیا، اور بندگانِ خدا پر ظلم کیا۔

شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ ایسی سخت گفتگو کرنے کے باوجود شیخ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس آئے تاتاریوں کے ہاتھ میں جو مسلمان قید تھے، ان کی بڑی تعداد ان کی حسن سفارش سے چھوڑ دی گئی، شیخ کہا کرتے تھے کہ غیر شرع سے تو وہ ڈرے گا جس کے دل میں کوئی بیاری ہے، امام احمد ابن حنبل سے کسی نے حکام سے اپنے اندیشہ اور خوف کا اظہار کیا، فرمایا کہ اگر تم تندہ دست ہوتے تو کسی سے نہ ڈرتے، ایک دوسرے ہمراہی قاضی القضاۃ ابوالعباس اتنا اور اضافہ کرتے ہیں۔

اس مجلس میں ابن تیمیہ اور ان کے رفقاء کے سامنے کھانا رکھا گیا، اور سب شریک ہو گئے، لیکن ابن تیمیہ دست کش رہے، دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں نہیں شرکت کرتے؟ فرمایا کہ یہ کھانا کب جائز ہے؟ یہ تو غریب مسلمانوں کی بھیر بکریوں کے گوشت سے تیار کیا گیا ہے، ان لوگوں کے دھوکوں کی لکڑی کے ایندھن سے پکا یا گیا ہے، قازان نے ان سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی کہ خدا یا اگر آپ کے نزدیک قازان کا اس جنگ سے مقصد تیرے حکم کی بندوبست

لے الکواکب الدریت فی مناقب الامام المجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تابعہ الشیخ محمد ابن یوسف الکریمیؒ

ص ۲۵۰ شامل مجموعہ فرج الشریح الکریمی ص ۱۶۲

ببادنی بیل انشر ہے تو اس کی مدد فرما، اور اگر سلطنت دنیا اور حرص دہوس ہے تو اس کے تو سمجھ لے حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ دعا کر رہے تھے اور قازان آئین کہہ رہا تھا ہمارا حال یہ تھا کہ ہم اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے کہ اب جلاد کو ان کی گردن مارنے کا حکم ہوگا، ان کے خون کی چھینٹیں ہمارے دامن پر پونائیں؟ ابوالعباس کہتے ہیں کہ:-

جب مجلس برخاست ہوئی اور ہم دربار کے باہر آئے تو ہم نے کہا کہ آپ نے تو ہماری ہلاکت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی ہم اب آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے، انھوں نے کہا کہ میں خود تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا چنانچہ ہم لوگ تو روانہ ہو گئے اور وہ ذرا دیر ٹھہر کر واپس ہوئے، خوانین و امرا کو جب اس واقعہ کی اطلاع اور ان کی موجودگی کا علم ہوا تو ہر طرف سے انھوں نے ہجوم کیا، اور برکت و حسن اعتقاد میں چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا، اور وہ اس شان سے دمشق واپس ہوئے کہ تین سو سواران کی رکاب میں تھے۔

اس کے مقابلہ میں ہم پر یہ گزری کہ ہم راستہ میں تھے کہ ایک گروہ حملہ آور ہوا، اور اس نے ہمارے کپڑے اتار لئے۔

دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں

اہل دمشق کو اگرچہ تاتاری سلطان کی طرف سے پروانہ امن مل گیا تھا، اور اس کا دمشق میں اعلان بھی ہو گیا تھا لیکن دمشق کے اطراف و نواح میں تاتاریوں کی غارتگری اور بے آئینی جاری تھی اور شہرینا سے باہر ایک غدر سامچا ہوا تھا، شہر میں زرخ بہت چڑھ گئے تھے اور گرانی بید تھی، ادھر تاتاریوں نے اہل دمشق سے مطالبہ کیا کہ حکومت سابقہ کے خزانے گھوڑے، ہتھیار اور نقد لوگوں کے پاس چھپا ہوا

لے لکواکب الدیۃ ص ۲۵

وہ تاتاریوں کے حوالہ کر دیا جائے تاتاریوں نے سیف الدین قبحی کو اپنی طرف سے حاکم شام مقرر کیا اور اس نے اہل شہر سختی شروع کی، شہر پر تاتاریوں کا قبضہ مکمل طور پر ہو چکا تھا صرف قلعہ دارا جو اس نے حوالہ نہیں کیا تھا، اور صاف انکار کر دیا تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس کے محترم ابن تیمیہ تھے انھوں نے قلعہ کو پیغام بھیجا کہ جب تک قلعہ کی ایک اینٹ بھی سلامت ہے، قلعہ تاتاریوں کے حوالہ نہ کرنا قلعہ دارا نے آخرت تک اس پر عمل کیا اور تاتاریوں کا اس پر عمل دخل اختیار تک نہ ہو سکا، تاتاریوں نے شہر میں دست درازیاں شروع کیں اور قدیم روایات کے مطابق ہر طرح کی بے عنوانیاں کیں، بیشتر مسلمان مرد عورت قید کئے، اور غلام بنائے، صرف محلہ صاحبیہ کے چار سو افراد قتل اور چار ہزار کے قریب گرفتار ہوئے، بڑے بڑے شریف خاندانوں اور علماء کے گھرانوں کے لڑکے اور لڑکیاں غلام اور باندیاں بنالی گئیں، کتب خانے لوٹ لئے، اور وقف کی کتابیں کوڑیوں کے مول کیں۔

یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ نے دوبارہ قازان سے ملاقات ضروری سمجھی وہ ایک جماعت کے ساتھ ۲۵ ربیع الثانی کو پھر سلطان سے ملنے گئے، لیکن وہ روز انتظار کرنے کے باوجود ان کو سلطان سے ملنے نہیں دیا گیا، اس عرصہ میں دمشق میں خبر گرم ہوئی کہ تاتاری (جو ابھی تک باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے) شہر میں داخل ہو چاہتے ہیں، یہ سن کر لوگوں کے رہے سہے ہوش و اس جاتے رہے اور شہر میں کھلبلی پڑ گئی، لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانا چاہا، مگر جائیں تو کہاں جائیں؟ تاتاریوں نے قلعہ فتح کرنے کے انتظامات کئے، خندق کھودی جانے لگی، اور محققین نصب کی گئیں، لوگ اس ڈر سے کہ بیگاریں پکڑے جائیں گے، گھر بیٹھے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ۔

• راستوں سڑکوں پر سناٹا تھا، آٹا و تاکوئی آتا جاتا نظر آتا تھا، جامع مسجد میں نمازیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی، جمعہ کی نمازیں جامع اموی میں بڑی شکل سے ایک سمت پوری ہوتی تھی، کچھ آدمی پیچھے ہوتے، جو شخص ضرورتاً نکلتا بھی وہ تاتاریوں کا بھیس بدل کر اندر داخل ہوتا، پھر بھی

یہ جو ترکی النسل اور فغان تاتاری نو مسلم تھا۔ ۷۸۵ البدایہ والنہایہ - ۱۴۵۸ھ

یہ گفتگو گارہتا کر شاید واپس آنا نصیب نہ ہو۔

۱۹ جہادی الادوی کو قازان نے عراق کی طرف کوچ کیا، اور اپنے قائم مقام اور ساٹھ ہزار فوج شام کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی، چلتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ ہم اپنے نائب اور کثیر فوج چھوڑ کر جا رہے ہیں اور اگلے سال موسم خزاں میں ہم پھر واپس آئیں گے اس وقت ہم شام کے ساتھ مصر بھی فتح کریں گے۔ قازان اگرچہ چلا گیا تھا، مگر دوسرے تاتاری امیر بولائی نے دمشق کے اطراف و جوانب میں لوٹ مار کیا رکھی تھی، کثیر آبادیاں اور بستیاں ویران ہو گئی تھیں، کثیر التعداد مسلمان بچوں کو غلام بنالیا گیا تھا، خود دمشق سے اس نے بڑی رقم وصول کی تھی، رجب کو ابن تیمیہ نے بولائی کی شکرگاہ میں جا کر اس سے خود ملاقات کی اور قیدیوں کی رہائی کے معاملہ میں اس سے گفتگو کی اور ایک بڑی تعداد کو رہا کر لیا، ان رہا ہونے والوں میں سلمان بھی تھے اور غیر مسلم شامی (ذمی) بھی تھے۔

۳ رجب کو دمشق میں قلعہ دار کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مصری افواج شام کی طرف آرہی ہیں، اگلے ہی روز بولائی اور اس کے تاتاری ساتھی دمشق چھوڑ کر روانہ ہو گئے، تاریخ تک دمشق اور اس کے اطراف تاتاریوں سے بالکل خالی ہو گئے۔

۹ رجب کو اطلاع ملی کہ سلطان (محمد بن قلاوون) اور مصری افواج شام کے استخلاص کے لئے روانہ ہو گئیں، اس وقت دمشق میں کوئی ذمہ دار حاکم اور غنیمت نہ تھا، شہر نیاہ تاتاریوں کے حملے سے شکستہ پڑی ہوئی تھی، قلعہ دار رجاءش نے اعلان کر لیا کہ اہل شہر، شہر نیاہ اور دروازوں کی حفاظت کریں، کوئی اپنے گھر میں نہ سوئے، سب مسلح شہر نیاہ پر موجود ہیں، لوگوں نے تعمیل کی ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا ان دنوں معمول تھا کہ رات بھر شہر نیاہ کا گشت کرتے تھے اور لوگوں کو جہاد اور رباط فی سبیل اللہ کی آیات سن کر صبر و قتال کی ترغیب دیتے تھے؟

۱۰ البدایہ والنہایہ - ۱۴ ص ۱۵۰ ایضاً ۱۱ ابن تیمیہ (معدن الزہرہ) ص ۲۱۰ ۱۲ البدایہ والنہایہ - ج ۱ ص ۱۴

شراب کے خلاف جہاد

مصری افواج اور سلمان سلطان کی آمد آمد اور تاتاریوں کے کوچ کو سن کر دیندار مسلمانوں کے جوہلے بڑھ گئے اور انھوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے کا عزم کیا، جو اس نافرمانیت یافتہ قوم اور اس کے ناخدا تیس حکام کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں، حافظ ابن تیمیہؒ اس کام میں پیش پیش تھے، نائب شام سیف الدین قبحی نے شراب خانوں کی خاص سرپرستی کی تھی اور وہ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے اس کے مختصر دور حکومت میں متعدد نئے شراب خانے قائم ہوئے تھے اب ان کے باقی رہنے کے لئے کوئی جواز نہ تھا، دمشق میں کوئی حاکم اور ذمہ دار افسر نہ تھا، ابن تیمیہؒ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا، اپنے تلامذہ اور احباب کے ساتھ سارے شہر کا دورہ کیا، جہاں شراب خانہ نظر آیا اس کے شکرے اور جام و سبو توڑ ڈالے، شراب انڈیل دی، ان بیخاؤں میں جوا و بائش مقیم تھے اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے تھے، ان کی تعزیر کی، شہر میں عام طور پر اس کا رد والی پرسترت کا اظہار کیا گیا۔

بدعقیدہ کوہستانیوں کی تادیب و تبلیغ

۶۹۹ھ میں جب تاتاری لشکر دمشق میں داخل ہوا تھا، اور انھوں نے دست درازی کی تھی تو پہاڑوں کے (عیسائی باطنی اور اسماعیلی) باشندوں نے ان کا پورا ساتھ دیا تھا، سلمان فوجیں بھیج کر تاتاریوں سے شکست کھا کر واپس ہو رہی تھیں اور ان کے علاقہ سے گزریں تو ان کوہستانیوں نے ان پر حملہ کر دیا، ان کے اسلحہ اور گھوڑے چھین لئے اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا، انھوں نے کبھی شکر کی اطاعت نہیں کی تھی، نہ دین حق کو قبول کیا تھا، اور نہ کسی نظام کے پابند تھے۔

۷۲ ایضاً

۷۱ البدایہ والنہایہ

شام کا مطلع صاف ہو جانے اور اندرونی اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ نے ان مغزوں کی تادیب و تبلیغ ضروری سمجھی جن اتفاق سے اسی زمانہ میں نائب السلطنت جمال الدین آقوش الافرم نے جرد و کسروان نامی پہاڑوں کی طرف فوج کشی کی ابن تیمیہؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور رضا کاروں اور حوران کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ نائب السلطنت کی رفاقت کی نائب السلطنت کی آمدن کربلا کے سردار ابن تیمیہؒ کے پاس حاضر ہوئے، شیخ نے ان سے توبہ کرائی ان کو اچھی طرح تبلیغ کی اور اس سے بڑا نفع ہوا، انھوں نے مسلمان فوج سے جو کچھ چھینا لوٹا تھا، اس کی واپسی کی ذمہ داری لی، بیت المال کی طرف سے ان پر قوم عائد کی گئیں جن کو ادا کرنے کا انھوں نے عہد کیا، اور یہ ہم ۱۳ ارذی القعدہ کو کامیاب واپس آئی۔

تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہؒ کا اعلان جہاد

شروع ہی ہوا تھا کہ تاتاریوں کی دوبارہ آمد کا اطلاع دمشق میں پہنچا، لوگوں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور مصر اور دوسرے مقامات اور محفوظ قلعوں کی طرف بھاگنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، لوگ اپنا سامان پوشاک اور غلہ اٹھانے پونے بیچ کر سفر کا سامان کرنے لگے، سواری کا کرایہ بہت بڑھ گیا، اور جانوروں کے دام کہیں سے کہیں پہنچ گئے، یہ دیکھ کر ابن تیمیہؒ نے جامع مسجد میں موعظہ اور درس کا سلسلہ سرگرمی سے شروع کیا، لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا، بھاگنے سے غیرت دلائی اور اس بزدلانہ حرکت کی مذمت کی انھوں نے لوگوں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ملکوں کی حفاظت و مدافعت کے سلسلہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ لوگ بھاگنے میں جو رد پیر صرف کر رہے ہیں یہاں رہ کر مسلمانوں کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کریں، وہ کہتے تھے کہ اس مرتبہ تاتاریوں سے کھلے میدان میں مقابلہ

لے ابدایہ والنہایہ

کرنا چاہئے، اس مرتبہ ان سے جہاد فرض ہے، ان کی اس سلسل تقریروں سے لوگوں کی ڈھارس بندھی اور
شہر میں سرکاری اعلان ہو گیا کہ کوئی شخص حکومت کی اجازت اور پروانہ کے بغیر شہر نہیں چھوڑ سکتا، اس
بھاگنے کا سلسلہ بند ہوا اور سلطان مصر کی روانگی کی بھی اطلاع ملی جس سے لوگوں کو مزید اطمینان ہوا۔

مصر کا سفر

ربیع الثانی میں پھر تاتاریوں کی آمد آمد کی خبر گرم ہوئی، اور اطلاع ملی کہ وہ مقام بیروت تک پہنچ
گئے ہیں، شہر میں جہاد کا اعلان عام ہو گیا، تاتاریوں کے آگے بڑھنے کی اطلاعیں پہلے پہل آرہی تھیں،
لوگوں کو تسکین دی گئی اور کہا گیا کہ اپنا کام دیکھیں، سلطان مصر سے روانہ ہو چکے، دفعۃً یہ اطلاع ملی کہ
سلطان نے فسخ عزیمت کر دی، یمن کی طرف ہوجائے، اصرار کیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے اہل و عیال کو مصر اور
دوسرے محفوظ مقامات کی طرف منتقل کرنے لگے، یہ حالت دیکھ کر ابن تیمیہ ناٹھنا شام سے ملاقات کے
لئے (جو دمشق کے باہر تاتاریوں کو روکنے کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا) تشریف لے گئے انہوں نے اس
بہت اطمینان دلایا اور فرمایا کہ ہم مظلوم ہیں، ہم کو ضرر نہ پہنچے ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثَمَرٌ
اعجب نے اس کا قصہ بدل دیا، حدیث سے نقل کیا

بُغِيَ عَلَيْكَ لَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ إِيَّاكَ اللَّهُ
گفتی، پھر اس پر کیا دلائل کا ذکر نہیں کیا

لَعَنُوا عَفْوُهُ (الحجہ - ۶۰)
مدد کے گناہ کا شکر نہ گناہ کے دلائل کے لئے

نائب شام اور امراء نے ان سے درخواست کی کہ وہ خود مصر جائیں اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت
اور تاتاریوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں، چنانچہ وہ ڈاک کی سواری سے مصر روانہ ہوئے، ان کے
پہونچتے پہونچتے سلطان قاہرہ میں داخل ہو چکا تھا، ابن تیمیہ نے سلطان کو بڑی غیرت دلائی اور
فرمایا کہ اگر شام تمہاری سلطنت میں داخل نہ ہوتا، اور بحیثیت سلطان مصر و شام کے تم پر اس کی

براہِ راست ذمہ داری نہ ہوتی جب بھی اگر اہل شام تم سے مدد مانگتے تو تمہیں ان کی مدد کرنی ضروری تھی، چہ جائیکہ شام تمہاری سلطنت کا ایک صوبہ اور تمہاری حکومت کا ایک اہم جز ہے، اگر تم کو شام کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں تو صاف کہہ دو ہم اپنا انتظام خود کر لیں، اور کسی کو وہاں کا حاکم منتخب کریں جو خطرہ کے وقت اس کی خدمت و حفاظت کرے اور معتدل حالات میں اس سے فائدہ اٹھائے۔

ابن تیمیہ نے سلطان کو یقین دلایا کہ اس مرتبہ فتح مسلمانوں ہی کی ہوگی، وہ آٹھ دن تک قلعہ مصر میں مقیم رہے اور جہاد اور تاتاریوں کے مقابلہ کی ترغیب دیتے رہے۔

ابن تیمیہ کی اس ایمان افروز اور یقین آفریں گفتگو اور مخلصانہ مساعی کا نتیجہ ہوا کہ سلطان دوبارہ شام کے لئے آمادہ ہو گیا، اور مصری افواج جہاد کے لئے روانہ ہو گئیں، ابھی اہل دمشق یہ سن کر پوری طرح خوش نہیں ہونے پائے تھے کہ تاتاریوں کے قریب آجانے اور سلطان کی واپسی کی اطلاع پہنچ گئی، غضب یہ ہوا کہ حاکم شہر ابن النحاس نے منادی کرادی کہ جس میں سفر کی طاقت ہو وہ دمشق سے ضرور چلا جائے، یہ سن کر شہر میں ہلچل مچ گئی، بازار بند ہو گئے، لوگ جنگلوں اور میدانوں کی طرف بھاگنے لگے، ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اہل دمشق کی قسمت میں تو دشمن کا لقمہ بنا لکھا ہے، بڑے بڑے علماء اور دمشق کے اعیان و شرفاء نے شہر سے کوچ کیا، ان کے متعلقین پہلے جا چکے تھے، سربراہ آوردہ اور معزز لوگوں میں دمشق میں گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے، شہر میں اعلان ہوا کہ جس کی نیت جہاد کی ہو، وہ لشکر سے جا ملے، اس لئے کہ تاتاری قریب آگئے ہیں، جو علماء باقی تھے، (جن میں ابن تیمیہ کے چھوٹے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ بھی تھے) انھوں نے نائب السلطنت کو ہمت دلائی، اور مہنا، امیر عرب کو بھی جہاد پر آمادہ کر لیا، اسی عرصہ میں ابن تیمیہ مصر سے واپس آگئے، انھوں نے سلطان کی آمادگی اور ارکان سلطنت کے عزم جہاد کی خوشخبری سنائی، ادھر یہ اطلاع ملی کہ سلطان تاتار نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور دریائے فرات عبور کر کے عراق پہنچ گیا،

تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ ورا بن تیمیہ کا کارنامہ

جب شیعہ میں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ تاتاری اس مرتبہ شام کا عزم مصمم رکھتے ہیں لوگوں میں اس خبر سے ایک اضطراب پیدا ہوا، نازوں میں قنوت نازلہ کا اہتمام کیا گیا، اور بخاری شریف کا ختم ہوا، لوگ حسب عادت مصر اور محفوظ مقامات کا رخ کرنے لگے جس قدر سلطان مصر اور مصری افواج کی آمد میں تاخیر ہوتی جاتی تھی لوگوں کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا، بالآخر اشرع بنان کو مصری فوج کا ایک بڑا حصہ نامور ترکی امراء کی قیادت میں پہنچا پھر دوسرا دستہ پہنچا اور لوگوں میں سکون پیدا ہوا لیکن دوسرے مقامات کے پناہ گزینوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور شمالی شہروں سے بکثرت لوگ اپنا شہر چھوڑ کر دمشق میں آنے لگے مختلف قسم کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں امراء نے شام نے جمع ہو کر دشمن کے مقابلہ کا عہد کیا اور قسم کھائی اور شہر میں اعلان کرایا گیا کہ کوئی شہر چھوڑ کر نہ جائے ابن تیمیہ نے دمشق سے باہر جا کر لشکر کھاس کی اطلاع دی اور ان سے بھی اس بات کی قسم لی وہ امراء اور عوام سے قسم کھا کر کہتے تھے کہ تم اس مرتبہ ضرور فتح پاؤ گے ان کو اس کا اس قدر یقین تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ انشاء اللہ تو کہے تو فرماتے کہ انشاء اللہ تعالیٰ علیہا وہ فرماتے تھے کہ ہم مظلومی ہیں اور مظلوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثُمَّ بُعِثَ عَلَيْهِ لِيُصْرِّحَ اللَّهُ (الحج - ۶) جس پر زیادتی کی جائے گی اس کا اشرع ہو گا

اس لئے اس وعدہ خداوندی کی رو سے ہماری فتح یقینی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔

اس وقت ایک سوال یہ چھڑ گیا کہ تاتاری بہر حال مسلمان ہیں اس لئے ان سے جنگ کرنے کی

فقہی حیثیت کیا ہے؟ وہ نہ کافر ہیں نہ باغی ہیں باغی اس لئے نہیں ہیں کہ کبھی وہ مسلمان امیر کی اطاعت نہ

لے البدایہ والنہایہ - ج ۱۲ ص ۱۶۵ ۱۶۴ ایضاً ص ۲۳

داخل ہی نہیں ہوئے اس لئے بغاوت کا بھی سوال نہیں پھر ان سے جنگ کس بنیاد پر کی جائے؟ علماء کو اس بارہ میں تردد ہوا، ابن تیمیہ نے کہا کہ وہ خوارج کے حکم میں ہیں، خوارج نے سیدنا علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی وہ اپنے کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، یہ تاتاری اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو حکومت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ حق و انصاف کو قائم کر سکتے ہیں وہ مسلمانوں پر گناہوں اور مظالم کا الزام لگاتے ہیں اور خود اس سے کہیں بڑھ کر افعال شیعہ اور حرکات ناشائستہ کے مرتکب ہیں، ان کی اس توضیح سے علماء کو اطمینان ہو گیا، اور یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، ان کو اس بارہ میں اتنا وثوق اور اطمینان تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر تم مجھے بھی اس حال میں تاتاریوں کی صف میں دیکھو کہ قرآن مجید سر پر رکھا ہے، تب بھی مجھے قتل کر دینا، اس سے لوگوں کا تردد دور ہوا، اور ان کے حوصلے بلند ہوئے۔

دشق میں بڑی سراسیمگی تھی، سلطان کی آمد کی اطلاع نہ تھی، شامی و مصری فوجوں کے جنگ کرنے کا یقین نہ تھا، تاتاریوں کی آمد آمد کی اطلاع دم بدم مل رہی تھی، لوگ دوسرے شہروں سے بھاگ بھاگ کر دمشق میں پناہ لے رہے تھے، سارا شہر پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا، ابن تیمیہ شکر گاہ جانے کے لئے چلے تو راستہ میں مشکل تھا، جن لوگوں کو ان کے عزم کی اطلاع نہ تھی، انھوں نے طعنہ دیا کہ ہمیں تو آپ بھاگنے سے روکتے تھے، اور آپ خود دمشق سے فرار اختیار کر رہے ہیں؟ امام خاموشی سے سنتے ہوئے چلے گئے، شہر میں کوئی حاکم نہ تھا، اوباشوں اور بد معاشوں نے اُدھم مچا رکھی تھی، لوگ میناروں پر چڑھ چڑھ کر اسلامی لشکر کو تلاش کرتے تھے، اور قیاس آرائی کرتے رہتے تھے، ہر شخص اپنی قسمت کے فیصلہ کا منتظر تھا، جنگ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر جنگ ہوتی ہے تو فتح کس کو ہوتی ہے؟ اگر خدا نخواستہ اسلامی لشکر شکست کھاتا ہے، تو پھر مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں، اور عزت و آبرو جان و مال کی خیر نہیں غرض :-

وَإِذَا زَاغَتِ الْبُصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ
أُورْبًا نَكَبِينَ تَهْرَأَكُنَّ تَحِينَ أَوْ كَلْبَةً نَّكَبَتْ لَكُنَّ تَهْنَ

الْحَاجِرُونَ تَنْظُنُونَ بِاللهِ الظُّنُونَةَ هَذَا بَشَرًا
الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (الزلم: ۱۱۰)

اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس
موقع پر ایمان دار آزمائے گئے اور سخت ہلائیے گئے۔

کا نقشہ تھا۔

ابن تیمیہ شامی شکر میں پہنچے تو امرائے شکر نے ان سے خواہش کی کہ وہ آگے بڑھ کر سلطان سے
ملیں اور ان سے جلد تشریف آوری کی درخواست کریں ابن تیمیہ نے سلطان سے ملاقات کی ابن تیمیہ کی
گفتگو سے ان کا عزم بچہ ہو گیا، اور وہ ابن تیمیہ کی معیت میں شکر گاہ میں آئے سلطان نے ان سے خواہش
کی کہ جنگ کے موقع پر وہ سلطان کے ساتھ ہوں ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کے جھنڈے
کے نیچے جنگ کرے ہم شامی شکر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اسی جھنڈے کے نیچے جنگ کریں گے انھوں نے
سلطان کو دوبارہ جہاد کی تلقین کی اور کہا کہ خدا کے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فتح ہماری ہی ہے
اس موقع پر بھی امرائے ان کو یاد دلایا کہ انشاء اللہ شکر جیتا جائے فرمایا: انشاء اللہ تحقیقاً لا تعلیقاً

۲۹ شعبان جمعہ کی شب کو رمضان کا چاند ہو گیا، اہل دمشق نے تراویح کی تیاری کی رمضان کی ستر
بھی تھی اور دشمن کا خوف اور استقبال کا اندیشہ بھی جمعہ کا دن بہت سخت گزرا، مسیحیوں کو لوگوں نے میناروں کے
دیکھا کہ شکر کی جانب گردا اور بیاہی ہے وہ سمجھ گئے کہ آج ہی مقابلہ ہے دعاؤں کی کثرت ہوئی عورتیں
اور بچے کوٹھوں پر ننگے سر کھڑے تھے اور شہر میں ایک غلغلہ تھا، مسیحی ۲۰ رمضان کو ظہر کے بعد سلطان کا فرما
جاء مسجد میں پڑھا گیا کہ مسیحی کے دن دو گھڑی دن گزے شامی اور مصری فوجیں سلطان کی ہمرکابی میں
صف آرا ہوں گی ہلمان اللہ سے فتح و نصرت کی دعا کریں اور قلعہ اور شہر نیاہ کی حفاظت میں متقدم رہیں
۲۰ رمضان کو شقی کے میدان میں ایک طرف شامی مصری فوجیں دوسری طرف تاتاری شکر
صف آرا ہوا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ مجاہدین کو روزہ کھول لینا چاہئے تاکہ جنگ کی طاقت پیدا ہو،
وہ ایک ایک علم اور ایک ایک دستہ کے پاس خود جاتے تھے ان کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز تھی

وہ ان کو دکھا کر افطار کرتے تھے اور حدیث سناتے تھے کہ:-

انکم ملا قوا لعدو خدا و الفطراتوی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل شمن سے
لکم تمہارا مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ نہ رکھنے کی

حالت میں تم زیادہ قوی ہو گے۔

جنگ شروع ہوئی، سلطان خود بنفس نفیس شکر میں موجود تھا، خلیفہ عباسی ابو الریح سلیمان سلطان کے پہلو میں تھے، بالآخر دونوں شکر آپس میں گتھ گئے، اور جنگ کا بازار گرم ہوا، سلطان نے بڑی ثابت قدمی دکھائی، اس نے اپنے گھوڑے کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں کہ بھاگنے نہ پائے، اس نے اللہ سے اس موقع پر عہد کیا، سخت محکمہ ہوا، بڑے بڑے ترکہ کی امراء کام آئے، بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے، رات کو تاتاریوں نے ٹیلوں، پہاڑوں اور ٹیکریوں پر پناہ لی، مسلمانوں نے رات بھر پہرہ دیا، اور ان کو بھاگنے نہیں دیا، اور اپنے تیروں پر رکھ لیا، بکثرت تاتاری قتل ہوئے، صبح مسلمان ان کو رسیوں میں باندھ کر لاتے تھے اور گردن اڑا دیتے تھے، بھاگنے والوں میں سے ایک کثیر تعداد گھائیٹوں اور خطرناک جگہوں میں گر کر اور بہت سے دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔

دوشنبہ ۱۴ رمضان کو ابن تیمیہ دمشق میں داخل ہوئے، لوگوں نے ان کا بڑا استقبال کیا، ان کو مبارکباد اور دعائیں دیں۔

شنبہ ۱۵ رمضان کو سلطان اعیان سلطنت، خلیفہ اور افواج شاہی کے ساتھ منصوبہ و کامران دمشق میں داخل ہوا۔

انکار بدعات اور ازالہ منکرات

تاتاریوں کے قصہ سے فرصت پا کر ابن تیمیہ نے حسب معمول سابق پوری سرگرمی کے ساتھ درس تدریس کیا

اشاعتِ سنت اور ردِ بدعات کا کام شروع کر دیا، اور شرک و جاہلیت کے خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے، جو ان کا محبوب مشغلہ اور زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا، اس زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اختلاط اور فاسد العقیدہ اور جاہل مقتداؤں کی تعلیم سے مسلمانوں میں بہت سے ایسے اعمال آگئے تھے جو جاہلیت کی یادگار اور شرک پرست اقوام کا شعار تھے، دمشق کے نواح میں نہر قلوط کے کنارہ ایک چٹان تھی جس کے متعلق مختلف قسم کی روایات شہور تھیں یہ جہلاء اور توہم پرست مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ بن گیا تھا، مسلمان جاتے تھے اور وہاں منتیں مانتے تھے، ابن تیمیہ جب شہر کو مزدوروں اور رنگ تراشوں کے ساتھ وہاں خود گئے، اور اس کو کاٹ کر شرک کے اس دروازہ کو بند کر دیا، اور ایک بڑا فتنہ ختم ہوا۔

وہ شریعت اور سنت کے خلاف جو عمل دیکھتے، اس کو حتی الامکان اپنے ہاتھ سے بدل دینے اور روکنے کی کوشش کرتے اس لئے کہ ایمان کا یہ اعلیٰ درجہ اور دینی حمیت کا اولین تقاضہ ہے۔

من رآی منکم منکراً فلیغیرہ بید	تم میں سے جو کوئی غلط شرع امر (شکر) دیکھے وہ
فمن لم یستطع فلیسانہ فمّن لم	اس کو اپنے ہاتھ سے بدل نہ ہو یا نہ کر سکے وہ اپنی زبان
یستطع فقلبہ وذلک اضعف	اس کی مخالفت اور اصلاح کرے جو ایسا بھی نہ کر سکے
الایمان۔	وہ اپنے دل سے اس کی مخالفت کرے اور ضعیف

ترین ایمان ہے۔

حکام کو امور سلطنت سے فرصت نہ تھی، علماء بعض اوقات بہت سی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے، اور بعض اوقات انکار و مخالفت کرتے سمجھتے تھے، اس لئے ابن تیمیہ کو اکثر یہ کام خود انجام دینا پڑتا تھا، ان کے ساتھ ان کے تلامذہ و محبین کی ایک جماعت تھی جو ان کی مددگار اور رفیق تھی، اس لئے انھوں نے اعزازی طور پر حبشہ اللہ ایک طرح کا شرعی اور اخلاقی احتساب قائم کر رکھا تھا اور

لے البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۳۰

متدین و مخالفین سنت، حکام کی نگرانی اور علماء کے عتاب سے اگر کچھ بھی جاتے تھے تو اس شرعی پولیس کی نظر سے نہیں بچ سکتے تھے۔

جب شہر ہی کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک پیر مرد جو اپنے کو المجاہد ابراہیم بن القطان کہتا تھا لایا گیا جو بہت لمبی چوڑی گدڑی پہنے ہوئے تھا، بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے، لبس منہ پر آہی تھیں، گالی اور فحش کثرت سے کہتا تھا، اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی کرتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کی گدڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا حکم دیا، سب طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور اس کا تار مار تبرک ہو گیا، سر کے بال اور لبس ترشوائیں، ناخن کٹوائے، فحش گوئی اور نشہ اس کو توبہ کرائی گئی۔

اسی طرح ایک عمر شخص محمد انجلازا البلاسی کے نام سے مشہور تھا، وہ حرام چیزوں کا استعمال کرتا تھا، یہودیوں عیسائیوں کے پاس اس کی نشست و برخاست تھی، خوالوں کی تعبیر دیتا تھا، اور ان مسائل و علوم میں دخل دیتا تھا جن کا علم نہیں رکھتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کو بھی طلب کرایا، اور اس سے بھی ان تمام افعال سے توبہ کرائی، ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ واقعات بھی ایک طبقہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

لمحدین و مفسدین کے خلاف جہاد

داخلی اصلاح کے علاوہ ابن تیمیہ ان مفسدین سے بھی غافل نہ تھے، جنہوں نے ایسے ہر موقع پر جب مسلمان کسی زمرہ میں آئے مسلمانوں کو زک پہنچانے اور دشمنان اسلام سے ساز باز کرنے میں کمی نہیں کی، اگرچہ ۶۹۹ھ میں انہوں نے نائب السلطنت الافرم کی معیت میں جرد و کسروان جا کر وہاں کے بڑین، شرارت پسند قبائل کی تادیب و تنبیہ کی تھی، اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے توبہ اور آئندہ ان حرکتوں سے باز رہنے اور سلطنت کے نظام اور حکام اسلام کے تابع رہنے کا وعدہ کیا تھا، مگر پچھلے تجربوں سے

لے البدایہ والنہایہ

معلوم ہوا کہ وہ شرارت سے باز نہیں آئے اور ان کی مزید شبیہ گوشتالی کی ضرورت ہے اور ہر خطرہ کے موقع پر ان سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے چنانچہ ذی الحج کے اوائل میں ابن تیمیہ اپنے تلامذہ و احباب کی ایک جماعت کی رفاقت اور نقیب الاشراف زین الدین ابن عدنان کی محبت میں دوبارہ جرد و کسران کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ کی ان میں کی ایک بڑی تعداد مائب ہوئی اور اس نے احکام اسلام کی پابندی اختیار کر لی جرد کے علاقہ کے روافض (باطنی اسماعیلی حاکمی و نصیری) قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، صلیبیوں اور تاتاریوں کو مسلمان ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کو سہولتیں بہم پہنچائی تھیں مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کی تھیں اور مسلمانوں کو دشمنوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا تھا، ابن تیمیہ کے غیور اور باحمیت دل پر اس کا بڑا داغ تھا، وہ ان دنی الفطرت اور شریر النفس منافقوں کو معاف نہیں کر سکتے تھے جنہوں نے ایسی کٹھن گھڑیوں اور نازک وقت میں مسلمانوں کو تنگ اور ذلیل کیا، اور ان کے حریفوں کی مدد کی، ابن تیمیہ نے ان کو ان جرائم اور اس غداری پوری پوری سزا دینی چاہی اور اس کا انتظام کرنا چاہا کہ آئندہ کسی جنگ یا خطرہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں، انہوں نے السلطان الاناصر (سلطان مصر و شام) کو ان کی طرف توجہ دلائی اور ان کی شرارتوں اور خطرات سے آگاہ کیا، ایک خط میں انہوں نے سلطان کو لکھا کہ:-

”جب تاتاریوں نے شام کا رخ کیا تو ان بد باطنوں (نصیریوں اور اسماعیلیوں) نے اسلامی افواج کے ساتھ بڑی بدسلوکیاں کیں یہ وہی ہیں جنہوں نے اہل قبرص (عیسائیوں) کو پیغام بھیجا کہ ساحل شام کے ایک حصہ پر ان کو قبضہ دلایا اور صلیب کا جھنڈا خود اٹھا کر لے چلے مسلمانوں کے گھوڑوں، ہتھیاروں اور قیدیوں کی اتنی تعداد انہوں نے قبرص پہنچائی جس کا علم صرف ان کو ہے، بیس دن تک نخاسہ کا بازار لگا رہا جس میں مسلمان اور گھوڑے اور ہتھیار اہل قبرص کے ہاتھ رہے

صلیبی اور مسلمانوں کے حریف تھے) بکتے رہے، تاتاریوں کی آمد پر انھوں نے گھمے کے چراغ جلائے، اور جب تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مصر سے روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے فق ہو گئے جب اللہ تبارک تعالیٰ نے سلطان کی آمد پر مسلمانوں کو فتح میں عطا فرمائی تو ان کے یہاں صحتِ اتم بچھ گئی، یہ اور اس سے بڑھ کر بھی چیزیں ان کے یہاں پیش آئیں، یہی جنگیز خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے تھے، یہی ہلاکو کے بغداد پر تسلط، حلب کی بربادی، اور صلیبیہ کی غارتگری کا سبب تھے اس کے علاوہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی کے واقعات ہیں۔

ان کے پڑوس میں جو مسلمان رہتے ہیں، وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھے، ہر رات ان کی ٹولی پہاڑ سے اترتی، اور وہ فساد برپا کرتی، جس کو اللہ ہی جانتا ہے، یہ ڈکے ڈالتے، پرامن شریف گھرانوں کو پریشان کرتے اور جرائم کا ارتکاب کرتے، قبرص کے عیسائی ان کے علاقہ میں آتے تو یہ ان کی میزبانی کرتے، اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے حوالہ کرتے، چونکہ اور صحاح مسلمان ان کو ملتا تو اس کو قتل کر ڈالتے یا اس کا سب کچھ جین لوٹ لیتے، شاذ و نادر ہی کوئی ان سے بچ کر نکلتا:

۵۰۰ھ میں ۲۰۰۰۰۰ محرم کو وہ ایک لہجہ کے ساتھ ان مفسدین و ملحدین کے خلاف جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوئے ان کے پیچھے نائب السلطنت ایک لشکر کے ساتھ دشت سے روانہ ہوا، اور جرد کے علاقہ اور روافض و تیامنے کے پہاڑوں پر چڑھائی کی، سرکش قبائل کی اچھی طرح سکوبائی کی گئی اور اس پورے علاقہ کو جو بہت دشوار گذار اور محفوظ تھا، صاف کر دیا گیا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ بنی النضیر کی طرح ان کے باغات کے درخت کاٹنا درست ہے اس لئے کہ یہ اس میں کہیں گاہ بناتے ہیں، لہذا یہ ان کے فوجی اڈے اور سازش کی جگہیں ہیں، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کی موجودگی اور شرکت سے بڑی خیر حاصل ہوئی اور اس موقع پر ان کے علم و شجاعت کا بڑا ظہور ہوا، اسی کے ساتھ ان کے دشمنوں کے دل حسد اور غم سے لبریز ہو گئے۔

رفاعیوں سے مناظرہ

۱۔ حجابی الاول شمسہ کو رفاعی فقراء کی ایک جماعت کثیر زائر السلطنت کے پاس حاضر ہوئی ابن تیمیہ بھی تشریف لائے رفاعیوں کا مطالبہ تھا کہ ابن تیمیہ کو ان پر اپنے احکام جاری کرنے سے روک دیا جائے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں ہر شخص کو کتاب و سنت کے ماتحت ہو کر رہنا پڑے گا جو اس سے قدم باہر نکالے گا اس کی تردید اور مخالفت ضروری ہے رفاعیوں نے اس موقع پر اپنی حقانیت اور مقبولیت ثابت کرنے کے لئے اپنے کچھ کتب دکھانے چاہے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم پر آگ اثر نہیں کرتی ہم آگ میں کود کر دکھاتے ہیں اگر ہم صحیح سالم نکل آئیں تو تسلیم کر لیا جائے کہ ہم برہق ہیں اور حوید من الشر ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ شیطانی حالات ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں یہ محض شجرہ بازی اور مکر و فریب ہے جو شخص آگ میں کودے پہلے حمام میں اس کو غسل دیا جائے ادا اس کے جسم کو سرکہ اور گھاس سے اچھی طرح دھویا مانجا جائے پھر آگ میں گھسے ادا اپنا کمال دکھائے مگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی شخص غسل کے بعد آگ میں گھتا ہے تو وہ اگر اہل بدعت ہیں سے ہے تو اس وقت بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو دجال سمجھا جائے گا اس موقع پر ایک ہنفا صوفی (شیخ صالح) کا زبان سے بے ساختہ نکلا کہ ہمارے یہ کرتب تاتاریوں کے یہاں چلتے ہیں شریعت کے مقابلہ میں نہیں چلتے لوگوں نے ان کی یہ بات پکڑ لی اور اس کو دلیل بنالیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ لوہے کے طوق اپنی گردنوں سے اتار دیں اور جو کتاب سنت کی مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دی جائے ابن تیمیہ نے اس کے بعد اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں طریقہ رفاعیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ادا ان کے حالات مسلک و تخیلات کا کتاب و سنت سے موازنہ کیا۔

لے البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۵

۸۔ رجب کو علماء کی ایک مجلس میں جو نائب السلطنت کی موجودگی میں منعقد ہوئی تھی، ابن تیمیہ کے رسالہ عقیدہ واسطیہ پر بحث ہوئی اور علماء نے ان سے سوال و جواب کئے جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے اور ان کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے مکان پہنچا دیا گیا، عوام کی ایک بڑی تعداد شمعیں ہاتھوں میں لئے ہوئے ان کے رکاب میں چل رہی تھی جو اظہار عقیدت کا اس زمانہ میں ایک طریقہ تھا۔

ابن تیمیہ کی مخالفت اور مصر طلبی

دشمن میں ابن تیمیہ کی ایک طرح کی دینی سیادت قائم ہو گئی تھی، وہ اگر دیکھتے تھے کہ حکومت کسی بدعت یا فعل منکر کے روکنے میں تاہل سے کام لے رہی ہے اور علماء خاموش ہیں تو وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور خود شرعی احکام کا اجراء کرتے، ان کے ساتھ عقیدت مند تلامذہ اور دیندار اور صحیح العقیدہ عوام کی ایک بڑی جماعت تھی اور ان کا حلقہ اثر بڑھتا جا رہا تھا، اہل علم کی ایک جماعت کو ان کا یہ دینی عروج اور شخصی اثر پسند نہیں آیا اور ان کو اس میں ان کی خود سری نظر آئی، اس نے ان کے حاسدوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا جو ان کے زوال کا متمنی اور ان کی ہانت کے درپے تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وكان للشيخ تقي الدين من الفقهاء	شیخ تقی الدین ابن تیمیہ سے حد کرنے والی علماء کی
جماعة محدوفه لتقدمه	ایک جماعت تھی جس کا باعث ان کا حکومت میں
هند الدولة وانفرادة بالامر بالمعروف	دو بخ نامہ المعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو
والنهي عن المنكر وطاعة الناس له	تنہا انجام دینا، لوگوں کو ان کے حق میں فرمانبرداری
ومجتهم له وكثرة اتباعه وقيامه	محبت ان کے قسبین کی بڑھتی ہوئی تعداد ان کا

لہ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۴

عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید

ادھر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عقائد کی بحث دوبارہ چھڑ گئی اور بحث و مباحثہ کی مجلس منعقد ہوئی، اس سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ وہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک وحدۃ الوجود کی برتاؤ پر کڑی نظر تھے، مصر و شام میں ان کے عقیدین و متبعین کا بہت بڑا گروہ تھا، اور علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت تھی جو ان کو نہایت بلند پایہ عارف و محقق، امام شرب توحید اور شیخ اکبر مانتی تھی، ابن تیمیہ کا خیال تھا کہ ان کی تحقیقات و الہامات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور توحید کی اس تعلیم کے بالکل معارض ہیں جو ہر پیغمبر نے اپنے وقت میں دی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آخری وضاحت اور تکمیل فرمائی، اور جو صاف صاف قرآن و حدیث سے سمجھ میں آتی ہے اور عقلی و معنوی توازن کے ساتھ ہم آہنگ ہے، پہنچی ہے، شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ۶۳۵ھ میں (ابن تیمیہ کی ولادت سے ۲۳ سال پیشتر) وفات پائی تھی، ان کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکملہ اور فصوص الحکم عام طور پر متداول تھیں اور ان کے حلقوں میں فتوحات کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، ابن تیمیہ نے فلسفہ اور تصوف و اشراق کا وقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اس سلسلہ میں فتوحات و فصوص کو بھی پڑھا تھا، وہ اپنی کتابوں میں عجمان کتابوں کے اقتباسات نقل کرتے ہیں اور ان کی تردید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ براہ راست تھا، وہ ان

لے البدایہ والنہایہ۔ ج ۱ ص ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

ان عقیدۃ الواسطیہ پڑھا گیا، اس پر بحث ہوئی اس کے بعد دو مجلسوں میں شیخ صفی الدین ابن عربیؒ اور علامہ کمال الدین ابن الہکاتی سے بحث و مذاکرہ ہوا، اور ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ اہل سنت و اجماعت کے خلاف نہیں ہے، لہذا شیخ نہایت عربی حرم کے ساتھ گھر واپس ہوئے، حرم مشعلیں ہاتھ میں لئے ہوئے ساتھ تھے (ابن تیمیہ جلد ۱ ص ۱۳۳)۔

کتابوں کے مطالعہ سے اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ ان کتابوں کی تعلیمات اور نبوت کی تعلیمات میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں، وہ شیخ ابن عربی کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ابن عربی اور ان کے تابعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے، وہ کہتے ہیں، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے، وہ دو متغائر موجودوں کے قائل نہیں، جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے، وجود میں رب و عبد کی کوئی تفریق نہیں، وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی داعی نہ کوئی مجیب، وجود کا جب اعیان پر فیضان ہوا، او اس نے ان کے اندر ظہور کیا تو اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی، جیسے کہ روشنی مختلف الاوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو جوڑو کا تھا تو اس بات پر کہ انھوں نے اس گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی) اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے، مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ان عارفین میں سے تھے، جو ہر چیز میں حق کا شاہدہ کرتے ہیں، اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسر حق تھا کہ ”انار یحکم الاعلیٰ“ بلکہ وہ عین حق تھا۔

صاحبِ فصوص کا کہنا ہے کہ فرعون کو چونکہ (تکوینی طور پر) منصبِ حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحبِ وقت تھا تو اس نے بجا طور پر ”انار یحکم الاعلیٰ“ کہا اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت سے ارباب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جادو گروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کا اعتراف کیا، اور کہا ”اِقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِیْ

لہذا اقوم علی مانی کتاب فصوص حکم ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۲ ابی سب تو ال کو انھوں نے صاحبِ فصوص کی طرف منسوب کیا ہے۔

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا“ (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے
فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمْ اَعْلٰی“ اگرچہ فرعون عین حق پر تھا۔

ابن عربی حضرت نور علیہ السلام پر عقیدہ کرتے ہیں اور ان کی کافر قوم کی تصویر و تعظیم جنہوں نے
پتھروں کی پرستش کی وہ کہتے ہیں کہ ان (بت پرستوں نے) درحقیقت الشری کی عبادت کی تھی اور
یہ طوفان دراصل معرفت الہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔
معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں وحدت وجود کے عقیدہ میں حدود و جہ کا غلو پیدا ہو گیا تھا
اور لوگ اس سلسلہ میں شریعت، عقل و اخلاق کے حدود پھلانگ گئے تھے اور ایک بھرائی کیفیت
پیدا ہو گئی تھی ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

۱۰۔ اس سلسلہ میں ایک جماعت (جس کو علم کلام، فلسفہ اور تصوف سے واقفیت تھی) بہت زیادہ
گمراہ ہوئی ان میں سے ابن سبیین، صدر الدین قونی (تلمیذ ابن عربی) اور تلمیذانی اور تلمیذانی خاص
طریق قابل ذکر ہیں ان میں تلمیذانی اس سلسلہ کے علمہ معروف میں مستحکم بڑھا ہوا تھا وہ مذہب
وحدة الوجود کا صرف قائل نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی کرتا تھا چنانچہ شراب پیتا تھا اور عورتوں
کا ارتکاب کرتا تھا، (کہ جب موجود ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسے ہو)
بھسے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمیذانی نے فصوص و حکم کا نسخہ دیا تھا اور اس کو
اولیاء الشرا اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے جب انہوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے

لہ الفرقان بین الحق والباطل ۱۴۷ ۱۴۸ ایضاً ۱۴۹ یہاں اس بات کا ذکر دینا بھی مزید معلوم ہوتا ہے کہ
شیخ اکبر کی کتابوں اور علوم کے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں باخصوص فصوص و حکم
میں کثرت سے احکامات اور اضافات کی گئی ہیں، و شق میں شیخ احمد احکامات و احکامات و احکامات کے علوم کے
حالیں ہیں سے تھے بڑے جرم و وثوق سے فراتے تھے کہ فصوص کا تہائی حصہ یا بیشتر محض اضافاتی ہے اصل ہے ۱۵۰

مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں، تو انھوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن مجید کے مخالف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے۔

ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا اگر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو غارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذات خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے؟ ہاں سب کے سب اس کی ذات کے اندر ہیں۔ بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں جلال اور ماں کیوں حرام ہے؟ اس نے محققانہ جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان مجہولین نے جو توحید حقیقی سے نا آشنا ہیں، کہا کہ ماں حرام ہے؟ ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (مجہولین) پر حرام ہے۔

شیخ الاسلام نے سنہ ۱۲۷۵ھ کو شیخ ابوالفتح نصر المصطفیٰ کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انھوں نے ظاہر کیا کہ وہ قائلین وحدۃ الوجود کے ضرر کو راہ خداوندی کے سالکین سے دفع کرنا قریب قریب اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا تاریخوں کا مقابلہ اور ازالہ شیخ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دعوت انبیاء کا مقصد بلکہ خلق و انزال کتب و ارسال رسل کا مقصد یہی ہے کہ دعوت و اطاعت صرف اللہ کی ہو، "أَنْ يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ" اس کا مقصد مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف دعوت دینا ہے، ان اتحادیوں نے سالکین کے لئے اس توحید کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے صحیفے نازل کئے، اور اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا، اس اتحاد کے ساتھ غلط ملط کر دیا ہے، جس کا نام انھوں نے "توحید" رکھا ہے اور اس کی حقیقت صالح (جل مجدہ) کو معطل قرار دینا اور خالق (عز اسمہ) کا انکار ہے، میں ابتداء میں شیخ ابن عربی

کے ساتھ حسن ظن رکھتا تھا، اور ان کی میری نگاہ میں بڑی عزت تھی، اس لئے کہ ان کی تصنیفات فتوحات مکہ کہ المحکم المرابطۃ الدرة الفاخرة مطالع النجوم وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد و نکات ملتے تھے، لیکن اس وقت تک مجھے ان کے مقصود کی حقیقت کا علم اور قصوص المحکم وغیرہ کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مذاکرہ اور طلب حق میں مشغول تھے، اور اس کی پیروی کرتے تھے، اور حقیقت طریق معلوم کرنا چاہتے تھے، جب حقیقت واضح ہو گئی تو ہم کو (اس سلسلہ میں) اپنا فریضہ اور کرنے کا کام معلوم ہو گیا، اس عرصہ میں شرق سے معتبر شائخ تشریف لائے، اور انھوں نے طریقہ اسلامیہ اور دین اسلامی کی حقیقت اور ان لوگوں (ابن عربی، صدری، تلمسانی، ابن سبعین) کی حقیقت حال دریافت کی تو اس کی شرح و تفصیل ضروری معلوم ہوئی، اسی طرح سے اطراف شام سے کچھ مخلص و صادق طالبین و مالکین نے فرمایش کی کہ قائلین و مدعا الوجود کے اقوال کا خلاصہ اور ان کا مدعا اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھا جائے، جناب والا اپنے نو قلب، ذکاوت، طبع، اخلاص اور اس خیر خواہی کے ساتھ جو اسلام و اہل اسلام اور برادران طریقت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا و دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت کی امید واقع ہو۔

اس کے بعد وہ بڑی تفصیل سے ان عقائد و نظریات اور مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں جو اتحاد و حلول کے بارہ میں سبھی فرقوں (یعقوبیہ، نسطوریہ، ملکانیہ) اور بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں (روافض اور جہمیہ) کے درمیان شائع و ذائع تھے، نیز اتحاد معین، اتحاد مطلق، حلول معین، حلول مطلق کی تشریح و تفصیل کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے قائل ہوئے، ان کا ذکر فرماتے ہیں، اس کے ان کی وسعت نظر اور مذاہب سابقہ سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے، پھر شیخ ابن عربی کا مسلک اور تحقیق بڑی تدقیق اور احتیاط کے ساتھ (جس سے ایمانہ ہوتا ہے) کہ انھوں نے فتوحات و

مقصود کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اور ان کے کلام کا سرا اور کلید ان کے ہاتھ آگئی تھی جس سے ان کے علوم و حقائق کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا تھا، بیان کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کا اور وحید الوجود کے دوسرے داعیوں کا فرق اور ابن عربی کے قول کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے، اسی کے ساتھ وہ اس کے نتائج اور لوازم فاسدہ بیان کرتے ہیں، اور غایت بے تعصبی کے ساتھ ان کو شک و احتمال کا پورا حق دیتے ہیں، اور ان کے دوسرے اتحادیوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، ایک جگہ اسی خط میں لکھتے ہیں:-

لکن ابن عربی اقربہم الی الاسلام ولہی	ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب ترین اور
کلامانی مواضع کثیرۃ، فانہ یفرق بین	ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے
للظاهر والظاهر فیر الامر والنہی	وہ مظاہر اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں امر و نہی اور شرائع
والشرائع علی ما ہی علیہ ویامر بالسلوک	واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں شائع نے جن اخلاق و
بکثیر ما امر بہ المتأخر من الاخلاق	عبادات کی تاکید کی ہے ان کا اختیار کرنے کا مشورہ
والعبادات ولہذا اکثر من العباد یاخذون	دیتے ہیں، اس لئے بہت عابد و صوفی ان کے کلام
من کلامہ سلوکہم فینتفعون بذلک	سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے حقائق کو
وان کالہا لا یفقیہون حقائقہ ومن	اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے
فہم ہامنہم وواقفہ فقد تبین قولہ	ہیں اور ان کی موافقت کرتے ہیں ان پر ان کے کلام
	کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

وہذا المعانی کلہا ہی قول صاحب	یہ تمام معانی صاحب فصوص کے اقوال ہیں اللہ تعالیٰ
الفصوص واللہ تعالیٰ اعلم بما مات	ہی کو علم ہے کہ ان کا حاکم کس چیز پر ہوا، اللہ تعالیٰ

۱۔ مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المصیبی مندرجہ جہ جلاء العینیین ص ۵۵

الرجل عليه والله يغفر لجميع المسلمين
والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات
الاحياء منهم والاموات ربنا اغفر لنا
ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان
ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا
ربنا انك رؤوف رحيم

تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی
معفرت فرمائے اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے
ان... بھائیوں کی معفرت فرمائے جو ہم سے پہلے ایمان
کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی
طرف سے کھوٹ نہ رکھ اے ہمارے پروردگار تو بڑی
شفقت والا مہربان ہے۔

پیر صدر رومی کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "هو ابعده عن الشريعة والاسلام" اس کے
بعد تلمسانی اور ابن سبعین کی پرزور تردید کرتے ہیں وہ سب زیادہ ناراض تلمسانی سے ہیں جن کے
متعلق حمیت دینی میں ان کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے ہیں۔

واما الفاجران التلمسانی فهو الخبيث
القوم واعلمهم في الكفر فانه لا يفرق
بين الوجود والاثبوت كما يفرق ابيه
عربي ولا يفرق بين المطلق والمعيين
كما يفرق الترومي ولكن عندا كما ثم
غيره ولا سوى بوجه من الوجوه
العبد انما يشهد الحق مادام محبوا
فاذا انكشف حجاب رأي انما ما ثم غير

باقی تلمسانی فاسق تو اس گروہ میں اس کی خباثت
سب سے بڑی پہلی تھی اللہ کفر میں وہ سب گہرا ہے
اس نے کہ وہ وجود و اثبوت کے درمیان اس طرح
بھی فرق نہیں کرتا اس طرح وہ عربی کہتے ہیں اللہ
مطلق و معین میں تمیز کرنا ہے یہاں اللہ
تو نوی سے منقول ہے اس کا مسلک تو یہ ہے کہ خدا
کی ذات سے متاثر و متاثر ہو جائے اور اس کا خدا
اگر اسی کا شاہد ہوتا ہے تو محض اس کا شک

۱۔ مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المصطفیٰ مندوب جلال العینین ص ۵۰ ۲۔ مکتوب صدر رومی تلمسانی ص ۵۰

۳۔ تلمسانی اپنے معتقدین کے حلقہ میں العفیف التلمسانی کے لقب سے مشہور تھا۔

مبینہ الامور و لهذا کان یتمتع جیح جب تک کہ وہ مجبور ہے جب یہ حجاب ترفع ہو جائیگا تو
المحرمات لہ ۱۰ وہ دیکھے گا کہ اسوی کا وجود نہیں اس وقت اس کو حقیقت
مال کا علم ہوگا اسی بنا پر یہ تسلانی تمام عمر کا کھلاں بھٹاتا۔

آخر میں وہ ایک نکتہ کی بات یہ لکھتے ہیں کہ:-

”فرقہ جہیہ کے تشکیل کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اور اس فرقہ کے متعبدین (شالیقین عباد) ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے منکلم کے دل میں کوئی خدا پرستی اور شوق عبادت نہیں، وہ اپنے کو سلبی صفات (صفات عدم و موت) سے موصوف کرتا ہے، لیکن تعبد کے دل میں خدا پرستی اور عبادت کا جذبہ ہے اور قدرتی بات ہے کہ قلب موجود کی طرف مائل ہوتا ہے، معدوم کی طرف نہیں اس لئے اس کو (مجبوراً) مخلوقات کی پرستش کرنی پڑتی ہے، یا تو وجود مطلق کی یا بعض مظاہر کی جیسے آفتاب، ماہتاب، انسان، ثبوت وغیرہ، اس طرح اتحادیوں کا قول (وحدۃ الوجود) دنیا کے ہر شرک پر حاوی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل و عامل نہیں بلکہ اس قدر مشترک کی توحید کے قائل ہیں جو اس کے اور مخلوقات کے درمیان ہے اس لئے وہ دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بناتے ہیں ”وہم مدبرہم بعد موت“ اسی بنا پر ایک معتبر شخص کا بیان ہے کہ ابن سبعین ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتا تھا کھتا تھا کہ اسلام کی سرزمین میں اس کی گنجائش نہیں، ہندوستان کے لوگ چونکہ مشرک ہیں، ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں یہاں تک کہ درختوں اور جانوروں تک کی (اس لئے ان کے ساتھ اچھی گزریے گی) اور یہی اتحادیوں کے قول کی حقیقت ہے، میں ذاتی طور پر کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو فلسفہ اور کلام کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں وہ انہی اتحادیوں کے طریق پر خدا پرست اور عابد بنتے ہیں، وہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت

۱۰ جلاء العینین ۱۰

۱۰ ہندوستان کے قدیم باشندے۔

بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں ہے ویسا نہیں ہے اور اس کی صفت میں مسلمانوں کی طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ مخلوقات کی طرح نہیں ہے، لیکن خالق کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے بیان کی ہیں اور جب ان میں سے کسی پر ذوق اور وجد غالب آتا ہے تو اتحادیوں کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تمام موجودات خدا ہی ہیں، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کہاں تو وہ نفی (کہ خدا نہ ایسا ویسا) اور کہاں یہ اثبات (کہ سب موجودات خدا ہی ہیں) تو کہنے لگتا ہے کہ وہ میرا وجدان تھا یہ میرا ذوق ہے اس گمراہ سے کوئی کہے کہ جو ذوق اور وجد اعتقاد کے مطابق نہ ہو تو ان میں سے ایک یا دونوں باطل ہوں گے اذواق اور مواجید درحقیقت معارف و اعتقادات کے نتائج ہیں اس لئے کہ قلب کی معرفت اور اس کا حال دونوں متلازم ہیں، چنانچہ بقدر علم و معرفت کے وجد و محبت اور حال ہوتا ہے یہ لوگ اگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا راستہ اختیار کرتے جنہوں نے اشر و حدہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کی وہی صفات بیان کرتے جو اس نے اپنی خود میان کیں امداس کے انبیاء نے بیان کیں اور سابقین اولین کی پیروی اختیار کرتے تو ہدایت کے راستہ پر چلتے اور یقین کی حلاوت اور قلب کی طمانیت ان کو حاصل ہوتی، کسی نے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہاں اشر تعالیٰ کی صفات کا اثبات مفصل اور (جو صفات اس کے لائق نہیں) ان کی نفی مجمل ہے ان الرسل جاؤا با اثبات مفصل و نفی مجمل بخلاف اس کے بدوین اہل تعطیل (جہمیہ و فلاسفہ جن سے اتحادی متاثر ہیں) نفی کے وقت تو خوب تفصیل سے کام لیتے ہیں، اور اثبات کے وقت محض اجمال پر اکتفا کرتے ہیں، قرآن مجید صفات ثبوت سے بھرپور ہے اور ان میں بڑی تفصیل ہے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا اِنَّا بِهٖ لَنَبِيْعٌ نَّبِيْرٌ

لے خود امام نے اپنی تصنیفات میں جا بجایہ بات کہی ہے۔

وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا“ اور نفی کے موقع پر ایک جامع مانع بات یہ کہہ دی "لَيْسَ بِمِثْلِهِ
 شَيْءٌ“ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“ حَلَّ تَعْلَمُ لَهُ نَبِيًّا“ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
 وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ“

اس عقیدہ سے جو اخلاقی فتنہ اور بد نظمی و لافالونی پھیل رہی تھی اور فساق اہل ہوس نے اس کو
 جس طرح آڑ بنالیا تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”اس عقیدہ کے مدعی خواہشات نفس، بوالہوس اور اعتقادی خرابیوں کے جامع ہیں اور اس کا توجہ
 کہیں کہیں یہ ظاہر ہوا ہے کہ بعض لوگ لڑکوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں
 اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے اور یہ منظر حبال خداوندی ہیں، بعض بعض بوسہ دیتے ہیں اور اپنے محبوب کے کہتے ہیں کہ
 تو خدا ہے، بعض لوگ اپنی اولاد پر دست درازی کرتے ہیں اور الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ“
 یہ وہ زمانہ تھا کہ الملک الناصر محمد بن قلاؤن برائے نام سلطان تھا، اور امیر رکن الدین میرزا شنگیر
 مدارالمہام اور سلطنت کے سیاہ سپید کا مالک تھا، جاشگیر شیخ نصر المنجی کا معتقد و مرید تھا، اور ان کو
 شیخ ابن عربی سے بغایت اعتقاد تھا، شیخ کے متعلق ابن تیمیہ کے جو خیالات تھے، اور جن کا وہ تقریر و تحریر
 و فتاویٰ ظاہر کرتے رہتے تھے، اس کی اطلاع مصر پہنچی رہتی تھی، اور یہ شیخ نصر المنجی کی براہ فرشتگی کے لئے
 کافی وجہ تھی، جاشگیر جو عام ترک امراء کی طرح معمولی پڑھا لکھا اور فوجی اور انتظامی قابلیت کا آدمی
 تھا، اپنے شیخ کی رائے سے متاثر تھا، اور ابن تیمیہ کے متعلق وہی رائے رکھتا تھا، جو اس کے شیخ کی رائے
 تھی، شام سلطنت مصر کا ایک صوبہ اور کلیتہً اس کے ماتحت تھا، اور سلطان مصر کو ایسے تمام اشخاص کو
 طلب کرنے اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق تھا، جو اس کی رائے میں امن عامہ کے لئے مضر یا کسی
 ضرورت کا باعث تھے، عام طور پر اس بارہ میں ذاتی رجحانات یا اہل دربار کی خواہشات کام کرتی تھیں،

لے الرد الاقوام علیٰ فصوص الحکم ص ۵۵

اور اس وقت بھی صورت حال یہی تھی کہ مدارالمہام سلطنت کے شیخ و مقتدی نصرالمنجی کو ابن تیمیہ کے قہقہے اور وہ ان کو زک پہنچانا چاہتے تھے۔

ابن تیمیہ مصر میں

بہر حال ۵ رمضان ۷۲۸ھ کو ابن تیمیہ کی طلبی کا فرمان شام پہنچا، ان کے احباب و تلامذہ کو اس سے بڑی تشویش پیدا ہوئی، نائب السلطنت نے (جو ان کا ہمدرد اور معتقد تھا) ان کو روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں سلطان سے خط و کتابت اور معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن ابن تیمیہ سفر کے لئے آمادہ تھے اور انہوں نے کہا کہ مصر کے سفر میں بہت سے مصالح اور منافع پیش نظر ہیں، بالآخر ان کے احباب معتقدین نے باویدہ پر ہم ان کو رخصت کیا، ثالثت کرنے والوں کا بڑا ہجوم تھا اور لوگ بڑے متاثر تھے۔ دمشق سے چل کر انہوں نے غزہ کی جامع مسجد میں درس دیا جس میں بڑا اجتماع تھا۔

اسیری و رہائی

۲۲ رمضان کو وہ مصر پہنچے، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ قلعہ میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی، جس میں قضاة اور اعیان سلطنت شریک ہوئے، ابن تیمیہ نے وہاں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا، لیکن ان کو اجازت نہیں دی گئی، بعض حاضرین نے ان کے عقائد و مسائل پر اعتراضات کئے، انہوں نے جواب دینے کے لئے حد و ثنا کے ساتھ تقریر کا آغاز کیا تو ان سے کہا گیا کہ تم آپ کا خطبہ سننے کے لئے مجھے نہیں روکتے، انہوں نے دریافت کیا کہ میرے مقدمہ میں حکم کون ہے؟ کہا گیا کہ قاضی ابن مخلوف مالکی، انہوں نے کہا کہ آپ تو میرے

لئے یہ عقائد و مسائل وہی قدیمی کلامی مسائل تھے جن پر بابا دمشق میں بحث ہو چکی تھی اور ابن تیمیہ نے اس پر نقل کیا ہے اور وہاں اہل کفر نے ان سے

استواء علی العرش کی حقیقت، کلام باری کی حقیقت اور حجت و موت کی بحث لے لی، مصر میں ابن تیمیہ کے بڑے علما و متاثرین تھے۔

حریف اور تہ مقابل ہیں، آپ حکم کیسے بن سکتے ہیں؟ اس پر ان کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے ابن تیمیہ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ کچھ عرصہ برج میں قید رہے، پھر عید کی رات کو وہ شہر قید خانہ میں جس کو مصر میں 'جب' (کنواں) کہتے تھے، اپنے بھائی شرف الدین عبدالشراور زین الدین عبدالرحمن کے ساتھ منتقل کر دیئے گئے، اگلے سال (۷۵۷ھ) میں عید کی رات نائب مصر اور بعض قضاۃ و فقہاء کی طرف سے اس بات کی سلسلہ جنبانی ہوئی کہ ابن تیمیہ کو آزاد کر دیا جائے، بعض حاضرین نے یہ شرط کی کہ وہ اپنے بعض عقائد سے رجوع کا اعلان کریں، ابن تیمیہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا، چنانچہ ان کو دعوت دی گئی کہ وہ خود آکر اس مسئلہ پر گفتگو کر لیں، مگر انھوں نے منظور نہیں کیا اور ان کا جواب یہی رہا کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکُونُ لَیْسَ لَنَا مَقَالِدُ عُرْوَتِنِی الْیَمِیْنِ۔

بنائے اختلاف اور مسلک کی توضیح خود شیخ الاسلام کی زبان سے

خوش قسمتی سے خود شیخ الاسلام کا ایک مستقل رسالہ جس میں انھوں نے مصر کی مجلس مباحثہ، پیر عبد السلام کے واقعات، رہائی کی سلسلہ جنبانی اور انکار اور اپنے مسلک کی توضیح خود کی ہے، حال میں مثلاً ہوا ہے اس رسالہ سے بہت سے نئے اور ضروری حالات پر روشنی پڑتی ہے یہاں اس کے کچھ حصے جستہ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔
 "ایک دن میرے پاس دلدوہ جیل آیا، اس نے کہا کہ نائب مصر اسلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انوکھ تک جیل میں رہنا ہے، کیا بھلے کا امام نہیں؟ کیا لب بھی آپ اسی بات پر قائم ہیں؟ میں نے

۱۔ اس مجلس کی سرگزشت خود امام ابن تیمیہ نے اپنے ایک کتاب میں لکھی ہے جو اس کے نام سے حال میں مثلاً ہوا ہے ۲۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ۳۔ یہ رسالہ دمشق کے شہور کتب خانہ "الظاهرہ" میں شیخ کے برادر حقیقی اور رفیق زندگی شیخ شرف الدین ابن تیمیہ کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، ہمارے فاضل دوست شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ سابق امام حرم کی حسن ماسی اور شیخ محمد نصیف کے اہتمام سے وہ چند دوسرے رسائل کے ساتھ شائع ہو گیا ہے جس کا نام "مجموعہ علیہ" ہے۔

خیال کیا کہ اس شخص کی زبانی پیغام بھیجنا مناسب نہیں (کہ معلوم نہیں پورے طور پر ادا کیا پائے یا نہیں؟) تو میں نے اس سے کہا کہ نائب صاحب کو سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بات کیلئے مجھے ابھی تک یہی معلوم نہیں کہ میں کس جرم میں قید کیا گیا ہوں اور میرا قصور کیا ہے، نیز اس پیغام کا جواب میں ملازمین کی زبانی نہیں دینا چاہتا، آپ اپنے معتبر لوگوں میں سے چار ایسے شخصوں کو بھیجیں جو سمجھدار بھی ہوں اور راست گفتار اور امین بھی تاکہ میں ان سے پوری یکم و کاست بات کہہ سکوں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس قضیہ میں بہت دغ و گئی اور تعریف سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے بعد داروغہ آیا، اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا، جس کو میں پہچانتا نہیں تھا، لیکن لوگوں نے بیان کیا کہ ان کا نام علاء الدین الطبری ہے، لوگ جو ان سے واقف تھے ان کی تعریف بھی کرتے ہیں، لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر و تحمل اور تلخ بات سننے کی قوت عطا فرمائی ہے اور ادنیٰ مخاطبے بھی میں انصاف کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں، سوچ جائے کہ حکام اور ذمہ داران حکومت سے، لیکن انھوں نے یہاں طریقہ اختیار کیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے مطالبہ کے منظور کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے ایک محضر بھی نکالا جس میں غلام واقعہ اور غلط باتیں لکھی تھیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وضاحت تھی، میں جب ان کو اس کا جواب دیتا، اور پیغام سپرد کرتا، تو وہ کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوتے، لہذا اسی پر اصرار کرتے کہ میں اس مطالبہ کو منظور کروں اور وعدہ کروں کہ پھر اپنے مسلک کی طرف رجوع کروں گا (اگرچہ قرآن و حدیث میں مباحثہ میں رفیق ولین کا حکم ہے، مگر جب ظلم کیا جائے تو خود اللہ خوداری کا بھی حکم ہے) میں نے سلسلہ کلام میں ان سے کہا کہ اس معاملہ میں مجھے فیصلہ کا حق نہیں، یہ معاملہ اللہ اور رسول اور تمام عالم کے مسلمانوں کا ہے، مجھے اللہ کے دین کے بغیر و تبدیل

کا اختیار نہیں اور میں تمہاری اویسی دوسرے کی وجہ سے دین اسلام سے ہٹ نہیں سکتا اور نہ کذب و بہتان کا اقرار کر سکتا ہوں۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں تو میں نے سختی سے بات کی اور میں نے کہا کہ یہ فضول باتیں چھوڑو اور جاؤ اپنا کام کرو، میں تم سے اس کی درخواست نہیں کی تھی کہ تم مجھے جیل سے نکالو اس وقت اوپر کا دروازہ بند تھا میں نے کہا کہ دروازہ کھولو میں جاتا ہوں گویا گفتگو ختم ہے۔

میں نے قاصد سے کہا تھا کہ میں نے ان مسائل میں جو کچھ لکھایا کہا ہے وہ ہمیشہ سوال و استفتاء کے جواب میں تھا میں نے کسی سے اس مسئلہ پر ابتدائو مراسلت نہیں کی، نہ کسی کو از خود مخاطب بنایا، ایک طالب حق میرے پاس آتا ہے اور بار بار مجھ سے سوال کرتا ہے کیا از روئے دین اس کی گنجائش ہے کہ میں کتان حق سے کام لوں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں مثل عن علم یرحمہ فکتہ الحمد للہ یوم القیامۃ لمجام من النار الشریعۃ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنَةُ ۚ** کیا میں تمہارے کہنے سے طالب حق کے جواب دینے سے احتراز کروں تاکہ میرا انجام وہ ہو (جو آیت میں بیان کیا گیا ہے) کیا سلطان مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں، یا کوئی اور سلمان لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ تم ان بے اصل باتوں کی بنا پر جو تم تک پہنچی ہیں، بادشاہ کے حکم کو آڑ بنانا چاہتے ہو۔

لے جس شخص سے (دین کی) کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اس کو علم ہے اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے اور کتان سے کام لے اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالے گا۔

مے جبکہ جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جو ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا، یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (سورہ بقرہ ۱۵۹)۔

اس پر قاصد نے کہا کہ جناب والا! بادشاہ کا نام نو درمیان میں نہ لائیے کوئی بادشاہ کی شان میں گفتگو نہیں کرتا! میں نے کہا کہ جی ہاں اس وقت کوئی بھی بادشاہ کے معاملہ میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کرتا یہ فتنہ اسی وجہ سے ہوا ہے یہ ہم نے شام ہی میں سن لیا تھا کہ یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ بادشاہ پر حوت زنی کی گئی ہے اور ان کو الزام لگایا گیا ہے لیکن ہم سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اس کو باور نہیں کرے گا۔

میں نے اس سے کہا کہ اس معاملہ کا نقصان مجھ پر عائد نہیں ہوگا مجھے کس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے اگر میں اس مقدمہ میں قتل کر دیا گیا تو میں بڑے درجہ کی شہادت پاؤں گا اور یہ میرے حق میں ایک بڑی سعادت ہوگی، قیامت میں مجھے راضی کیا جائے گا اور جو لوگ اس میں سامی بنیں گے، قیامت تک وہ لعنت کے مستحق ہوں گے، اس لئے کہ ساری امت محمدی کو معلوم ہے کہ میں حق پر مارا جا رہا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو مصیبت فرمایا اور اگر میں مجبوس کر دیا گیا تو خدا کی قسم میرا مجبوس ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت ہوگی اور مجھے کسی ایسی چیز کا بھی خوف نہیں جو لوگ مجھ سے چھین لیں گے، نہ کسی مدرسہ کی صدر مدرس یا اہتمام نہ کوئی جائیداد نہ دولت نہ حکومت اور عہدہ اور نہ کوئی اور چیز لیکن اس معاملہ کا ضرر تو ہمیں پر عائد ہوگا، اس لئے کہ جن لوگوں نے اس معاملہ میں شام میں مجھے کریشہ دوائی کی ہے میں جانتا ہوں کہ ان کا مقصد تو تمہاری غلط سازش کرنا اور تمہارے دین و حکومت کو نقصان پہنچانا ہے ان میں سے بعض تاتاریوں کے ملک میں گئے اور بعض اب بھی وہاں مقیم ہیں انہی لوگوں نے تمہارے دین و دنیا کے بگاڑنے کا ارادہ کیا ہے اور مجھے محض آڑ بنایا ہے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں اور تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہوں اس معاملہ میں بہت سی باتیں ابھی تک سرسبزہ راز ہیں، وہ اپنے وقت پر منکشف

ہوں گی، ورنہ میرے اور مصر میں کسی کے درمیان نہ کوئی عداوت تھی، نہ مخالفت اور میں ہمیشہ سے اہل مصر کا محب اور ان کے اور ان کے حکام کا اور علماء کا حامی اور دوست رہا ہوں۔

اس نے کہا کہ میں نائب السلطان کو کیا جا کر جواب دوں؟

میں نے کہا کہ سلام کہنا اور پورا پیغام پہنچا دینا۔

اس نے کہا کہ آپ نے تو بہت سی باتیں کہی ہیں!

میں نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ اس محضر میں جو کچھ ہے اس کا بڑا حصہ جھوٹ ہے۔

البتہ یہ جملہ استوی حقیقۃ (ضروری میں نے کہا ہے) اور مالکی اور غیر مالکی علماء میں سے متعدد نے لکھا ہے کہ اس پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے اور اس کا سلف اور اس امت کے پیشواؤں اور اکابر علماء میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، بلکہ میرے علم میں تو کسی عالم نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے تو میں ایسے اجماعی عقیدہ کو جس کا کسی عالم نے انکار نہیں کیا ہے کیسے چھوڑ دوں؟ علامہ ابو عمر ابن عبد البر کہتے ہیں: اهل السنة مجمعون على الاقرار بالصفا الواردة كلها في القرآن والسنة والایمان بها وحملها على الحقيقة لا على المجاز الا انهم لا يكتفون شيئا من ذلك ولا يبدون فيه صفة محصورة، واما اهل البع الجہتية والمعتزلة كلها والخوارج فكلهم ينكرها، ولا يحمل شيئا منها على الحقيقة ويزعمون ان من اقربها مشبهة وعند من اقربها نافون للمعبود، والمحق فيما قاله القائلون بما نطق به كتاب الله وسنة رسوله وهم ائمة الجماعة؛

الشیخ العارن ابو محمد عبدالقادر گیلانی "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں: وهو جمیعة العلوم

على العرش محتوی على الملك محیط علمه بالاشیاء اُكْم فرماتے ہیں: ولا يجوز وصفه بانه

في كل مكان بل يقال انه في السماء على العرش كما قال الرحمن على العرش استوی

وینبغي لطلاق صفة الاستواء من غير تاويل وانا استواء الذات على العرش^۱۔

ابن مخلوف (تاویل سے) جس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، وہ خود امام مالک ان کے ائمہ اصحاب اور ابوالحسن اشعری اور ان کے ائمہ اصحاب کے نصوص کے خلاف ہے، ان سب اسی کی تصریح کی ہے جو ہم کہتے ہیں، اسی بنا پر حنابلہ اور اشعریہ کی مصاحمت ہو گئی اور لوگوں کا اتفاق ہوا جب حنابلہ نے ابوالحسن اشعری کا قول دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ شیخ الموفق کے قول سے بہتر ہے اور اس طرح دلوں کے کینے نکل گئے اور فقہاء شافعیہ وغیرہ کی زبان سے نکلا کہ اکھد شر علی اتفاق کلامہ المسلمین۔

میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہو مستوی علی العرش حقيقة بذاتہ بلا تکلیف ولا تشبیہ اس نے کہا کہ اس کو آپ لکھ دیجئے اور اسی کی پابندی کیجئے، میں نے کہا کہ وہ انہی فقلوں میں اس عقیدہ میں لکھا ہوا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے اور اس پر دمشق میں بحث ہو چکی ہے اور اس پر سلمانوں کا اتفاق ہے اب میں اس میں کیا اضافہ کروں؟

میں نے اس سے کہا کہ میں نے پچاس کتابوں سے زیادہ ہیا کی ہیں جو تمام ترمذین، صوفیہ، متکلمین اور فقہاء مذاہب اربعہ کی کتابیں ہیں سب میری مؤید ہیں اور میں اپنے مخالفین کو تین سال کی مہلت دیتا ہوں کہ اس کے خلاف ایک حرف بھی ائمہ اسلام سے ثابت کر دیا اب میں کیا کروں۔

جب طبرسی چلے گئے تو کچھ دیر کے بعد ماروغہ آیا اور اس نے کہا کہ نائب سلطان آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں آپ اپنے قلم سے اپنا عقیدہ لکھ دیجئے، میں نے کہا کہ نائب صاحب کو سلام کہو اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر میں اس وقت کچھ لکھوں گا تو کہنے والا کہے گا کہ شیخ نے اپنے عقیدہ سابق میں کمی زیادتی کی یا اپنا عقیدہ بدل دیا، اسی طرح جب دمشق میں انھوں نے عقیدہ کی تحریر کا مطالبہ کیا

۱۔ شیخ نے اس موقع پر اس مضمون کی تائید میں اکابر طوائف مذاہب اربعہ کی بہت سی نقول نقل کی ہیں ان میں سے یہاں انہی دو نقل

نقلوں پر اکتفاء کی گئی۔ ۲۔ شیخ موفق الدین ابن قدامہ جن کا ترجمان حنابلہ میں تاویل کی طرف ہے۔

تو میں نے وہی چیز پیش کی جو پہلے لکھی جا چکی تھی میں نے کہا کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو شام کی تینوں مجلسوں میں پڑھا جا چکا ہے اور نائب شام سرکاری ڈاک کے ساتھ اس کو بھیج چکا ہے اور یہ سب تحریریں آپ کے پاس موجود ہیں اور عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میں اپنی طرف سے ایجاد کروں یہاں تک کہ روزانہ ایک نئے عقیدہ کا اعلان کروں میرا عقیدہ وہی ہے جس کا پہلے اظہار کر چکا اور تحریر وہی ہے جو آپ کے پاس موجود ہے آپ اس کو دیکھ لیجئے۔

وہ واپس گیا اور پھر آیا اور کہا کہ آپ اپنے قلم سے کچھ لکھ دیجئے میں نے کہا کہ میں کیا لکھ دوں؟ اس نے کہا کہ شلامانی نامہ اور یہ کہ آپ کسی سے تعرض نہ کریں گے میں نے کہا کہ ہاں مجھے یہ منظور ہے کسی کہ انرا پہنچانا میرا مقصود نہیں انہی سے انتقام لینا چاہتا ہوں نہ کسی سے دارو گیر کرنے کا ارادہ ہے اور میں ہر اس شخص کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے ساتھ زیادتی کی میں نے یہ لکھ دینا چاہا پھر میں نے کہا کہ اس کے لکھنے کا دستور نہیں اس لئے کہ انسان کا اپنے حق کو معاف کر دینا کسی تحریر کا محتاج نہیں ہے۔

شیخ نصر الدینی کو اس حقیقت حال کی اطلاع ضرور کرنی چاہئے تاکہ اپنی تدبیر سے کچھ اس کی اصلاح اور انتظام کریں میرا مقصود محض انشاء اور اس کے رسول کی اطاعت ہے غیر چیز کا اصل خطرہ ہے وہ یہ کہ اہل مصر کے آپس کے اختلافات اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے اقوال سے کہیں فساد نہ برپا ہو جیسا کہ ابھی تک دیکھنے میں آیا ہے اور شام میں جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہے حالانکہ شام میں اتفاق کی صورت مصر سے زیادہ ہے اور میں بخدا فساد کی آگ بجھانے میں (خواہ مصر میں ہو خواہ کہیں اور) امانت کرنے میں سب سے پیش پیش رہوں گا اور خیر کے قائم کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا اور میں خلیفہ خواہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں میں حتی الامکان ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو نفع پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کروں گا اور ان کے دشمن کی ان کے مقابلہ میں کبھی مدد نہیں کروں گا اور اصل بہارا اور مدد اللہ کی ہے یہی میری نیت اور میرا عزم ہے حالانکہ میں تمام امور اور حالات سے واقف ہوں

لیکن مجھے علم ہے کہ شیطان مومنین کے دلوں میں فساد ڈال دیتا ہے اور میں اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں بھی شیطان کا معاون نہیں بنوں گا۔

یہ حکم اور یہ پریشانی اسی طرح رفع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے استغفار اور توبہ کی جائے اور سچے دل سے اس کی پناہ لی جائے فانہ سبحانہ لا یجیب من لا الیہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

باقی رہا استغاثہ کا مسئلہ تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اور دین اسلام کا یہ بدیہی اور قطعی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کسی سے دعا اور کسی سے استغاثہ اور کسی پر توکل جائز نہیں اور یہ کہ جس نے کسی مقرب فرشتہ یا مبعوث پیغمبر کی عبادت کی یا اس سے دعا کی یا اس سے استغاثہ کیا، تو وہ مشرک ہے، کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ یہ کہے کہ اے جبریل اے میکائیل اے ابراہیم اے موسیٰ یا رسول اللہ میری مغفرت فرمائیے یا مجھ پر رحم کیجئے یا مجھے رزق دیجئے یا میری مدد فرمائیے یا میری فریاد منگئے یا میرے دشمن سے مجھے پناہ دیجئے اور اسی طرح کی باتیں بلکہ یہ سب خصائص الہیت ہیں اور بڑے اہم شہود مسائل میں جن کی طلاق شرعی کر چکے ہیں اور اللہ اور رسول کے حدود اور حقوق میں فرق بیان کر چکے ہیں یہ اصول اسلام میں سے ہے تو اگر کاملاً (ابن مخلوف) دین اسلام اور دین نصاریٰ میں امتیاز نہ رکھتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے دعا کرتے ہیں تو پھر میں کیا کروں، لیکن جو یہ لفظ کو رب بنائے اور کہے کہ وہ غفور و رحیم پناہ دیتی ہیں اور مصیبت زدہ کی فریاد سنتی ہیں اور مدد کرتی ہیں واللہ وہ ان کے خاص محافظت اور وجاہت میں ہے اور ان کا سجدہ کرتا ہے اور ان سے گریہ و زاری کے ساتھ ایسی ہی دعا کرتا ہے جیسے کہ

اے اس موقع پر شیخ نے اس مضمون کی آیات و احادیث جمع کر دی ہیں، ملاحظہ فرمائیے کہ اس میں جو چیزیں مذکور ہیں وہ سب یہ فیض الہی بیت رسول میں سے ہیں، ایمان کی تہذیبوں میں ہے جس کا وہ ایمان ہی تسلیم کرتے ہیں۔

رب السموات والارض سے دعا کرنے میں گرا گزرتا ہے اور ایسے زندہ پر بھروسہ کرتا ہے جس کا انتقال ہو گیا ہے اور اس زندہ پر بھروسہ نہیں کرتا جو ہمیشہ زندہ رہے گا اور جس کو فنا نہیں تو اس میں شک نہیں کہ ایسی ہستی کو شریک کرنا جو سیدہ نفیسہ سے افضل ہے ان کو شریک کرنے سے زیادہ قوی ہو گا۔

باقی رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) مثلاً آپ کی محبت کا اپنے نفس، متعلقین اور مال پر مقدم رکھنا، اور آپ کی تعظیم و توقیر اور احترام و عظمت اور اتباع و اطاعت اور آپ کی سنت کی پیروی وغیرہ تو وہ بڑے عظیم الشان ہیں اسی طرح سے دعا میں آپ کو وسیلہ بنانا محسن ہے باقی آپ سے دعا اور آپ سے استغاثہ (آپ کی دعا ہی دینا) تو وہ حرام ہے میں نے اس موضوع (حقوق رسول) پر ایک کتاب الصام للسلول علی شاتم الرسول تصنیف کی ہے جس میں اس مسئلہ کی ایسی تحقیقات اور تفصیلات ہیں کہ میرے علم میں اس سے پہلے کسی تصنیف میں نہیں تھیں اسی طرح سے ان اصول و قواعد ایمان کے بارے میں بہت سے مضامین اور مسائل کو چکا چودہ میں جو دین کے بارے میں مفید ترین چیزیں ہیں۔

شیخ (نصر) کی اطلاع میں یہ بات آجانی چاہئے کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ معاملہ کہیں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جاوے اور بے قابو نہ ہو جاوے اور کوئی ایسی بات نہ پیش آئے جس کا نقصان ملے گا اور اس بخون وغیرہ کو برداشت کرنا پڑے اس لئے کہ مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی گئی ہے جو اس نقصان کا سبب بن سکتی ہے میں نے اس کو منظور نہیں کیا اس لئے کہ میں ان کا مخلص ہوں واللہ میں نے ان کے ساتھ کبھی فریب نہیں کیا اگر فریب کیا ہوتا تو اس بات کا اظہار نہ کرتا (کہ مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی جا رہی ہے جس میں ان کا نقصان ہے) میں ان دونوں کا نیکی اور خدا ترسی کے کام پر معاون ہوں۔

آپ یہ بھی ان سے کہہ دیجئے کہ وہ بنیاد جس پر معاملات درست ہو سکتے ہیں یہ ہے کہ ہر شخص

۱۔ اس موقع پر شیخ نے جو حدیث آیات و احادیث نقل کی ہیں، ملاحظہ ہو المجلد ۱ ص ۱۳۰

اشرقتانے کی طرف رجوع کرے اور (رمضان کے) اس مبارک مشرہ میں توبہ کرے، جب قلوب اور
اندرون درست ہو جائیں گے تو ظواہر خود بخود درست ہو جائیں گے: اِنَّ اَحْلَهٗ مَعَ الَّذِيْنَ
اَتَّقُوا وَالَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ؟

جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور اس کے اثرات

صاحب الکواکب الدینیہ شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیق درس شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ
سے لکھتے ہیں کہ:-

”شیخ جب جیل میں پہنچے تو دیکھا کہ قیدی لہو و لعب اور تفریحات میں مشغول ہیں اور اسی طرح
اپنا دل بہلاتے اور وقت کاٹتے ہیں، خطرناک، چوسر و غیرہ کا زور ہے، نمازیں بے تکلف قضا ہوتی
ہیں، شیخ نے اس پر اعتراض کیا، اور قیدیوں کی نماز کی پابندی اور اشرقتانے کی طرف توجہ اعمال
صالحہ، تسبیح و استغفار اور دعا کی طرف متوجہ کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمال خیر کی ترغیب شروع
کردی، یہاں تک کہ علم و دین کی ایسی مشغولیت شروع ہو گئی کہ جیل خانہ بہت سی خانقاہوں
اور مدارس سے زیادہ بارونق اور بابرکت نظر آنے لگا، لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور
جیل کی اس دینی و علمی زندگی سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کا
پھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور انہی کی خدمت میں رہنا پسند کرتے تھے۔“

چار مہینے کے بعد (۱۲ صفر ۱۳۷۷ھ) کو دوبارہ ان کی رہائی کی کوشش کی گئی، ماضی القضا
بدرالدین بن جہاہ نے خود ان سے ملاقات کی، اور دیر تک گفتگو رہی، لیکن وہ بھگنے پر رضا مند نہ ہوئے
بالآخر ۲۳ ربیع الاول کو امیر حسام الدین مہنا بن عیسیٰ ملک عربیہ خود جیل خانہ گئے، اور شیخ کو قسم دیا

”اے الکواکب الدینیہ! اے امیر حسام الدین عربی النسل! مراو کے خاندان کے فرزند شام کے ایک بچے کی دعا بہت اچھی
(یا اے شہید)“

اور اپنے ساتھ نائب مصر کے مکان پر لائے 'امیر حسام الدین ان کو اپنے ساتھ دمشق لیجانا چاہتے تھے لیکن نائب السلطنت نے مشورہ دیا کہ شیخ ابھی کچھ روز مصر میں قیام فرمائیں تاکہ لوگوں کو ان کے علم و فضل کا اندازہ ہو اور ان سے استفادہ کریں۔

ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی

اس غرض میں ابن تیمیہ کی سیرت کی بلندی اور نمایاں ہوئی، انھوں نے کسی طاقت کے سامنے گردن نہیں خم کی اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن داغدار ہوا، انھوں نے سلطانی خلعت اور عطایا عے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔

ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے جیل سے باہر آتے ہی اپنے تمام مخالفین کو اور ان تمام لوگوں کو جنھوں نے ایذا رسانی کی کوشش کی تھی، بلا استثناء معاف کر دیا، اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ ان کو کسی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ وہ کسی سے مواخذہ کریں گے، اپنی رہائی کے بعد انھوں نے شام جو خط لکھا تھا، اس میں فرماتے ہیں:-

تعلیمون رمی اللہ عنکم انی للاحب	اللہ تعالیٰ آپ پر راضی ہو آپ کو معلوم ہے کہ میں
ان یوذی احد من عموم المسلمین	نہیں چاہتا کہ عامہ مسلمین میں سے کسی کو بھی ایذا
فضلا من اصحابنا شیء اصلا لا ظاهرا	ہونے کسی طرح کی بھی ظاہری یا باطنی، چہ جائے کہ
او باطنی، ولا عندی عتب علی احد	یہ پسند کروں کہ ہمارے احباب (علماء و اہل دین)

(باقی صفحہ کا) طاقت ور رئیس تھے، شامی ہونے کی وجہ سے وہ ابن تیمیہ کے مجاہدانہ کارناموں اور اصلاحی کوششوں سے بیعت مصریوں کے زیادہ واقف تھے اس لئے انھوں نے ابن تیمیہ کی رہائی میں خاص دلچسپی لی، ان کے خلوص و علو خاندان اور بیت پسندی کی وجہ سے ابن تیمیہ نے بھی ان کی پیشکش قبول کی اور جیل سے باہر آنے پر آمادہ ہو گئے۔

منهم ولا لهم أصلاً بل لهم عدى من
الكرامة والاحلال والمحبة اضعاف
ما كان، كل بحسبه ولا يخلو الرجل اما
ان يكون مجتهداً، او مختطاً، او مذنباً،
فالاول ماجور مشكور والثاني مع اجر
على الاجتهاد معفو عنه والثالث فان الله
يفرلنا ولكم ولسائر المؤمنين -

لا أحب ان يتصر من احد بسبب
كذبه على او ظلمه او وعد وانه قال
قد احللت كل مسلم، وانا احب الخیر
نكل المسلمين، واريد نكل مؤمن من
الخیر ما ارید لا لنفسی والذین کذبوا
وظلموا هم فی حق من جہتی۔

کو میری وجہ سے کوئی ایذا پہونچے، مجھے نہ کسی سے
شکایت ہے نہ کسی پر ملامت، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ
ان کی عزت و عظمت اور محبت میرے دل میں
پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور وہ ہر ایک مرتبہ کے
مطابق انسان (کسی شخص کے ساتھ اختلاف و
نزاع کرنے میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار
یا گنہگار مجتہد تو ثواب اور شکر دینے والوں کا حق
ہے، غلط کار قابلِ معافی ہے، گنہگار تو اثر
ہائے اس کے اہتمام میں نہیں کا مغفرت فرمائے۔

میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے اس وجہ سے
انتقام لیا جائے کہ اس نے مجھ پر پستان باندھا تھا
یا ظلم یا زیادتی کا اس نے کیا میں نے ہر مسلمان کو سزا
کو دیا ہے اور میں تمام مسلمانوں کے لئے جہاد
چاہتا ہوں، لہذا ہر مومن کے لئے اسی چیز کا طالب
ہوں جس کا اپنے لئے اور تمام لوگوں کو جو جھوٹ
بولے اور جھوٹوں نے ظلم کیا، وہ میری طرف
سے بری الذمہ اور آزاد ہیں، میری طرف
سے کوئی مواخذہ نہیں۔

لے ابن تیمیہ (محد ابو زہرہ) ص ۱۶

درس و افادہ

جیل سے آنے کے بعد ابن تیمیہ درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، مصر کی فضا ان کے لئے ابھی سازگار نہ تھی، علماء و قضاۃ نے ان کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے لگی تھیں، اگر وہ صوفیہ بھی (جس میں توحید و ہودٰی کا ذوق اچھا خاصا پایا جاتا تھا) ان سے بدگمان اور آزرده تھا، مذاہب اربعہ میں سے صرف حنبلی اور عقائد میں سے صرف عقیدہ سلف کی وکالت اور نمائندگی کے لئے ملک میں کوئی طاقتور اور موثر شخصیت موجود نہ تھی، اور نہ دوسرے مذاہب کے بڑے قاضی اور عالم موجود تھے، ان سب وجوہ کی بنا پر ابن تیمیہ نے مصر میں کچھ عرصہ قیام اور درس و افادہ عام کا ارادہ کر لیا، اور ان کے باقاعدہ اور بے قاعدہ درس اور مجالس شروع ہو گئیں، خالص علمی اور کلامی مسائل پر انھوں نے قاہرہ کے مشہور مدارس بالخصوص صالحیہ میں کئی درس دیئے جن سے خواص نے فائدہ اٹھایا اور ان کے اصلی خیالات و عقائد سے واقف ہوئے۔

اس درس و افادہ کا سلسلہ سچے پہنچے جاری رہا جس سے عوام و خواص نے دینی و علمی فائدہ اٹھایا اور عام طور پر لوگ ان کے خلوص، غیر معمولی ذہن و دماغ اور علمی کمالات کے گرویدہ ہوئے۔

ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام

ابن تیمیہ کا مصر آنا اچانک ہوا تھا، اور یہ اندازہ نہ تھا کہ ان کو یہاں اتنے عرصہ قیام کرنا ہوگا، ان کی والدہ اور سارا کنبہ شام میں تھا، جو ان کی بخیریت واپسی کے لئے چشم براہ تھا، ابن تیمیہ نے دینی مصالح کے پیش نظر جب کچھ عرصہ مصر میں قیام کا فیصلہ کیا تو انھوں نے والدہ محترمہ کو اس ارادہ کی

لے اتفاق سے اس وقت قاضی حنبلی بہت محدود علم و فہم کے آدمی تھے اور ان کی وجہ سے حنبلیہ کا پہلو بہت کمزور تھا۔
(ملاحظہ ہو ابن تیمیہ ص ۱۴۸)

اطلاع دی اور ان سے اجازت طلب کی، یہ خط لطیف جذبات پاک محبت 'فرزندانہ سعادت مندی' اور مردانہ حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کا آئینہ ہے اور بے ساختہ اور بے تکلف زبان میں لکھا گیا ہے اس لئے پورا نقل کرنے کے قابل ہے وہ لکھتے ہیں:-

من احمد بن تیمیۃ الی الوالدۃ السیۃ
احمد بن تیمیۃ کی جانب سے مخدومہ والدہ صاحبہ کی
اقرآن اللہ عینہا بنعمہ واسبح علیہا
خدمت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے ان کی
جزیل کرمہ وجعلہا من امائہ و
آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور ان کو اپنے احسانات سے
الامال فرمائے اور ان کو اپنی مقبول بندیوں
خدمہ۔
میں شامل فرمائے۔

سلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اس خدائے پاک
انا محمد الیکم اللہ الذی لا الہ الاہو
کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
وہو محمد اہل، وہو علی کل شیء
قدیر، ونسألہ ان یصلی علی خاتم
النبیین وامام المتقین محمد صلی
ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی
الہ وسلم تسلیمًا۔

وہ ذاتِ محدود تائش ہے اور ہر چیز پر قادر ہے
اللہ تعالیٰ کا درود و سلام اپنے رسول اور بندہ
خاص جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
گراں پر جو خاتم النبیین امام القیامین اور ان کے
آل پر۔

کتاب الیکم عن نعم من اللہ عظیمۃ
میں یہ عزیز آپ کی خدمت میں کہ رہا ہوں او
ومن کریمۃ والایحیۃ نشکرا اللہ
حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر بڑی نعمتیں
علیہا ونسألہ المزیذ عن فضلہ ونعم
بڑے انعامات اور بڑے عظیم الشان عطیے پامال ہوں
اللہ کما جاءت فی نعمہ وازدیاد
جن پر اس کی بارگاہ میں شکر گزار اور مزید کا

وایادیہ جلت عن التعداد وتعلمون
ان مقامنا الساعة فی هذه البلاد
انما هو لامور ضرورية متى اعملناها
فسد علينا امر الدين والدنيا ولنا
والله مختارين للبعد عنكم ولو حصلنا
الطیور لسننا اليكم ولكن الغائب
عذره معه وانتم لو اطلعتم علی
باطن الامور فانکم - والله الحمد -
ما تختارون الساعة الا ذلک، ولکم
نعیم علی المقام والاستيطان شهراً
واحداً بل کل يوم نستخیر الله ولکم
وادعوا لنا بالخیرة فנסأل الله
العظیم ان یخیر لنا والمسلمین ما فیہ
الخیرة فی خیر وعافیة۔

طلب گارہوں، اشرف کی نعمتیں روز افزوں اور
اس کے احسانات لا تعداد ہیں آپ کی اطلاع
کے لئے لکھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارا مصر میں
قیام چند ایسے ضروری امور کی بنا پر ہے کہ اگر
ہم ان سے غفلت بریں تو دین و دنیا کی خرابی
اور نقصان کا اندیشہ ہے خدا کی قسم ہم اپنے
اختیار اور خواہش سے یہاں ٹھہرے ہوئے
نہیں ہیں اور ہم نے آپ سے دوری خود اختیار
نہیں کی ہے (اپنے جذبہ اور شوق کا حال
تویہ ہے کہ) جی چاہتا ہے کہ پر لگ جائیں اور
ہم ارڈر آپ کے پاس پہنچ جائیں لیکن دور افتادہ
کا صحیح صحیح حال اور اس کی معذوری سمجھ میں نہیں
آسکتی، وہ اپنے حالات تو خود ہی جانتا ہے
اگر آپ کو حقیقت حال معلوم ہو جائے تو آپ
بھی (اپنے دینی شوق اور بلند ہمتی کی بنا پر) یہی
فیصلہ کریں گی کہ اس وقت میرا مصر میں
ٹھہرنا انسب ہے، جہاں تک ہمارے ارادہ کا
تعلق ہے ہم نے ایک مہینہ بھی مصر میں قیام
کرنے اور سکونت اختیار کرنے کا بھی عزم نہیں کیا۔

بلکہ ہم روزانہ اپنے اور آپ کے لئے الشریعہ خیر کی
دعا کرتے رہتے ہیں آپ بھی ہماری دعا کی دعا
کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیر مقدر کرے اور اسی چیز کا
فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔

وقد فتح الله من ابواب الخير والرحمة
والهداية والبركة عالمين يحظر بالبال
ولا يدون في الخيال، ونحن في كل وقت
مهمومون بالسر مستخفرون الله بجملة
وتعالى فلا يظن الظان اننا نؤثر على
قربكم شيئاً من امور الدنيا قط بل
لأننا نؤثر من امور الدين ما يكون قريبا
ارحم منه ولكن ثم أعود كبار غفان
الضرر الخاص والعام من افعالها
والشاهد يرى ما لا يرى العنايب
والمطلوب كثرة الدعاء بالخيرة
فان الله يعلم ولا تعلم ويقدرو
لانقدرو هو علام الغيوب وقال
النبي صلى الله عليه وسلم من سعادته
ابن آدم استخارته الله ورصناؤه

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خیر و رحمت اور ہدایت
و برکت کے ایسے ایسے دروازے کھولے ہیں جو پہلے
وہم دکان میں بھی نہیں تھے ہم کہہ روت سفر کی
فکر ہے اور اللہ سے استخارہ کرتے رہتے ہیں کوئی
یہ خیال نہ کرے کہ ہم آپ کے قرب پر دنیا کی کسی
دولت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ دین کے امور میں
بھی (اولیٰ و خیرہ کے درجہ کی چیزوں میں سے)
کسی ایسی چیز کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں
جن کے مقابلہ میں آپ کا قرب اور آپ کی خدمت
دنیا اعتبار سے ماضی و مستقبل میں ہے لیکن کچھ
ایسے اہم امور و مسائل و پیش ہیں جن کے چھوڑ
دینے سے ہم کو عمومی اور خصوصی مضر کا اندیشہ ہے
اور اس کا اندازہ اسی کہہ سکتا ہے جو موقع پر
پر موجود ہے تشدد کے پورا تشدد سے آپ سے
درخواست ہے کہ اس کی دعا کثرت سے کریں کہ

بما يقسم الله له ومن شقاوة ابن
 آدم ترك استخارته الله وسخطه بما
 يقسم الله له والتاجر يكون مافرا
 ومحتاج ضياع ماله فيحتاج ان يقيم حتى
 يتوفيه وما نحن فيه امر يجل عن
 الوصف ولا حول ولا قوة الا بالله
 والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته
 كثيرا كثيرا وعلى سائر من في البيت
 في الكبار والصغار والاهل والاصحاب
 واحدا واحدا والحمد لله رب
 العالمين وعلى الله على سيدنا محمد
 وآله وصحبه وسلم تسليما

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ایسی چیز کا فیصلہ فرمائے
 جو ہمارے حق میں بہتر ہو (قیام یا سفر) اس لئے
 کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم بے خبر ہیں، اسی کو
 صحیح اندازہ ہے، ہم بے انداز ہیں، وہ سب بھی
 دھکی چیزوں سے واقف ہے آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی سعادتمندی
 یہ ہے کہ وہ اللہ سے خیر طلب کرتا ہو اور اس کا
 فیصلہ اسی پر چھوڑتا ہو اور پھر جو فیصلہ فرمائے
 اس پر راضی ہو جاتا ہو اور بخشنے اور شقاوت ہے کہ
 وہ استخارہ اور خیر طلبی چھوڑ دے اور اس کے فیصلہ
 سے ناراض اور غیر مطمئن ہو، والدہ صاحبہ آپ
 جانتی ہیں کہ تاجر بھی جب کبھی پردیس میں ہوتا ہے
 اور اس کی قمیص اور مال پھیلا ہوا ہوتا ہے تو
 وہ بھی اتنا انتظار کرتا ہے اور مجبوراً قیام اختیار
 کرتا ہے کہ وہ اپنی سب قمیص وصول کر لے اور
 اپنا مال سمیٹ لے، اودھم تو جس بڑے کام اور
 جس عظیم مقصد کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ تو چیز ہی
 کچھ اور ہے اس سے تجارت کو کیا نسبت؟ بس
 سب سہارا اور آسرا اللہ ہی کا ہے آپ پر ادھر کے

سب چھوٹوں بڑوں پر اور سب متعلقین اور گھروں
پر بہت بہت سلام ہو، وصلے اشرفی سیدنا محمد
وآلہ و صحبہ وسلم تسلیم۔

دوبارہ السیری

معزز وحدت وجود کے عقیدہ اور خیال کا مستقل مرکز تھا، مشہور صاحب حال شاعر ابن الفارضؒ
جنہوں نے ۱۱۳۲ھ میں وفات پائی اس خیال کے پرورش دہی معلوم ہوتے ہیں، اور ان کے اشعار میں جا بجا
اس کے مضامین ملتے ہیں، ابن تیمیہ اس عقیدہ کی برطاعت ردید کرتے تھے، اور اپنے درس و مجالس میں ان اقوال و
اعمال پر جرح و اعتراض کرتے رہتے تھے، جو ان کی تحقیق کے مطابق کتاب و سنت کے خلاف اور صوفیہ
متاخرین کے اضافات میں سے ہے، وہ اپنی کتابوں میں جا بجا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عری
بن مسافر اموی جیسے محقق و راسخ صوفیہ کرام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں، لیکن اپنے معاصر
مشائخ و صوفیہ پر تنقید کرنے سے تامل نہیں کرتے، جو ان کے اعتقاد کے مطابق فلسفہ یونان اور مصری و
ہندی اشراق سے متاثر تھے، شیخ کی ان تقریروں اور تنقیدوں سے تصوف کے حلقوں میں بری بیدار ہوئی
اور مصر کے مشہور شیخ طریقت ابن عطاء الشراہ سکندری (صاحب الحکم) نے گروہ صوفیہ کی طرف سے حکام کے
یہاں ابن تیمیہ کے خلاف نالش کی، صوفیوں کا ایک بڑا گروہ خود قلعہ میں ابن تیمیہ کی شکایت کرنے لگے، سلطان
نے ان شکایتوں سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ دارالعدل میں مجلس منعقد ہو، اور اس معاملہ کی تحقیق کی جائے
اس مجلس میں ابن تیمیہ نے خود شرکت اور اپنے مقدمہ کی وکالت کی، ان کی مدلل اور پختہ تقریر سے سب
لوگ خاموش ہو گئے، اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکی۔

لیکن ان کے خلاف شورش دلی نہیں، اب ان کے خلاف یہ الزام بھی تھا کہ وہ علانیہ اس بات کو

تبلیغ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی ربائی نہیں دی جاسکتی اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے استغاثہ بھی درست نہیں یہ شکایت جب پیش ہوئی تو بعض علماء نے کہا کہ اس بات میں تو کوئی قباحت نہیں، قاضی القضاۃ نے صرف اتنا کہا کہ اس میں کچھ بے ادبی ضرور ہے، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات حدِ کفر تک پہنچتی ہے اس لئے یہ شکایت بھی بے نتیجہ رہی۔

مگر اس روز روز کی شکایت اور شورش سے حکومت تنگ آگئی تھی اس نے شیخ کو تین امور میں سے کسی ایک امر کو اختیار کر لینے کا مشورہ دیا، یا تو اپنے وطن دمشق چلے جائیں یا اسکندریہ میں قیام اختیار کریں، مگر دونوں جگہ ان کو بعض شرائط کی پابندی کرنی ہوگی، یا جیل جانا منظور کریں شیخ نے آخری شکل کو ترجیح دی، لیکن ان کے تلامذہ و احباب نے دمشق کے سفر کے لئے اصرار کیا، اور انھوں نے ان کے اصرار سے اس کو منظور کر لیا، اور ۸ ارشوال سنہ ۷۸۷ کو وہ روانہ بھی ہو گئے، لیکن اسی روز ان کو مصر واپس لایا گیا، اور کہا گیا کہ حکومت کی مصلحت یہی ہے کہ وہ جیل میں رہیں لیکن قضاۃ و علماء اس مرتبہ متردد تھے کہ وہ کس الزام کے تحت جیل جائیں قاضی مالکی شمس الدین التونسی نے صاف کہا کہ ان کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہو سکی، نور الدین مالکی کو بھی توقف تھا، اور وہ خاموش تھے شیخ نے علماء و قضاۃ کی اس ذہنی کشمکش کو دیکھ کر خود فیصلہ کر دیا کہ وہ از خود جیل جانے کے لئے تیار ہیں نور الدین الزدادی نے کہا کہ وہ ایسی جگہ رکھے جائیں جو ان کے شایان شان ہو، حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ وہ کوئی استثناء اور رعایت کے لئے تیار نہیں، الدولة ماتر منی لا انجس (حکومت تو ان کو اسی جگہ رکھنا چاہتی ہے جس کا نام جیل خانہ ہے) چنانچہ قضاۃ کے مجلس میں ان کو بھیج دیا گیا اور یہ اجازت دی گئی کہ ان کی خدمت کے لئے کوئی آدمی رہ سکتا ہے۔

اس مجلس میں ابن تیمیہ کے مشاغل و معمولات جاری رہے یہ دراصل ایک نظربندی کی شکل تھی

لے غائبانہ شرط تھی کہ وہ اپنے عقائد اور مخصوص خیالات کی عمومی تبلیغ نہ کریں۔ یہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن کثیر رحمہ اللہ

طلبہ اور علماء ان سے ملاقات کر سکتے تھے اور استفادہ اور مذاکرہ کرتے تھے اہم مسائل میں ان سے فتویٰ بھی لیا جاتا تھا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرسہ صابحیہ میں فقہاء و قضاة کا اجتماع ہوا اور ان کی متفقہ خواہش اور تجویز سے ابن تیمیہ کو رہا کر دیا گیا، لوگوں نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا، اور پہلے سے زیادہ ان کی طرف رجوع ہوا۔

سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی

دفعہ مصر کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر ہوا کہ ابن تیمیہ کے لئے مشکلات بہت بڑھ گئیں اور ان کے حریف کو ان کے خلاف آزادی سے ہر قسم کی کارروائی کا موقع مل گیا، اس وقت تک اصل سلطان مصر و شام ناصر بن قلاوون تھا جو ابن تیمیہ کے علم و فضل اور خلاص کا معتقد اور ان کا ہمدرد تھا، ابن تیمیہ نے اس کو تائیدوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا، اس نے ان کی شجاعت، ایمانی قوت اور استقامت خود دیکھی تھی، شہر میں سلطان نے بہت سے اسباب کی بنا پر جو اس کی بددلی کا باعث تھے، سلطنت کے کنارہ کشی اختیار کی، اور رک میں قیام اور وہاں کی محدود حکومت پر قناعت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے اس فیصلہ سے رکن الدین بصر میں جانشین کے لئے تختہ مصر خالی ہو گیا، اور اس نے اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، اب وہ مصر و شام کا مطلق العنان فرماؤ والا اور اس کے شیخ نصر اللہ ہی اس طویل و عریض سلطنت کے روحانی سرپرست اور مشیر خاص تھے، ابن تیمیہ اپنے دینی عقائد و تحقیقات کے علاوہ (جو شیخ نصر اللہ ہی کے رجحانات کے صریحاً مخالف تھے) خود سلطان ناصر بن قلاوون کے ہمدرد اور حامی سمجھے جاتے تھے اس لئے ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے دینی اور سیاسی محرک دونوں جمع ہو گئے۔ چنانچہ اس تغیر کے بعد ہی ابن تیمیہ کی اسکندریہ جلاوطنی اور نظربندی کا سرکاری فرمان صادر ہوا۔

۱۸ اور وہ صفر ۱۲۹۷ھ کی آخری تاریخ کو اسکندریہ بھیج دیئے گئے، کہا جاتا ہے کہ حکومت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس نئے شہر میں جو تصوف اور اہل تصوف کا قدیمی مرکز ہے، ممکن ہے کوئی شخص ان کا کام تمام کر دے اور حکومت بغیر کسی بدنامی اور الزام کے اس در دوسرے نجات پائے۔

لیکن اسکندریہ میں شیخ نے بہت جلد معتقدین و تلامذہ کا حلقہ پیدا کر لیا، اور ان کی طرف رجوع عام شروع ہو گیا، وہاں بھی وہ خاموش اور بے کار نہیں بیٹھے، کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید ان کا مشغلہ تھا، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور اعتقاد پیدا ہو گیا اور بہت جلد انھوں نے مقبولیت عام حاصل کر لی، ان کے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ جو وہاں ان کے رفیق اور شریک زنداں تھے، اہل دشق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

وانقلب اهل انصر اجمعین الى الاخ مقبلی	اہل اسکندریہ کو براہ محترم کی طرف بڑی توجہ ہو گئی
عليه مكرمين له وفي كل وقت ينشرون	اور ان کے دل میلان کی بڑی عزت کا وہ ہر وقت کتاب
كتاب الله وسنة رسوله ما تقر به عين	و سنت کی اشاعت کرتے رہتے ہیں جس پر اہل ایمان کی
للمؤمنين وذلك شجی في حلق الاعضاء.....	آنکھیں ٹھنڈی لہڑیوں کو کوفت ہوتی ہے.....
واستقر عند عامة المؤمنين وخوامهم	شیخ کی محبت اور عظمت عام و خاص مومنین کے دل
من امير وقاض وفقيه ومفت وشيخ و	میر جگیش کا کیا حاکم کیا قاض کیا فقیر کیا مفتی،
جماعة المجتهدين الامن شذ من	کیا شاخ اور جماعت مجتہدین سوائے بے خبر
الاغصاء الجبال مع الذلّة والصغار محبة	جابلوں کے سببان کے حلقہ گوش اور معتقد ہو گئے
الشيخ وتعظيمه وقبول كلامه والرجوع	ہیں ان کا کلام پسند کرتے ہیں اور ان کے احکام کی
الى امره ونهيہ.	تعلیل کرتے ہیں۔

اسکندریہ میں اس وقت فرقہ سبعینہ کے خیالات اور وحدت وجود کے مسلک کا بڑا غلبہ تھا اور بعض اشخاص اس کے پرجوش داعی اور مبلغ تھے، خواص سے نکل کر عوام میں بھی یہ عقائد و افکار مقبول ہو رہے تھے، ان دقیق مسائل و مشابہات کا عوام کے اعمال و اخلاق پر جو خراب اثر پڑ سکتا ہے اور ان میں شریعت کے معاملہ میں جو بیباکی اور آزادی پیدا ہونی چاہئے، وہ پیدا ہو رہی تھی، ابن تیمیہ نے بڑی قوت اور جوش کے ساتھ اس کی تردید اور مخالفت کی، اور ان کے قیام کے زمانہ ہی میں جس کی مدت آٹھ مہینے سے زیادہ نہیں، ان کا زور ٹوٹ گیا، اور عوام و خواص ان سے منحرف ہو گئے، ابن تیمیہ نے ان میں سے بہت سے آدمیوں سے توبہ کرائی، اور ان کے ایک بڑے داعی اور اس خیال کے علمبردار نے بھی توبہ کی۔

اسکندریہ میں ابن تیمیہ کی قیامگاہ بڑی وسیع و خوش منظر تھی، اس کی ایک کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی، ایک کھڑکی شہر کی طرف، لوگ آزادانہ ان کے پاس آتے جاتے تھے، اور استفادہ و مذاکرہ کرتے تھے۔

رکن الدین جاشگیر کا زوال

ابن تیمیہ جاشگیر اور اس کے شیخ کے زعمال کی علانیہ پیش گوئی کرتے رہتے تھے، اور فرماتے تھے،

”زالت ایامہ وانتهت ریاستہ وقرب القضاء اجلہ“ ابھی اس کی سلطنت کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطان ناصر بن قلاوؤں نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا، اور ۱۳ شعبان ۷۰۸ء کو اس دمشق کا رخ کیا، اہل شام نے جن کو اس سے بہت گہرا تعلق خاطر تھا، پرچہ نقل استقبال یکدم، ارشبان کو وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا، دمشق سے اس نے مصر کا رخ کیا، اہل مصر نے بھی اس کے استقبال کی تیاری کی، رکن الدین جاشگیر نے حالات و درگوں ہوتے دیکھے تو خود سلطنت سے استعفاء دے دیا، عید کے روز سلطان کی سواری مصر میں داخل ہوئی اور اس نے ۱۱ مہینے کچھ دن کی

۱۱ مکتوب شیخ شرف الدین ابن تیمیہ بنام اہل دمشق ابن کثیر ۱۱ ص ۵۷۷ ۵۷۸ ایضاً ص ۵۷۷

بے تعلقی کے بعد عثمان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، جاشگیر نے مصر سے فرار اختیار کیا، بزدلی القعدہ کو
امیر سیف الدین نائب شام کے ہاتھ آگیا اور مصر میں قتل کر دیا گیا۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ جاشگیر اپنی مدارالمہامی کے زمانہ میں بڑا مقبول اور باوقار و باہمت
وزیر سلطنت تھا، اس کی خود مختار سلطنت اور اس کا ادبار ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اپنی سلطنت کا
اعلان کرنے کے بعد ہی سے اس کا سارا کردار اور اقبال مندی اور مقبولیت ختم ہو گئی اور اس کے زوال کے
دن شروع ہو گئے اور جیتے ہوئے کام بگڑتے چلے گئے، مورخ مصر قمر زبی نے صاف صاف لکھا ہے۔

دکان رحمہ اللہ خیراً عقیفاً کثیر الحیاء	مروم صاحب خیر محتاط باحیاء، باوقار اور
وافر الحرمة جلیل القدر مہاب السلوة	صاحب شوکت امیر تھا، لیکن جب اس نے سلطان کا
فی ایام امارتہ فلما تلعب بالسلطنة	لقب اختیار کیا اور بادشاہی کا خلعت پہنا اس کی
ورسم باسم الملك اتضح قدراً و	شان میں کمی آگئی اس کو کمزور سمجھا جانے لگا، لوگوں کے
استضعف جانبہ وطمع فیہ وقلب	اس کے خلاف جوأت پیدا ہوئی، امراء اور
علیہ الامراء والممالیک ولم تنجح مقامہ	غلاموں نے خود سری اختیار کی، وہ اپنے مقاصد میں
ولا ساعد فی شئ من تدبیرہ الی ان	ناکام رہا، اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی بیان تک کہ
انقضت ایامہ واناخ بہ حمامہ	اس کا ختم ہوا، اور اس کا پایہ عمر لبریز ہو گیا۔

کیا عجب ہے کہ اس کا غیر متوقع زوال ایک نخلص داعی حق کی مخالفت و ایذا کا نتیجہ اور اس مشہور
شعر کی تفسیر ہو۔

بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکانات
باؤر دکشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہانہ عزت افزائی

ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علم الدین البرزالی کا بیان ہے کہ سلطان جب عید کے دن مصر میں داخل ہوا ہے تو اس کو سب سے زیادہ عجلت اور فکر اس کی تھی کہ ابن تیمیہ کو رہا کر کے عزت و حرمت کے ساتھ مصر لایا جائے، چنانچہ اگلے ہی روز (۲۱ شوال ۷۲۸ھ کو) اسکندریہ ان کی طلبی کا پروانہ پہنچا، اور وہ ۸ شوال کو مصر کے لئے روانہ ہو گئے، ایک خیم غفر نے ان کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ ابن تیمیہ دربار شاہی میں پہنچے تو سلطان نے خود چند قدم بڑھ کر ان کا استقبال کیا سلطان کے ساتھ مصر و شام کے قضاۃ اور اکابر علماء بھی تھے، قاضی جمال الدین ابن القلانسی جو قاضی لشکر تھے اور خود اس مجلس میں اس وقت موجود تھے ابن تیمیہ کی آمد اور سلطان کے استقبال کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔

• جس وقت سلطان کو اطلاع ملی کہ ابن تیمیہ پہنچ گئے ہیں، وہ سر و قد کھڑا ہو گیا، اور ایوان سلطنت کے کنارہ تک چل کر آیا وہاں دونوں کی ملاقات بعد ممانعت ہوا، سلطان ابن تیمیہ کو لئے ہوئے قصر شاہی کی اس منزل کی طرف آیا، جس کی کھڑکی بائیں کی طرف کھلتی ہے وہاں دونوں تنہا ایک گھڑی بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر دونوں دربار کی طرف اس محبت سے آئے کہ شیخ کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا، سلطان بیٹھ گیا، اس کے دائیں جانب ابن جبار قاضی مصر بائیں طرف ابن انخلیلی وزیر سلطنت تھے، ابن تیمیہ سلطان کے سامنے اس کی منہ کے پاس بیٹھے تھے، وزیر نے اس وقت یہ درخواست پیش کی کہ اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کو مفید ہمارا کے استعمال کی اجازت حسب دستور سابق دے دی جائے، انھوں نے خزانہ شاہی کو سات لاکھ

لے پچھلے تلخ تجزیوں نے علماء اسلام کو اس قیور پہنچا دیا تھا کہ اسلامی سلطنت کے غیر مسلم عباد کے باہر میں رہائی ملے۔

سالانہ لیٹکیش کی ہے یہ موجودہ ٹیکس کے علاوہ ہوگا، اس وقت اہل مجلس پر سکوت طاری تھا، قضاۃ و اکابر علماء و مشائخ تھے اس میں علامہ ابن الزمکانی بھی تھے، سلطان نے قضاۃ و علماء کی طرح خطاب کر کے فرمایا کہ آپ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر بھی کسی نے کچھ نہیں کہا، اس موقع پر ابن تیمیہ اپنے گھٹنوں کے بل پر بیٹھ گئے اور بڑے جوش و غصہ کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کی، اور وزیر پختی سے جرح کی، ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، اور سلطان ان کو نرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس وقت ابن تیمیہ نے اس طرح گفتگو کی کہ دوسرا شخص اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے انوس کی بات ہوگی کہ آپ کے اس پہلے دربار کا افتتاح اس کارروائی سے ہو کہ آپ فانی دنیا کی حقیر منفعت کے لئے اہل ذمہ کی مدد کریں، اللہ نے آپ پر کتنا بڑا احسان کیا کہ آپ کی کھوئی ہوئی سلطنت ملا دی، آپ کے دشمن کو ذلیل و خوار کیا، اور حریفوں پر آپ کو فتح دی، سلطان نے یہ سن کر کہا کہ یہ قانون تو جاشگیر کا بنایا ہوا ہے ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ یہ تو آپ ہی کے فرمان سے ہوا، جاشگیر تو اس وقت آپ کا نائب تھا، سلطان کو ابن تیمیہ کی حق گوئی

(باقی ص ۱۰۴) کچھ امتیازی نشان ضروری ہے، صلیبی جنگوں کے بعد مصر و شام میں بکثرت ایسے عیسائی رہ گئے تھے جو دوسرے ملکوں سے آئے تھے، اندلسیوں نے حملہ آوروں کے لئے رضا کارانہ طریقہ پر جاسوسی کی خدمات انجام دیتے تھے، یوں بھی مسلمان ہوساٹھی میں گھس کر اپنے اثرات پھیلاتے تھے، ۱۲۵۸ء کے واقعات میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ، ۱۲۵۸ء کو قاہرہ میں بڑے ہولناک طریقہ پر آگ لگی، خوبصورت مکانات، عالیشان محل اور بعض مسجدیں بھی اس کی زد میں آگئیں، لوگوں پر اس حادثہ کا اتنا اثر تھا کہ مسجدوں میں قنوت نازل نہ پڑھی گئی، بعد میں تحقیق ہوئی کہ بعض عیسائیوں کی شراعت تھی، اس وقت یہ حکم صادر ہوا کہ عیسائی نیلابا پہنیں، حاموں میں گھنٹیاں رکھیں اور کہیں ان سے کام نہ لیا جائے، اس پر آتش زنی کے واقعات کا سلسلہ ختم ہوا، ان تجربات کی بنا پر کچھ عرصہ سے مصر میں عیسائیوں کو حکم تھا کہ وہ زرد رنگ کے عمامے باندھیں، سلطان ناصر کی دوبارہ آمد پر عیسائیوں نے کوشش کی تھی کہ یہ قانون منسوخ ہو جائے۔

مصر میں سنت یوسفی

ابن القلانسی کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ نے خود مجھ سے کہا کہ سلطان جب مجھے تنہائی میں لے گیا تو اس نے مجھ سے ان قضاۃ کے قتل کے بارے میں فتویٰ لینا چاہا جنہوں نے جاشگیر کی حمایت کی تھی اور سلطان کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور وہ فتوے نکال کر دکھائے بھی، اس کے ساتھ مجھ سے یہ بھی کہا کہ انہی لوگوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی، اور آپ کو تکلیف پہنچائی، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے متاثر ہو کر ان کے قتل کا فتویٰ دے دوں میں اس کا فشاء سمجھ گیا، اور میں نے ان قضاۃ و علما کی مدح سرائی شروع کی، اور اس کی شدت کے مخالفت کی کہ سلطان کے ہاتھ سے ان کو کوئی گزند پہنچے، میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ نے ان کو قتل کر دیا تو آپ کو ان کا بدلہ نہیں ملے گا، اس نے پھر مجھے مشتعل کرنے کے لئے کہا کہ انہوں نے تم کو نقصان پہنچانے میں کی نہیں کی اور بارہا تمہارے قتل کی سازشیں کیں، میں نے کہا جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس پر میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں، میں اسے بالکل معاف کرتا ہوں، اور میں نے ان کے اشرار و رسول کا قصور کیا تو انہیں معاف کرنا اس سے خود انتقام لے گا میں اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتا، میں برابر اس کو سمجھاتا رہا، یہاں تک کہ سلطان نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مصر میں ابن تیمیہ کے سب سے بڑے حریف و مد مقابل قاضی مالکیہ ابن مخلو کہتے تھے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا (اگرچہ ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا) لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو

معاف کر دیا، اور لٹے ہماری طرف سے وکالت اور مدافعت کی۔

مجلس سلطانی کے بعد شیخ قاہرہ میں آگئے، اور حسب معمول درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے، ان کی رہائی کا شہرہ سن کر شائقین علم اور ان کے محبین و معتقدین چاروں طرف سے امنڈ آئے، علماء شہر نے حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا، اور معذرت کی، انھوں نے سب سے کہہ دیا کہ میری طرف سے سب کو معافی ہے، میرا کسی پر کوئی مطالبہ نہیں، اس طرف سے اطمینان پا کر اور یہ انداز کر کے کہ ان کو ابھی اپنے کام کی تکمیل کے لئے دارالسلطنت میں رہنا ہے، انھوں نے گھر ایک مفصل خط لکھا جس میں حالات کی اطلاع تھی، اور کچھ ضروری کتابیں طلب کی تھیں۔

ابن تیمیہ کی باعزت رہائی کے بعد جب ان کے مخالفین نے دیکھا کہ ان کے اقبال کا ستارہ اور بلند ہو گیا اور کسی علمی مسئلہ کی بنا پر اب ان کے خلاف شورش برپا کرنی مشکل ہے تو انھوں نے عوام کو ان کے خلاف اشتعال دلایا اور عوام کو ابن تیمیہ کے خلاف رقم سے کم مصر میں جہاں عوام ان سے زیادہ واقف نہ تھے، اشتعال دلانا کچھ مشکل کام نہ تھا چنانچہ ہر رجب السنتہ کو چند ناخدا ترس انسانوں نے ان پر دست درازی کی، اور ان کو ایذا پہنچائی، لیکن محلہ حسنیہ (جہاں عام شہرت کے مطابق سیدنا حسینؑ کا مہربارک دفن ہے) کے باشندے شیخ کا انتقام لینے کے لئے جمع ہو گئے، شیخ نے ان کو منع کر دیا اور ان سے فرمایا۔

امان یلکون الحقلى اولکم اودنہ فان	تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو (ان سے انتقام
کان الحقلى فہم فی حل منہ وان کان	لینا) میرا حق ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ
لکم فان لکم تمعوا متی ولم تفتعلو	سکدوش ہیں اور میرا کوئی مطالبہ نہیں یا تمہارا
فا فعلوا ما شئتم وان کان الحق لله	حق ہے تو اگر تم میری بات سننے کے لئے تیار نہیں

۱۔ ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۵۷ ۲۔ اس کی تردید میں امام ابن تیمیہ کا مستقل رسالہ رأس سیدنا الحسین چھپ چکا ہے۔

فائلہ یاخذ حقہ ان شاء۔ اور مجھ سے دریافت بھی نہیں کرتے تو جوجی میں آئے گا

تیسری اور آخری شکل یہ ہے کہ یہ اثر کا حق ہے تو اثر

اگر چاہے گا اپنا حق لے گا۔

اسی رد و کد میں نماز عصر کا وقت آگیا، امام جامع مسجد (غالباً جامع حسینی) جماعت کی شرکت کے لئے جانے لگے ہمدردوں نے اس سے رد کا لیکن شیخ نے کوئی پروا نہیں کی اور چلے گئے ان کے ساتھ ان کے حامیوں کا ایک بڑا گروہ بھی گیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ایک عالم نے برسر مجلس ان کو بہت سخت سست کہا اس کے بعد ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، یا اندیشہ ہوا کہ حکومت کچھ دارو گیر کرے تو شیخ سے معذرت کی شیخ نے کھلے دل سے معاف کر دیا اور فرمایا لا انتصر لنفسی میں اپنا انتقام نہیں لیتا۔

ابن تیمیہ نے مصر کے قیام میں صرف درس و تدریس اور کتاب و سنت کی اشاعت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دار السلطنت کے قیام سے فائدہ اٹھا کر سلطان کو بعض نہایت مفید مشورے دیئے اور اس سے بعض ضروری اور مفید فرمان جاری کروائے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۷۱۲ھ میں دمشق فرمان سلطانی پہنچا کہ کسی کو کوئی عہدہ کسی مالی عیش یا رشوت کی بنا پر نہ دیا جائے اس لئے کہ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نالہل اور خائن لوگ عہدوں پر سرفراز ہو جائیں گے اور اہل اور امانت دار محروم رہیں گے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فرمان ابن تیمیہ کی تجویز اور کوشش کا نتیجہ تھا اسی طرح ایک دوسرا فرمان صادر ہوا کہ قاتل پر کسی کو دست درازی کرنے کا اختیار نہیں حکومت اس کے گرفتار کرے گی اور شرع شریف کے مطابق اس کا قصاص ہو گا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ابن تیمیہ کی تجویز سے ہوا۔

۱۔ ابن تیمیہ عہد البزہرہ۔ ۲۔ ابن کثیر جلد ۱۳ ص ۱۱۱ ۳۔ ایضاً۔

دشق واپسی

سوال ۱۲ میں تاتاریوں کے حملہ کے ارادہ کی مسلسل اطلاعاتیں مل رہی تھیں بالآخر سلطان نے خود مصر سے نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ۸۷ سوال کو دمشق کا رخ کیا ۸۳ سوال کو وہ دمشق میں داخل ہوا، سلطان کی معیت میں ابن تیمیہ بھی تھے، جو پورے سات سال کے بعد اپنے وطن مالوت آ رہے تھے، لوگوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا، اہل شہر نے بڑی مسرت کا اظہار کیا، مردوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں عورتیں بھی ان کو دیکھنے کے لئے باہر تک آئیں، شیخ کا یہ سفر نہایت جہاد تھا، لیکن دمشق آ کر معلوم ہوا کہ تاتاری واپس گئے، شیخ نے دمشق سے بیت المقدس کی زیارت کی نیت کر لی، کچھ روز وہاں قیام کر کے بعض دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے مکہ ذی القعدہ کو دمشق واپس آئے اور بہت دن اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی

اس مرتبہ دمشق واپسی کے بعد اگرچہ شیخ الاسلام اپنے قدیم دینی علمی و اصلاحی مشاغل میں مشغول ہو گئے اور حسب معمول درس و افتاء اور تصنیف کا کام شروع کر دیا، لیکن اس مرتبہ ایک خاص بات یہ تھی کہ ابھی تک ان کی زیادہ تر توجہ عقائد و اصول اور ان کلامی مسائل کی طرف تھی، جو اشاعرہ و حنابلہ کے درمیان مابہ النزاع تھے، لیکن اس مرتبہ ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ فقہی مسائل اور جزئیات کی طرف منعطف ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے موضوع پر بقدر ضرورت مواد و دلائل فراہم کر چکے ہیں، اور ان کی تقریروں، درس اور تصنیفات سے حق واضح ہو چکا ہے، اب انھوں نے اپنی علمی خصوصیتوں اور خداداد ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ فقہی مسائل کی طرف توجہ کی۔

ابن تیمیہ کا خاندان پشتوں سے حنبلی چلا آ رہا تھا، خود ان کا فرقہ دینی مذہب حنبلی کے

مطابق ہیں، لیکن انھوں نے سترائے مذہب حنبلی کی پابندی نہیں کی، کتاب و سنت کے ذخیرہ پر ان کی جیسی وسیع نظر تھی، مذاہب فقہیہ ان کے اصول اور دلائل کا جیسا استحضار ان کو حاصل تھا، اس کے بعد ان کے لئے مشکل تھا کہ وہ مذہب حنبلی کے دائرہ میں محدود رہیں اور ترقی صدی اس کی پابندی کریں، اس لئے وہ بعض اوقات ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس مذہب کو ترجیح دیتے جس کے دلائل ان کے نزدیک زیادہ قوی تھے اور جس کے ساتھ صحابہ تابعین کی زیادہ جماعت ہوتی، وہ اپنے علمی تجربہ، قوت استنباط اور استقلال فکر کے باوجود ائمہ اربعہ کی علمی عظمت، حسن اجتہاد، دیانت و تقویٰ اور عقلی تفوق کے بڑے قائل اور معترف تھے، ان کے نزدیک وہ حضرات طالب حق، قبیح سنت اور راسخ فی العلم تھے، ان کے اجتہاد آقا کا، ماخذ کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے نصوص اور اجماع اور شرعی قیاس ہے، اور وہ اس بارہ میں قبیح تھے، مبتدع نہ تھے، اس لئے وہ اپنے زمانہ کے ان لوگوں کو بہت ناپسند کرتے تھے جو ان کے بارہ میں بیابانہ الفاظ بولتے اور ان پر زبان طعن دراز کرتے، انہی لوگوں کی زبان بندی اور ائمہ مجتہدین کی حمایت و نصرت کے لئے انھوں نے ایک مستقل رسالہ رفع اللام عن الائمة الاعلام تصنیف کیا جو اس موضوع کی بہترین تصنیفات میں سے ہے، اس رسالہ کے شروع میں لکھتے ہیں:-

یحب علی المسلمین بعد مولانا اللہ و رسولہ	مسلمانوں پر اللہ و اس کے رسول کی دو کتاب رحمت کے
مولانا المؤمنین کما نطق بہ القرآن و صحابہ	بعد اہل ایمان کی دو کتاب اور رحمت واجب ہے جیسا کہ
العلماء الذین ہم وراثۃ الانبیاء الذین	قرآن مجید میں تمام موجودہ و غائبہ حضرات علماء کی
جعلہم اللہ بمنزلۃ النجوم یہتدی	دو کتاب اور رحمت جو وارث انبیاء و صحابہ کی رحمت تھیں
بہم فی ظلمات البر والبحر و قد اجمع	نے ان ستاروں کا مرتبہ عطا فرمایا جن نے تاریکیوں
المؤمن علی ہدایتہم و ہدایتہم	میں روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے، ہم مسلمانوں کا

لے ملاحظہ فرمادیں ابن تیمیہ، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵۔

اذکل امة قبل بعث محمد (صلی اللہ
 علیہ وسلم) علماؤها شرارها الا المسلمین
 فان علمائهم خیارهم فانهم خلفاء
 الرسول فی امة والمجیدون لماما من سنة
 بهم قام الکتاب وبه قاموا، وبهم نطق
 الکتاب وبه نطقوا ولعلهم انہ لیس احد
 من الائمة المقبولین عند الامة قبولا
 عاماتیمعد مخالف رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فی شی من سنة دقیق ولا جہل
 فانهم متفقون اتفاقا یقینیا علی وجوب
 اتباع الرسول وعلی ان کل احد من الناس
 یؤخذ من قوله ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم واذا وجدوا احد منهم قول
 قد جاء بحديث صحیح بخلافه فلا بد له
 من عذر فی ترکہ، وجميع الاعذار ثلاثة
 اصناف (احدها) عدم اعتقاده
 ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قاله
 (والثانی) عدم اعتقاده ارادة تلك
 المسئلة بذالك القول (الثالث) اعتقاده

اس پر اتفاق ہے کہ یہ حضرات صاحب ہدایت اور
 صاحب ورایت تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بعثت سے قبل دوسری امتوں کے علماء و شرار ایت
 تھے لیکن اسلامت کے علماء و خیار ایت ہیں اس لئے کہ
 وہ اسلامت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
 جانشین ہیں وہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں، ان کے
 کتاب شریکی رونق اور رواج ہے اور وہ اس کے
 علمبردار ہیں، وہ کتاب الشری کے ترجمان اور شایع اور
 کتاب شری ہی ان کی ورد زبان اور دلیل و برہان
 ہے یا درکھنا چاہئے کہ ان ائمہ میں سے جو عام طور پر
 مسلمانوں میں مقبول و مستقیم کی گئی بھی ایسا نہیں
 تھا جو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی
 چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرتا ہو اس لئے کہ
 وہ سب یقینی طور پر اس پر فخر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی پیروی کا اتباع واجب ہے اور آپ ہی کی
 تنہا وہ ذات ہے جس کے سب اقوال و احکام واجب
 القبول ہیں اور نہ دوسرے کا کوئی قول قبول کیا جاسکتا
 ہے لہذا کوئی ترک بھی کیا جاسکتا ہے (ان ائمہ میں سے
 اگر کسی کا کوئی ایسا قول پایا جائے جو کسی صحیح حدیث

ان ذلک المحکم منسوخ

کے خلاف ہو تو ضرور اس امام کا کوئی عذر ہوگا۔ اس کے

ترک کرنے میں یہ عذر عموماً تین قسموں کے خارج نہیں (اوتان)

وہ امام اس کا قائل ہی نہ ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ

وسلم) نے ایسا فرمایا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے (ثانیاً)

اس کا خیال ہو کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہی نہیں

اور یہ حدیث کی مراد ہی نہیں ہے (ثالثاً) اس کی

تحقیق یہ ہو کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

با این ہمہ جس طرح انھوں نے مذہب حنبلی کے دائرہ سے بعض اوقات باہر قدم نکالا ہے اور دلائل کی بنا پر دوسرے مذاہب کو ترجیح دی ہے اسی طرح بعض مسائل میں شاذ و نادر انھوں نے کل مذاہب اربعہ کے خلاف بھی فتویٰ دیا ہے اور اپنے نزدیک براہ راست کتاب سنت کے نصوص اور دلائل کی پیروی کی ہے یہ مسائل (جن میں انھوں نے مجموعی طور پر ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے) دو چار سے زیادہ نہیں، ان میں سے مشہور مسئلہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں (خواہ بیک لفظ خواہ بالفاظ متعدد) دے دیں تو اگرچہ اس نے باتفاق ائمہ و جمہور امت بدعت کی بات اور خلاف شرع کام کیا، اور گنہگار ہوا لیکن ان طلاقوں کا حکم کیا ہے؟ کیا وہ واقع ہو گئیں اور عورت بائن ہو گئی اور اب رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے (جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کی

لے رفع الملام عن الاثمة الاحلام۔

صحبت سے متمتع ہو، پھر طلاق دے، پھر پہلا مرد نکاح کرے) یا تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوگی،
 اور رجعت ممکن ہے، ائمہ اربعہ اور ائمہ فقہ و حدیث (اوزاعلیٰ، نخعی، ثوری، اسحق ابن راہویہ، ابو ثور،
 بخاری) اور جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ باجوہ بدعت و معصیت کے ارتکاب کے یہ تین
 طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور رجعت ممکن نہیں ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: وقد
 خلت العلماء فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالك وابو حنیفة
 واحمد وجمہور العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث، علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں
 لکھتے ہیں: جمہور فقہاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلاث حکمہ حکم الطلقة الثالثة
 شیخ الاسلام کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں: وهذا قول الاثمة الذی جمہور
 التابعین وکثر من الصحابة

ان حضرات کے دلائل میں متعدد مرفوع حدیثیں منقول ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو یا تین سے زائد طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دیا اور عورت کو
 بائن ہو جانے کا فتویٰ دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے بعض رفقاء و تلامذہ کا مسلک یہ تھا کہ تین طلاقیں ایک درجہ
 شمار ہوگی، اور مرد اس کے بعد اسی طرح رجوع کر سکتا ہے جیسے ایک طلاق کے بعد کر سکتا تھا، وہ لکھتے ہیں:
 "وهذا القول منقول عن طائفة من السلف من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل
 الزبير بن عوف، وعبد الرحمن بن عوف، وبيروني عن علي، وعن ابن مسعود، وابن عباس
 وهو قول داود واكثر اصحابه وبيروني عن ابي جعفر محمد (الباقري) ابن علي بن حسين وابنه
 جعفر (الصادق) ولهذا ذهب الى ذلك من ذهب من الشيعة"

لے ان حدیثوں کے متن اسناد میں فریق ثانی نے کلام کیا ہے اور فریق اول نے محدثانہ طریق پر اس کو جواب دیا ہے، علماء فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱ ص ۱۱۱

شیخ الاسلام اپنے اس مسلک کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔
 اس مسئلہ میں واقعہ یہ ہے کہ خواہ وہ مفرد نہ ہوں اور ان سے پہلے سلف میں کسی کا یہ مسلک رہا بھی
 تو بھی اس میں شک نہیں کہ اس کی شہرت انہی کی ذات سے ہوئی اور انہوں نے اس کی علمبرداری کی
 اسی وجہ سے جب انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق اور رائے کا اظہار کیا تو اس سے عام طور پر فقہ
 حلقوں میں ایک استعجاب اور انتشار پیدا ہوا۔

حلف بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی

لیکن بہر حال تین مجموعی طلاقیں کا مسئلہ ایک خالص فقہی اور خانگی مسئلہ تھا جس کا اثر ایک
 خاندان کی زندگی پر پڑتا تھا، مگر دوسرا مسئلہ جس میں انہوں نے مذاہب اربعہ اور مشہور مسلک سے
 اختلاف کیا، اور جو معاملات اور سیاست اور رعیت و حکومت کے تعلقات تک پراثر انداز ہوتا
 تھا، وہ حلف بالطلاق کا مسئلہ تھا۔

اس زمانہ میں حلف بالطلاق کا عام رواج ہو گیا تھا، لوگ کسی بات پر زور دینے کے لئے یا اپنے
 صداقت یا عزم ظاہر کرنے کے لئے بے تکلف طلاق کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو درمیان میں لے آتے
 تھے، مثلاً میں ضرور یا کروں گا نہیں تو طلاق ہے (على الطلاق لأفعلن كذا) میں یہ ہرگز نہیں کروں گا
 نہیں تو طلاق (على الطلاق لأمتنعن عن كذا) یا تمہیں ایسا کرنا ہوگا، نہیں تو طلاق ہے (على الطلاق
 لتفعلن كذا) یا میں نے یہ چیز اتنے دام میں خریدی ہے اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو طلاق (على الطلاق
 اشتريتها بكذا) ابن تیمیہ دیکھتے تھے کہ یہ دراصل قسم اور تاکید کا ایک طریقہ ہے، لیکن لوگ زور دینے اور
 یقین پیدا کرنے کے لئے طلاق کا لفظ بیچ میں لے آتے ہیں اور ان کا ارادہ کبھی طلاق کا نہیں ہوتا۔

یہ مفصل بحث اور تفصیلی استدلال کے لئے ملاحظہ ہو حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۱۰۷ اور
 اغاثة اللہفات:

اس لئے یہ دراصل قسم ہی کی ایک قسم ہے، مگر طلاق معلق سمجھ لئے جانے کی وجہ سے اس پر طلاق کے احکام جاری کئے جاتے ہیں، اور سیکڑوں خاندان اور گھرانے اس کی وجہ سے اُجڑ جاتے ہیں، اور خانگی زندگی میں سخت انتشار اور ابتری پیدا ہو رہی ہے۔

پھر حجاج بن یوسف کے زمانہ سے بیعت کو نچتہ اور ٹوکہ کرنے کے لئے بیعت کے صیغہ میں بھی طلاق کے الفاظ داخل کر دیئے گئے ہیں، اور یہ لفظ جز و بیعت بن گئے ہیں کہ اگر میں نے فلاں کی بیعت توڑی تو میری بیویوں کو طلاق۔

ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد فتویٰ دینا شروع کر دیا کہ محض ایک حلف کی صورت ہے اور اس کے خلاف کرنے کی حالت میں یا بیان کے خلاف واقعہ ہونے کی صورت میں قسم کھانے والا حانت ہوگا، اور اس قسم کا کفارہ لازم آئے گا، طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اگرچہ ابن تیمیہ نے اپنے اس فتویٰ کی تائید میں مذاہب اربعہ میں سے بعض ائمہ اور ان کے بعض اصحاب کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ فتویٰ ان مذاہب کے مشہور اور مفتی بہ قول کے خلاف تھا، اور ایک نئی تحقیق اور ان کا اجتہاد معلوم ہوتا تھا، اس لئے اس فتویٰ سے عام طور پر ایک اضطراب پیدا ہوا، اور علماء و قضاة نے اس کی ضرورت سمجھی کہ ان کو اس فتویٰ سے باز رہنے کا مشورہ دیا جائے تاکہ زیادہ اضطراب اور انتشار نہ پیدا ہو، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

پنجشنبہ اربعہ الاول کو قاضی القضاة شمس الدین بن مسلم نے امام ابن تیمیہ سے ملاقات کی اور ان کو مشورہ دیا کہ حلف بالطلاق کے مسئلہ میں وہ آئندہ فتویٰ نہ دیں، شیخ نے ان کا مشورہ قبول کیا، اور ان کی خاطر اور اہل افتاء کی رعایت سے اس کا وعدہ کیا، اجماعی الاوائی کے مشروع میں مصر سے

یہ اس مسئلہ کی صحیح صحت اور فریقین کے دلائل سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو، شیخ محمد ابو زہرہ مصری کی کتاب "ابن تیمیہ میں

بحث الحلف بالطلاق" ص ۴۴، ۴۵، ۴۶

فرمان سلطانی بھی آیا جس میں ابن تیمیہ کو حلف بالطلاق کے مسئلہ میں فتویٰ دینے سے روکا گیا تھا۔ ایک مجلس عام میں یہ فرمان پڑھا گیا اور امام نے اس کو منظور کیا، اور شہر میں اس کا اعلان ہو گیا۔ اس فرمان سلطانی سے پہلے ہی اہل افتاء کی ایک جماعت قاضی ابن سلم سے ملاقات کر چکی تھی ان کے مشورہ سے قاضی صاحب نے ابن تیمیہ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس مسئلہ میں سکوت کریں اور انھوں نے اختلاف اور ہنگامہ سے بچنے کے لئے اس کو منظور کر لیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ فرمان سلطانی کے صدور کے بعد اس خیال سے کہ حکومت کو اس مسئلہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں اور کسی عالم کو حکومت کے خوف سے اپنے علم اور عقیدہ کو چھپانا جائز نہیں یا اس لئے کہ مسئلہ میں ان کا اطمینان اور شرح صدر بڑھ گیا تھا انھوں نے اپنی تحقیق کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیا اور حکومت کے انتظامی احکام کی کوئی پرواہ نہیں کی اس لئے کہ ابن کثیرؒ کے واقعات لکھتے ہیں:

”پنجشنبہ ۲۲ رجب کو دار السعاده میں نائب السلطنت کی موجودگی میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں مذاہب اربعہ کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام نے شرکت کی شریکے مجلس نے اعتراض کیا کہ انھوں نے (ابن تیمیہ نے) مسئلہ طلاق میں پھر فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے چنانچہ نائب السلطنت نے قلعہ میں نظر بند کئے جانے کا حکم جاری کیا، اور وہ (۲۶ رجب ۷۵۰ھ) کو قلعہ میں محبوس کر دیئے گئے۔

لیکن یہ مدت اسیری کچھ زیادہ طویل نہیں ہوئی، پانچ مہینہ ٹھانڈا دن کہ بعد ارمحرم ۷۵۰ھ کو براہ راست مصر سے ان کی رہائی کے احکام آئے اور وہ آزاد کر دیئے گئے۔“

آخری اسیری

۷۵۰ھ سے ۷۵۶ھ تک تقریباً ساڑھے پانچ سال شیخ الاسلام پوری آزادی اور ہنگامہ

لے البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۵۵۵ ۵۵۶ ایضاً

ساتھ درس و تصنیف افتاء اور وعظ میں مشغول رہے، اس عرصہ میں وہ زیادہ تر مدرسہ حنبلیہ میں اپنے مخصوص مدرسہ میں جو قصاصین میں واقع تھا، درس دیتے تھے اس عرصہ میں انھوں نے اپنی پرانی کتابوں اور رسائل پر نظر کی، اور بعض نئی تصنیفات کیں۔

شاید وہ اس عرصہ میں بہت زیادہ مفید کام کرتے اور ان کے قلم سے بعض اہم موضوعات پر کچھ بیش قیمت اور نادر کتابیں نکلتیں لیکن ان کا علمی تفوق اور بعض مسائل پر فردان کے معاصرین اور خود ان کے لئے ایک بڑا ابتلاء تھا، جس کی ان کو بار بار بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی، پھر بھی زیادہ بن اطمینان سے ٹھیکنا نصیب نہیں ہوتا تھا، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک نیا مسئلہ زیر بحث آگیا، جو خواص و عوام سب کے لئے جاذب توجہ تھا، اور جو مسئلہ طلاق کی طرح خالص فقہی مسئلہ نہ تھا، بلکہ اس میں جذباتی عنصر بھی شامل تھا، اور جس میں قلوب کو مضطرب کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی، یہ مسئلہ زیارت قبر نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا تھا۔

ابن تیمیہ نے سترہ سال پہلے یتوی دیا تھا کہ کسی قبر کی زیارت کے لئے (خواہ وہ قبر النور ہو، علی صاحبہ الف صلوٰۃ والسلام) اہتمام سے سفر کر کے جانا (جس کو عربی میں شذالہ کہتے ہیں) جائز نہیں، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد، المسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصیٰ، کجائے نہ کے جائیں (اہتمام سے سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میری مسجد (مسجد نبوی) اور (مسجد اقصیٰ)، (بیت المقدس) پھر وہ حسب معمول اس کی شرعی حکمتیں اور اس کی مخالفت کی صورت میں اس کی قباحتیں اور نقصانات گناتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اہتمام سفر سے شرک و مشرکانہ عقائد و اعمال کا دروازہ کھلتا ہے، لوگ اس زیارت کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھنے لگتے ہیں، وہاں پہنچ کر حدود شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اور توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کا کہ قبر مبارک

ان اعمال و رسوم سے محفوظ ہے جو جاہلی قوموں اور یہود و نصاریٰ میں شائع و ذائع تھے اس قدر اہتمام سے
 تھا کہ فرمایا "لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبورا نبيا ثم مساجد" (الشر یہود و نصاریٰ پر لعنت
 کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کی جگہ بنالیا) نیز بڑے اہتمام سے دعا فرمائی "اللهم لا تجعل
 قبری و ثنایعید اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبورا نبیا ثم مساجد" (اے اللہ میری قبر کو بن
 نہ بنادینا جس کی عبادت کی جائے اللہ کا غصہ ان لوگوں پر سخت ہوا جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کی
 سجدہ گاہ بنالیا) نیز ارشاد فرمایا "لا تتخذوا قبری عیذا و ملوا علی فان صلاتکم حثیما کنتم تبلغنہ" (اور
 نیز آپ نے اسی لئے کسی میدان میں دفن ہونا پسند نہیں کیا، بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے
 جو ایک محفوظ جگہ ہے اس سب کا مقتضایہ ہے کہ قبر انور کو ان تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے اور
 اہتمام سے جوق در جوق زیارت کی نیت سے آنے کی اجازت نہ دی جائے البتہ جو لوگ سید نبویؐ میں
 نماز پڑھنے کی نیت سے آئیں وہ مسنون طریقہ سے زیارت کریں اور صلوٰۃ و سلام بھیجیں جیسا کہ صحابہ
 تابعین کا دستور تھا۔

مختلف اسباب و محرکات کی بنا پر سترہ برس پہلے کا یہ فتویٰ نکالا گیا، اور اس کی تشہیر کی گئی، ایک
 طرف اس سے عام مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی تھی جو اس زیارت کو بڑی سعادت اور نعمت عظمیٰ
 سمجھتے تھے اور اس کا ذوق و شوق رکھتے تھے اور ان کو بارگاہ نبوت میں کمی ادب کی جھلک نظر آتی

۱۔ بخاری و مسلم ۲۔ مالک و مسند امام احمد ۳۔ سنن ابی داؤد و حیزہ ۴۔ جہاں مکان متعلقہ کا تعلق ہے اور
 توحید کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے اور شرک و شرکاء کا اہمال و رسوم کے ذرائع سد و کٹ جائیں اور ان کی اجازت نہ دی جائے
 کسی صاحب علم کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے لئے زیارت قبر نبویؐ کو مطلقاً روکنا ذکاوت جس اور تشدد سے خالی
 نہیں معلوم ہوتا، اور یہ بات نہ ان کی علمی و دینی عظمت کے منافی ہے نہ ایمان و اعتقاد اور ان کے کمالات کے اعتراف کے لئے
 نہ یہ مسئلہ اتنا سنگین تھا کہ اس کے لئے ان کو مجبور کیا جائے اور اسی حالت اسیری میں وہ دنیا سے رخصت ہوں۔

دوسری طرف اس میں علماء کو جمہورامت کی مخالفت اور خود سری اور خود رائی نظر آئی، اور شاید یہی ان کی مخالفت کا اصل محرک تھا۔

بہر حال اس اختلاف نے اتنی اہمیت اختیار کی، اور اس کا اتنا چرچا ہوا کہ حکومت وقت نے (علماء کی توجہ دہانی سے یا اپنی انتظامی مصلحتوں سے) اس میں دخل دینا مناسب سمجھا اور ۲۶ شعبان ۱۲۶۷ھ کو ان کے محبوس کئے جانے کا فرمان صادر ہوا، شیخ نے اس اطلاع کا بڑا خیر مقدم لیا، اور اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، انھوں نے اپنے جلس کی اطلاع پاتے ہی فرمایا: انا كنت منتظرا ذلک وهذا فيه خير كثير ومصلحة كبيرة“ (میں تو اس کا منتظر ہی تھا، اس میں بڑی خیر اور بہت بڑی مصلحت ہے۔)

شیخ قلعہ دمشق میں نقل کر دیئے گئے جہاں ان کے لئے ایک ایوان خالی کر دیا گیا اس کا انتظام کیا گیا کہ باہر سے پانی کا چشترہ قلعہ میں لایا جائے، ان کی خدمت اور راحت کے لئے اجازت دی گئی کہ ان کے بھائی زین الدین ابن تیمیہ بھی ان کے ساتھ قیام کریں، حکومت نے ان کے مصارف کے لئے ایک معقول رقم بھی مقرر کی۔

ان کے محبوس ہو جانے کے بعد لوگوں کو انتقامی کارروائی کرنے کا موقع ملا اور ان کے حاشیہ و مخالفین نے ان کے مخصوص دوستوں اور شاگردوں پر دست درازی کی، بعض حضرات کو جانوروں پر سوار کر کے گشت کرایا گیا، اور تشہیر کی گئی، پھر قاضی القضاة کے حکم سے ایک جماعت کو قید بھی کر دیا گیا، کچھ دنوں کے بعد سب کو رہا کر دیا گیا، لیکن شیخ الاسلام کے مایہ ناز شاگرد اور جانشین حافظ ابن قیم اپنے استاد اور شیخ کے ساتھ ہی رہے، اور ان کی وفات کے بعد رہا ہوئے۔

ابن تیمیہ عہد الزہرہ منہ

اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج

شیخ الاسلام کی اسارت اور نظر بندی جہاں حاسدین و مخالفین کی ایک قلیل جماعت کی شادمانی اور تسکینِ قلب کا سامان بنی وہاں ہزاروں اہل علم اور لاکھوں مسلمانوں کو اس پر سخت تاسف اور رنج ہوا، اور انھوں نے اس کو سنت کے مقابلہ میں بدعت کی فتح اور حق اور اہل حق کے لئے ایک فلت کے مراد سمجھا، سلطنت کے مختلف گوشوں سے اور بڑے بڑے اہل علم و اہل دین کی جانب سے سلطانِ عظمیٰ (الملك ناصر) کی خدمت میں ایسے خطوط اور عرضیں پہنچے جس میں اس واقعہ پر دلی تاثر اور استعجاب کا اظہار کیا گیا تھا، اس سلسلہ کا صرف ایک خط جو علمائے بغداد نے سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا، نقل کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کی دعوت اور شہرت تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور تمام اہل حق کو ان کی ذات سے خاص تعلق اور شغف کی تھی، علمائے بغداد لکھتے ہیں:-

لما قمع اهل البلاد المشرقية والتطاعی	بجو شرقا ملک العراق کے باشندوں کو جیاس کا
العراقية التصبیق علی شیخ الاسلام	علم ہر کہ شیخ اسلام تقی الدین احمد بن تہمیدہ کی
تقی الدین احمد بن تیمیہ سلمۃ اللہ	جائی ہے تو اہل اسلام کو اس سے بڑی گرائی اور
عظم ذلك علی المسلمین و شق علی	اہل دین کو اس سے بڑی کوفت ہوئی اور دیکھا کہ
ذوی الدین و ارتفعت رؤوس	المحدثین کو اس سے بڑی مسرت ہوئی اور عزت ملنے لگی
المحدثین و طابت نفوس اهل الأهواء	اور اہل ابہوی اور مبتدعین کے دل بارگاہِ بدعت ہو گئے
والمبتدعین، ولما رأى علماء اهل	جب ان اطراف کے علماء کو اس واقعہ کی اہمیت
هذه الناحية عظم هذه النازلة من	کام علم ہوا اور انھوں نے دیکھا کہ اہل بدعت اور
شماة اهل البدع و اهل الأهواء	اہل باطل کا برفضلاء اور اثر علماء کی اس ذلت

باکابر الفضلاء وائمة العلماء انھو احوال
 هذا الامر الفطیج والامر الشیع الی الخیر
 الشریفة السلطانیة زادھا اللہ شرفاً
 وکتبوا الجویہم فی تصویب ما اجاب بہ
 الشیخ سلمہ اللہ فی فتاواہ و ذکر وامن
 علمہ و فضائلہ بعض ما ہوفیہ، و حلوا
 ذلک بین یدی مولانا ملک الامراء
 امر اللہ انصارہ و ضاعفت اقتدارہ
 غیرۃ منہم علی هذا الدین و نصیحة
 للإسلام و امراء المؤمنین۔

اور ابتلاؤ پر خوشیاں منا رہے ہیں تو انھوں نے
 اس ناگوار واقعہ اور اس کے اثرات کی اطلاع
 بارگاہِ سلطانی میں دینا ضروری سمجھا اور انھوں نے
 شیخ کے فتاویٰ کی تائید میں اپنے جوابات لکھ کر روانہ
 کئے، انھوں نے شیخ کے علم اور ان کے فضائل و کمالات
 کے متعلق اپنے تاثرات اور معلومات بھی قلمبند کئے،
 اور اس سب کو ملکِ منظم کی خدمت پہنچا دیں
 پیش کر دیا، اس سب کا محرک و باعث سوائے دینی
 غیرت و محبت اور اسلام اور سلاطین اسلام کی
 خیر خواہی کے کچھ نہ تھا۔

قلعہ میں شیخ کے مشاغل

عرصہ دراز کے بعد شیخ کو سکون کے لمحات اور کیسوٹی کی دولت حاصل ہوئی، غالباً اسی پر انھوں نے
 فرمایا تھا (فیہ خیر کثیر و مصلحتہ کبیرۃ) انھوں نے اس خلوت و انقطاع کی پوری قدر کی اور پورے
 انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ عبادت و تلاوت میں مشغول ہو گئے، اس سے جو کچھ وقت بچتا تھا وہ
 مطالعہ و تصنیف اور اپنی کتابوں کی تنقیح و تصحیح میں صرف کرتے تھے جو خود ایک مستقل عبادت تھی،
 اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور وردِ تلاوت قرآن تھا، وہ اس مجلس میں دو سال رہے اس مختصر
 مدت میں انھوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسی دور کئے۔

۱۳۸۵ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۸

۱۳۸۵ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۸

marfat.com

Marfat.com

جیل میں انھوں نے جو کچھ لکھا اس کا زیادہ تر حصہ تفسیر سے متعلق تھا، اس کا سبب بھی غالباً تلاوت کی کثرت اور قرآن مجید میں غور و تدبر تھا، بعض مسائل پر بھی انھوں نے رسائل اور جوابات لکھے، باہر سے جو اہم اور خاص علمی سوالات اور فقہی استفسارات آتے ان کے جوابات دیتے، اس طرح سوائے عمومی درس و وعظ کے ان کے سب کام جاری تھے اور کثرت تلاوت اور عبادت کا اضافہ تھا۔

نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے محرومی

شیخ جیل خانہ میں جو کچھ لکھتے تھے لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور وہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا، دوسرے رسائل و مسائل کے علاوہ جو انھوں نے جیل میں تحریر کئے ان کا ایک مستقل رسالہ مثلاً زیارت میں تھا جس میں انھوں نے مصر کے ایک مالکی المذہب قاضی عبدالشہین الاخنائی کی تردید کی تھی اس میں انھوں نے ثابت کیا تھا کہ قاضی موصوف بہت قلیل العلم اور ناواقف آدمی ہیں، قاضی صاحب نے سلطان سے اس کی شکایت کی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، سلطان نے فرمان جاری کیا کہ شیخ کے پاس جتنی کتابیں کاغذ قلم و دعوات ہے لے لیا جائے اور ان کے پاس کوئی ایسا مسلمان نہ رہے جس کی مدد سے وہ تصنیف و تالیف کر سکیں۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۵ھ کو اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور پڑھنے لکھنے کا سارا سامان بحق حکومت ضبط کر لیا گیا، یکم رجب کو ان کے سب سوغات اور اوراق جیل سے اٹھا کر عادیہ کے بڑے کتب خانہ میں داخل کر دیئے گئے، یہ کتابوں کی ساٹھ جلدیں اور ۱۴ کاغذ کے شیرازے تھے جن میں وہ لکھتے پڑھتے تھے۔

لے ملاحظہ ہو رسالہ "الاخنائہ" مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ عبارت المکتبۃ الظاہریۃ کے سامنے ہے اس میں میں مشکلات نے اپنا

مشہور تالیف و فیات الامیان لکھی اور ابن ملک صاحب الفیہ نے درس دیا آج کل اس میں جامع المسائل العربیہ کا ذکر ہے

کوئلہ سے تحریر و تصنیف

شیخ نے اس پر بھی کسی جزع و فزع کا اظہار نہیں کیا، اور نہ حکومت سے کوئی شکایت کی ان سے جب قلم و دوات لے لئے گئے تو انھوں نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کیا، ان کے متعدد رسائل و تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ملیں، اور عرصہ تک اسی حالت میں محفوظ رہیں، اس مجبوری اور بے سروسامانی کی حالت میں وہ شاکر اور راضی برضا معلوم ہوتے ہیں، ان کو اس کا بھی احساس ہے کہ ان کو میدان جہاد کی فضیلت حاصل ہے، اور صورت حال میں کوئی تغیر نہیں ہوا، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

نعم و الله المحمد في عظيم الجهاد في سبيله	ہم بکبر الشریعت بڑے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہیں،
بل جہادنا في هذا مثل جہادنا في قازان	ہمارا یہاں کا جہاد واقعہ قازان جہاد کوستان جیسوں
والجبلية، والجهمية والاتحادية وامثال	اور اتحادیوں (وحدۃ الوجود کے قائلین) وغیرہ کے
ذلك، وذلك من اعظم نعم الله علينا ولى	مقابلہ میں ہمارے گزشتہ جہاد سے کم نہیں ہے، یہ
الناس ولكن اكثر الناس لا يعلمون.	اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے،
	لیکن اکثر لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔

تسلیم و رضا اور حمد و شکر

ایک دوسرے خط میں ان کی ایسانی کیفیت اور تسلیم و رضا کی شان اس طرح جھلکتی ہے۔

كل ما يقضيه الله تعالى فيه الخير والرحمة	اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جو کچھ فیصلہ فرمائے اسی میں خیر
والحكمة، ان ربي لطيف لما يشاء	اور رحمت اور حکمت ہے (اللہ تعالیٰ لطیف لما يشاء)

لہ ابن تیمیہ محمد ابو زہرہ۔

هو القوي العزيز العليم الحكيم وليد

على أحمد ضرر الامن ذنوبه ما اصابك

من حسنة فمن الله وما اصابك من

سيئة فمن نفسك فالعبد عليه ان

يشكر الله ويمجد اذ انما على كل حال

ويتغفر من ذنوبه فالشكر واجب

المزيد من التعمير والاستغفار يرفع

النقم ولا يقضي الله للمؤمن قضاء

الا كان خيرا له ان اصابه شر

شكر وان اصابه شر او مبر فكل

خير له

بیشک وہ قوی غالب اعلیم و حکیم ہے انسان کو

صرف اپنے گناہوں سے نقصان پہنچتا ہے مالا مال

من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة

فمن نفسك (تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی

طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی

طرف سے ہے اس لئے بندہ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ

کا ہر حال میں شکر اور اس کی حمد کرے اور اپنے گناہوں کی

استغفار اس لئے کہ شکر تانہ نعمتوں اور مزید انعام کا

موجب ہے اور استغفار غضب اور سزا کو دفع کرتا ہے

اور اللہ تعالیٰ انسان کے لئے جو کچھ فیصلہ فرماتا ہے وہ

اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے حدیث شریف میں آتا

ہے کہ مومن کو جب سزا اور نعمت مال ہو تو ہے تو

فکر کرتا ہے جب مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر

کام لیتا ہے اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے

ان کو اس حالت میں بھی اپنے مسلک کی صحت اور بے گناہی کا یقین ہے وہ اپنا جرم اتنا ہی

سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ایک مسئلہ شرعی میں حاکم وقت کی بات نہیں مانی اور کہا کہ وہ حق سمجھتے تھے

اس پر اٹھے رہے لیکن وہ اپنے اس جرم کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو ایمان تو حید کا مقتضاء سمجھتے ہیں

ان کا بڑے سے بڑا الزام یہ ہے کہ ایک انسان کی

(جو دوسرے انسانوں کا مالغ خدا کا ایک بندہ ہے)

غاية ما عند همرانه خولعت مرسوم

بعض المخلوقين والمخلوق كاشان

کان اذا خالف امر الله تعالى ورسوله
لم یحب، بل لا تجوز طاعة فی مخالفة
امر الله ورسوله باتفاق المسلمین۔
حکم عدل کی مخلوق خواہ حاکم وقت ہو یا سلطان
دورانِ جبائش اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت
کریے گا تو اس کی بات کبھی نہیں مانی جائے گی، بلکہ
باتفاق مسلمین اللہ اور رسول کی مخالفت کی حالت
میں اس کی اطاعت جائز ہی نہیں۔

زندگی کے آخری دن اور وفات

شیخ الاسلام کے بھائی زین الدین عبدالرحمن کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسٹی دور ختم کرنے کے بعد
جب نیا دور شروع کیا، اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے: **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ
عِندَ مَلِکٍ مُّقْتَدِرٍ** تو بجائے میرے عبداللہ بن محب اور عبداللہ الزمری کے ساتھ دور شروع فرمایا، یہ
دونوں نہایت صالح شخص تھے، اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی،
ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

مرض وفات شروع ہوا، تو نائب دمشق (حاکم دمشق) عیادت کے لئے آیا، مزاج پرسی کے بعد
اس نے بڑی معذرت کی، اور کہا مجھ سے اگر کوئی تقصیر ہوئی یا تکلیف پہنچی ہو تو لشر معاف کر دیا
جائے، شیخ نے جواب میں فرمایا:۔

الّی قد احللتک، وجمع من عاد الّی
وهو لا یعلم الّی علی الحق، واحللت
السلطان المعظم الملک الناصر من
حبسه الّی، لکونه فعل ذلک مقلدا
میں نے تم کو بھی اپنی طرف سے معاف اور سکدوش
کر دیا ہے، اور ان سب لوگوں کو بھی جنہوں نے مجھ سے
دشمنی کی، اور ان کو میرا حق پر ہونا معلوم نہیں تھا، اور
سلطان معظم الملک الناصر سے بھی میرا کوئی مطالبہ اور

مَعذُورًا وَلَمْ يَفْعَلْهُ لِحُطْأَتِهِ وَقَدْ
 احللت كل لحد و مقابنی و بینہ الا
 من كان عدا و الله و رسولہ (صلی اللہ
 علیہ وسلم)
 دارو گیر نہیں کہ انھوں نے مجھے مجسوس کیا اس لئے کہ
 انھوں نے یہ علماء کے اقتدا اور ان کی تقلید میں کیا ہے
 اور وہ معذور ہیں اس میں ان کی نفسانیت شامل نہیں
 میں نے ہر شخص کو اپنے معاملہ میں متا کر دیا ہے صرف اس
 شخص کو نہیں کیا جو اثر اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔

انتقال سے پیش بائیس روز پہلے طبیعت خراب ہوئی، پھر درست نہیں ہوئی، یہاں تک کہ
 ۲۲ رذی القعدہ ۱۳۸۷ھ کی شب میں وقت موعود آ پہنچا اور اس مجمع کمالات ہستی نے سترھ سال کی
 عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
 شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع قلعہ کے موزن نے مینار پر چڑھ کر دی، بسجلی پر جو چوکیدار
 متعین تھے انھوں نے وہاں سے اعلان کیا، شہر میں بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی، قلعہ کا دروازہ کھول
 دیا گیا اور اذن عام دے دیا گیا، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور زیارت کر کے جلتے تھے، بہت سے
 لوگ فرط محبت میں اس پیشانی کو بوسہ دیتے تھے جو گھٹنوں خاک پر اپنے مالک کے سامنے ٹکی رہتی تھی۔
 غسل سے پہلے ہی لوگوں نے قرآن مجید ختم کئے، مردوں کے بعد عورتوں کو آنے کی اجازت ہوئی
 اور انھوں نے زیارت کی غسل کے وقت صرف وہی لوگ رہ گئے جن کو غسل دینا تھا۔

جنازہ کی کیفیت اور تدفین

غسل کے بعد ایک نماز جنازہ قلعہ میں ہوئی شیخ محمد تام نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ
 باہر لایا گیا، قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان کے سب راستے ہجوم سے بھرے ہوئے تھے، چار گھڑی دن
 چڑھے جنازہ جامع مسجد (جامع اموی) میں پہنچا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ فوج جنازہ کو اپنے گھیر لیے

لئے ہوئے تھے، ورنہ جنازہ کی حفاظت اور انتظام مشکل تھا، مجمع کا کوئی اندازہ نہ تھا، اس ہجوم خلائق میں کسی نے بلند آواز سے پکار کر کہا: "هكذا تكون جنازة امته السنة" (سنت کے پیشواؤں کا جنازہ اسی شان کا ہوتا ہے) یہ سن کر اور کھرام مچ گیا۔

ظہر کے بعد نماز جنازہ ہوئی، نخطہ لمخظہ ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ میدان، گلیاں بازار سب بھر گئے، ہر طرف مجمع ہی مجمع نظر آتا تھا، بازار بند تھا، اور کھانے کی دوکانیں سب بند تھیں، بہت لوگوں نے روزہ کی نیت کر لی کہ آج کھانے پینے کا ہوش نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھا، کاندھادینے کا موقع نہ تھا، جنازہ انگلیوں و سرسوں پر جا رہا تھا، ہر طرف گریہ بکا کی صدا میں بلند تھیں، ہر زبان اور ہر لب پر مدح و توصیف اور دعل کے الفاظ تھے، لوگ فرط عقیدت میں رومال اور کپڑے پھیک پھیک کر جنازہ سے مس کر اتے تھے، شدت ازدحام سے لوگوں کے پاؤں کے جوتے اور کھڑاؤں نکل گئیں، اور کپڑیاں اور رومال گر گئے، لوگ جنازہ کے دیکھنے اور اس کی مشائعت میں ایسے محو اور مستغرق تھے کہ ان کو اپنے کپڑوں اور جوتوں کا ہوش نہ تھا، جنازہ سرسوں پر جا رہا تھا، کبھی کبھ آگے بڑھ جاتا تھا، کبھی پیچھے کھسک جاتا تھا، کبھی ٹھہر جاتا تھا، سوق انخیل میں پہنچ کر مجمع کا کوئی حد و حشا نہیں رہا، جنازہ وہاں رکھا گیا، چھوٹے بھائی زین الدین عبدالرحمن نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز کے بعد مقبرۃ الصوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین عبدالشر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

۱۔ یہ قبرستان جو بڑے بڑے شاہیر اہل قلم و صلاح (مثلاً ابن عساکر، ابن الصلاح، ابن الاثیر، ابوالکجاج المزنی، حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ) کا دفن ہے، اب بالکل ناپید ہو گیا ہے، اس پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی قبر جامعہ سوریک کے ہال اور اسپتال کی ایک عمارت کے سامنے ابھی تک موجود ہے، ۱۰ شوال ۸۷۷ھ (۱۴۷۶ء) کو علامہ شام شیخ محمد بیجہ البیطار کی بعیت و رہبری میں راقم مطہر نے اس کی زیارت کی، علامہ موصوف نے واقعہ سنایا کہ یونیورسٹی کی کسی تعمیر کے سلسلہ میں شب بھر میں اس مقبرہ کو کھڈا ڈالا گیا، صبح جب اس کی اطلاع ہوئی تو صدر جمہوریہ شکر الی نقول نے عیسائی (بالا منسوب)

جنازہ صبح کے وقت قلعہ سے نکلا تھا، لیکن ہجوم کی کثرت کی وجہ سے کہیں عصر کی اذان کے وقت دفن کی نوبت آئی، بظاہر سارا شہر جنازہ کی مشایعت میں تھا، حاضرین کا کم سے کم اندازہ ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے، ۵۰ ہزار صرف عورتوں کا اندازہ ہے، جنازہ میں شریک تھیں جو بالا خانوں اور چھتوں سے دیکھ رہی تھیں اس کے علاوہ ہیں، جنازہ میں ایسا ہجوم و شوق کی تاریخ میں دیکھا نہیں گیا، ممکن ہے بنی امیہ کے زمانہ میں جب دمشق کی آبادی بہت تھی اور وہ دار الخلافہ تھا کسی کے جنازہ میں ایسا ازدحام ہوا ہو۔

نماز جنازہ غائبانہ

اکثر اسلامی ممالک میں یہاں تک کہ اقصائے جنوب اور اقصائے مشرق میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی، ابن رجب ذیل طبقات احنابلہ میں لکھتے ہیں:-

وطلے علیہ صلاۃ الغائب فی غالب بلاد	اکثر قریب بعید ممالک اسلامیہ میں نماز جنازہ غائبانہ
الاسلام القریبۃ والبعیدۃ حتی فی البی	پڑھی گئی یہاں تک کہ چین اور چین میں بھی نماز جنازہ
والصین واخبار المسافرون انه نوى	ہوئی، مسافروں نے بیان کیا کہ چین کے ایک بعید ترین
باقصی الصین للصلاۃ علیہ یوم	شہر میں جمعہ کے روز نماز جنازہ (غائبانہ) کا اعلان
جمعة الصلاۃ علی ترجمان القرآن	ان الفاظ میں ہوا کہ ترجمان قرآن کی نماز جنازہ ہوگی

(باقی صفحہ ۱۲۵ کا) دانش چانسٹر کو تجویز کی کہ ابن تیمیہ کی قبر اگر مدرس ہو گئی تو میں سلطان ابن سود کو کیا جواب دوں گا، جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں، چنانچہ وہ قبر باقی رکھی گئی جو ابھی تک محفوظ ہے۔

لے یہ ساری تفصیل ابن کثیر نے شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھی ہے، جو شیخ الاسلام کے معاصر اہل فقیہ و دین

تھے۔ ج ۱۲ ص ۱۳۶-۱۳۹

نمایاں صفات اور کمالات

خدا داد حافظہ اور ذہانت

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے دور میں علوم اسلامیہ میں جو مجتہدانہ مقام حاصل کیا، اور تفسیر و حدیث و فقہ میں بیک وقت اپنی امامت، تبحر اور غیر معمولی عبور کا جو نقش اپنے زمانہ پر قائم کیا، اس میں بہت بڑا دخل ان کے غیر معمولی حافظہ اور ذہانت کو تھا، جو ایک موہبت خداوندی اور ایک نعمت خداوندی تھی، ابن تیمیہ کے عصر میں اسلامی علوم اتنی وسعت اختیار کر چکے تھے اور منقولات کا اتنا بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا تھا کہ جو شخص غیر معمولی حافظہ کا مالک نہ ہوتا، وہ نہ اس وسیع ذخیرہ پر عبور حاصل کر سکتا تھا، مختلف فیہ اور مایہ التزاع مسائل میں اپنے نامور اور متبحر معاصرین کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتا تھا، اور نہ کسی مسئلہ میں کسی پیشرو عالم سے اختلاف کا حق رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جو حافظہ اور قوت استحضار عطا فرمائی تھی، اس کی مدد سے انھوں نے تفسیر حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم اختلاف (اختلافات اثر) علم کلام، تاریخ، سیر و آثار، علم رجال، لغت و نحو کے اس وقت تک کے ذخیرہ پر عبور حاصل کر لیا، جتنی کتابیں اور اخذ مواد اس وقت موجود تھا، اور وہاں تک ان کی دسترس تھی، انھوں نے اس کا مطالعہ کیا، اور ان کے قوی اور امانت دار حافظہ نے اس کو محفوظ کر لیا، اور انھوں نے اپنی علمی اور تصنیفی زندگی میں اس سے اس طرح مدد لی، جیسا کہ ایک تجربہ کار جنگ آزما اپنے ترکش کے

ذخیرہ سے مدد لیتا ہے۔

ان کے معاصرین ان کے حافظہ کی غیر معمولی قوت، استحضار اور نمایاں ذکاوت و ذہانت کے مداح اور معترف ہیں اور اس پر معاصرین و متاخرین سب کا اتفاق ہے کہ وہ نہایت قوی الحفظ، سریع الفہم اور ذہین و ذکی تھے، ان کے رفیق درس علامہ علم الدین البرزالی کہتے ہیں: قل ان مع شیئا الحفظ ما وکان ذکیا کثیرا المحفوظ (وہ جو کچھ بھی سنتے یاد کر لیتے، کم اس میں تغلف ہوتا، وہ نہایت ذہین تھے اور کثرت سے ان کو چیزیں یاد تھیں) حافظ ذہبی جو فن رجال کے امام اور مورخ اسلام ہیں فرماتے ہیں: ۱۔

اشدا متحضرا للمتون وعز و هامة، وكانت السنة بين عينيه و على طرف لسانه (میں نے ان سے زیادہ متون (حدیث کے الفاظ اور اصلی عبارات) کا یاد رکھنے والا اور بروقت ان سے کام لینے والا اور ان کا صحیح حوالہ دینے والا اور نسبت کرنے والا نہیں دیکھا، حدیث کا ذخیرہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے اور زبان کی نوک پر تھا) ان کے حافظہ کے لئے سب سے بڑی شہادت ان کے معاصرین کا یہ قول تھا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں ہے حدیث کا ذخیرہ جتنا عظیم اور وسیع تھا، اور اس کو ہر وقت شخص رکھنا جتنا مشکل کام تھا اس کے بعد حدیث کے بارے میں تنہا ان کے حافظہ اور علم پر اعتماد اور ان کے قول پر فیصلہ عیب ہی ہو سکتا تھا جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے اور ان کا حافظہ کبھی ان سے بے وفائی اختیار نہ کرتا تھا حافظ ذہبی کہتے ہیں: یصدق علیہ ان یقال کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بصیغ مرسل کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔

ان کے بعض معاصرین نے یہاں تک کہا ہے کہ کئی حدیث سے ایسا قوی الحفظ انسان پیدا نہیں ہوا، علامہ کمال الدین ابن الزمکانی جو شیخ الاسلام کے لیے معاصر تھے جو مجلس متاکلمین کے

لے ازہو ازہو ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸

بولت رہے ہیں اور بہت سے مسائل میں ان کو ان سے سخت اختلاف رہا ہے ان کے اس وصف خداداد
کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

لعمریں خمس مائة سنة او قتل
پانچ سو سال سے یا چار سو سال سے (ناقل کو اس
اربع مائة سنة - والشك من الناقل
میں تردد ہے کہ پانچ سو سال کہے یا چار سو سال) ایسا
احفظ منہ۔
قوی الحفظ آدمی پیدا نہیں ہوا۔

ذہانت کے متعلق حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں: "کان یتوقد ذكاءاً" (وہ ذہانت کا ایک شعلہ تھے)
دوسری جگہ لکھتے ہیں: "کان آیت من الذكاء وسرعة الإدراك" (ذہانت اور سرعت فہم میں عجوبہ روزگار تھے)

تبحر علمی اور جامعیت

اس خداداد حافظ اور ذہانت، علم سے خاندانی مناسبت، سخت محنت و مشقت، شوق مطالعہ
اور ذوقِ علم اور سب سے بڑھ کر توفیقِ خداوندی سے انہوں نے اسلامی علوم اور رائج الوقت فنون و
مضامین میں ایسا تبحر اور جامعیت کی شان پیدا کر لی تھی کہ ان کے وہ نامور معاصرین جو سن میں ان سے
بڑے اور اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اور امام فن تھے ان کے تبحر اور جامعیت کو دیکھ کر انگشتِ بزدلی
رہ جاتے تھے اور اس کی شہادت دیتے تھے کہ وہ علم کا دریا اور اسلام کا بولتا ہوا کتب خانہ ہیں اور
ہر فن میں ان کو ایسا دخل ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کا خاص فن ہے، علامہ تقی الدین ابن قتیبہ
کا پایہ فن حدیث میں مسلم ہے اس زمانہ کے علماء بالعموم ان کو اپنا استاد اور بزرگ مانتے تھے ہشتم میں
جب ابن تیمیہ مصر گئے تو علامہ ابن دقیق العید سے ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے بعد علامہ موصوف
نے اپنا تاثر ان الفاظ میں ظاہر کیا:-

لہ ہواکب م۳۵۰ ۲۵۰ اثر الدوا فرم۳۵۰

لما اجتمعت بآب تيمية رأيت رجلاً
 العلوم كلها بين عينيه يأخذ منها
 ما يريد ويبدع ما يريد
 جب ابن تيمیہ سے میری ملاقات ہوئی تو مجھے ایسا
 محسوس ہوا کہ تمام علوم اس شخص کی آنکھوں کے
 سامنے ہیں جو چاہتا ہے لیتا ہے اور جس کو چاہتا
 ہے چھوڑ دیتا ہے۔

علامہ کمال الدین ابن الزمکانی جو خود ایک متبحر عالم اور کثیر الفنون شخص تھے، ان الفاظ میں اپنا
 استحباب ظاہر کرتے ہیں۔

كان اذا سئل عن فن من العلم خلق
 الزائل والسامع انه لا يعرف غير
 ذلك الفن وحكم ان احدا لا يعرف
 مثله
 جب کسی فن کے اندر ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے
 اور سننے والا یہ سمجھتا کہ وہ اس فن کے سوا کچھ نہیں
 جانتے اور یہ رائے قائم کر لیتا کہ کوئی دوسرا شخص
 ان کا اس فن میں سر نہیں۔

علامہ تقی الدین ابن الہسکی ان کے مشہور روایات میں جنہوں نے مسئلہ خدوہ حال اور بعض دوسرے
 فقہی مسائل میں ان کی تردید میں متعل کتابیں لکھی ہیں، نظم میں بھی ان کے متعلق اظہار خیال کیا ہے
 ابن ہرہ حافظ ذہبی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

المملوك يحقق كبر قدره وفخاه
 بحره وتوسعه في العلوم الشرعية
 والعقلية وفروط ذكائه واجتهاده
 وبلوغه في كل ذلك المبلغ الذي
 لا يتجاوز الوصف والمملوك
 فقیر کو اس کا خوب اندازہ ہے کہ ابن تیریک
 جلیل القدر عالم بحر العلوم، علوم شرعیہ و عقلیہ
 میں تبحر میں اس کو ان کی ذہانت و اجتہاد و
 بلوغہ فی کل ذلک المبلغ الذی
 لا يتجاوز الوصف والمملوك
 کا بھی خوب اندازہ ہے اور علوم ہر قسم (مملوک کا)
 کے لیے ترتیب پر پہنچ گئے ہیں کہ اس کا تعریف

لے اور افرات سے ایضاً ہے علامہ ترمذی ابن الہسکی (طبقات الشافعیہ الکبریٰ) کی حدیث میں ہے کہ

يقول ذلك دائماً.

مشکل ہے، فقیر اپنی مجلس میں ہمیشہ اس کا اعتراف

اور اظہار کرتا رہتا ہے۔

تاریخ ان کا خصوصی فن نہیں تھا، اور نہ انھوں نے اس کو اپنا موضوع بنایا تھا، اس کے باوجود وہی جیسے مورخ و نقاد کا بیان ہے کہ "ومعرفة بالتاريخ والتیر فجب عجیب" (ان کی تاریخی واقفیت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے)۔

ان کی تاریخ دانی، وسعت نظر اور حاضر دماغی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-

"ایک اسلامی ملک میں (غالباً شام یا عراق میں) یہودیوں نے ایک قدیم دستاویز پیش کی جو دیکھنے میں بھی بہت قدیم تحریر اور کاغذ معلوم ہوتا تھا، اس میں یہ درج تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے خیبر کے یہودیوں کو جزیرہ سے معاف فرمادیا تھا، اس دستاویز پر حضرت علیؓ، سعد بن معاذؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے دستخط تھے بعض ناواقف جن کی نظر تاریخ و سیرت اور اس جہد کے حالات پر وسیع اور گہری نہ تھی، دھوکہ میں آگئے اور ان کو اس کی صحت کا یقین ہو گیا اور انھوں نے اس پر عمل کرنے اور یہودیوں سے جزیرہ کے ساقط کرنے کا فیصلہ کر دیا، جب یہ دستاویز شیخ الاسلام کے سامنے آئی تو انھوں نے اس کو بالکل ناقابل اعتبار اور جعلی قرار دیا، اور اس کے جعلی اور منوعی ہونے کے ثبوت میں دس دلیلیں پیش کیں جن میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ کے دستخط ہیں، حالانکہ جنگ خیبر سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، دوسرے یہ کہ اس میں ذکر ہے کہ یہودیوں سے جزیرہ کو ساقط کر دیا گیا ہے حالانکہ جزیرہ کا حکم اس وقت تک آیا ہی نہ تھا، اور نہ صحابہ کرامؓ اس سے واقف تھے، اس کا حکم تو خیبر کے تین سال کے بعد تبوک کے سال

لے اکلواک ص ۱۳۱

نازل ہوا ہے تیسرے یہ کہ اس میں تذکرہ ہے کہ یہودیوں سے بگڑ نہیں لیا جائے گا یہ ایک پہل بات ہے اس لئے کہ کیا یہودی کیا غیر یہودی کسی سے بگڑ لینے کا دستور نہیں تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس ظلم اور بزدلی سے بالکل پاک تھے وہ کسی سے بگڑ نہیں لیتے تھے یہ تو جابر بادشاہوں کی ایجاد ہے جو اس وقت تک پہل رہی ہے جو تھی دلیل یہ ہے کہ اہل علم اہل منازی و سیر مدین، و فقہاء و مفسرین میں سے کسی نے اس دستاویز کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ملعت کے زمانہ میں بھی وہ نکالی گئی، بہر حال یہ دستاویز بالکل بناوٹی اور بے اصل ہے، ماحول میں ہونے کی داخلی شہادتیں موجود ہیں، شیخ الاسلام کی اس تحقیق سے یہ ظلم ٹوٹ گیا اور اس جہل کی عکس کھل گئی!

ان کے تبحر علمی اور ذہانت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو گا کہ ان کے ایک معاصر شیخ صانع تلح الدین بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا، ایک یہودی نے تقدیر کا ایک مثلہ پوچھا تھا، اور اپنا سوال و اعتراض آٹھ شعروں میں لکھ کر بھیجا تھا، شیخ نے تھوڑی دیر تاں کیا پھر جواب لکھنا شروع کیا، ہم معاصرین مجلس یہ سمجھتے رہے کہ وہ اس کا نثر میں جواب دے رہے ہیں، جب وہ فارغ ہوئے تو کسی نے کاغذ اٹھا کر دیکھا اور ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی تفسیر دین میں شیخ نے ۱۸۴ اشعار میں ہر جہتہ اس کا جواب دیا تھا، اس جواب میں اتنے علوم آگئے تھے کہ اگر ان کی شرح و تفصیل کی جائے تو دو ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں!

اس تبحر علمی اور جامعیت کو دیکھ کر ان کے معاصرین اور متاخرین نے ان کے متعلق نہایت بلند کلمات کہے ہیں، اور ان کو نادر روزگار و سرآمد تحقیق، آخر المجتہدین اور امامیۃ من علیہ اللہ شاکر کیا ہے، ابن سید الناس (م ۳۳۷ھ) کہتے ہیں: امر توحید من رأی مثلہ ولادۃ حیات، مثل فضیلتہ (ان کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان کا جیسا نہیں دیکھا، اور نہ انھوں نے خود اپنی نظیر کو دیکھا)

اعزاز السامع استاذنا الامام فی حقہ الذی لا یغفل عنہ فی حقہ

حافظ شمس الدین الذہبی جیسے وسیع النظر مورخ اور نقاد مبصر نے یہاں تک فرمایا ہے :-

وخلفت بين الركن والمقام لحلفت
ان ما رأيت بعيني مثله ولا والله
راى هو مثل نفسه في العلم -
اگر رکن و مقام ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دے کر
پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ میں نے علم میں
ان جیسا دیکھا نہ انھوں نے اپنا جیسا دیکھا۔

شجاعت اور فکری استقلال

ابن تیمیہ کی شجاعت و دلیری اور موت سے بے خوفی ان کے تمام معاصرین حتیٰ کہ ترک
سرداروں اور فوجی افسروں کے لئے بھی حیرت انگیز تھی، مغلوں کے مقابلہ میں انھوں نے جس
شجاعت و جوانمردی اور جس جرأت و بیباکی کا اظہار کیا اس پر خود قبچق کو جو اپنے زمانہ کا مشہور ترک
فوجی افسر اور امیر تھا سخت حیرت تھی، حافظ سراج الدین کے الفاظ ہیں :-

وكان اذا ركب الخيل يعول في العدو
كاظم الشجعان ويقوم كاثبت
الفرسان ويكفي العدو من كثرة
القتل بهم ويخون بهم خوفاً من
رجل لا يخاف الموت -
جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو دشمن کی صفوں
میں اس کی گھومتے تھے جیسے ڈبے سے بڑا بباد
اور اس طرح کھڑے رہتے تھے جیسے ڈبے سے بڑا
ثابت قدم شہسوار وہ دشمن کو اپنے حملوں سے پور
کوتے تھے اور اس نے تکلفی سے فوج میں گھس
جاتے تھے جیسے ان کو موت کا کوئی ڈر نہیں۔

لیکن یہاں ان کی اس شجاعت کا تذکرہ مقصود نہیں جو جنگ کے میدان اور سلاطین کے
مقابلہ میں کلہو حق بلند کرنے میں ان سے ظہور میں آئی، اس کی تفصیل پچھلے اوراق میں گزر چکی ہے

لے اٹھو اکب م ۱۷۱

یہاں ان کی اس شجاعت کا اظہار مقصود ہے جو قلمی معرکوں، علمی میدان اور تحقیق اور اظہار حق میں ان سے ظاہر ہوئی۔

اہل علم ناظرین کو اس کا اندازہ ہے کہ اکثر مسائل میں وہ منفرد نہیں ان مسائل پر پہلے بھی بحث ہوئی ہیں اور مسائل لکھے گئے ہیں اور ان کے زمانہ میں بھی ان کے متعدد معاصران کے ہم خیال تھے، مگر جس جرأت و شجاعت اور جس صاف گوئی اور بلند آہنگی کے ساتھ انھوں نے اپنے خیالات و تحقیقات کا اعلان کیا، اور تقریر و تحریر میں بے محابا بیان کیا، وہ ان کا خاص حصہ تھا، توحید خالص کی وضاحت، استغاثہ و استعانت بغیر الشریٰ کی تردید، بدعات و منکرات زمانہ کی مخالفت، وحدۃ الوجود اور حلول و اتحاد کے خلاف قلمی و سانی جہاد، مدعیان تصوف اور متبدعین کی تبلیغات کی پردہ دری میں انھوں نے جس شجاعت و بے غمی کا اظہار کیا، اور جن مسائل و تحقیقات کو وہ حق سمجھتے تھے، خواہ وہ کلامی مباحث سے تعلق ہوں یا فقہی مذاہب سے ان کو جس طرح انھوں نے مدلل و پُرورد طریقہ پر بیان کیا، اور ان کے ثبوت کے لئے جو مقدمات و دلائل قائم کئے اور آخر دن تک جس طرح اپنے ان خیالات و عقائد پر قائم رہے اور ان کے راستے میں تکلیفیں برداشت کیں، اس سے ان کی نہ صرف شجاعت و استقامت بلکہ عظمت و لامست کا ثبوت ملتا ہے، یہی ان کی اس علمی و دینی شجاعت و استقامت کا ذکر ان مداحانہ الفاظ میں کرتے ہیں۔

انھوں نے اپنے مفہوم کے لئے ایسا تعبیرات استعمال	اطلاق عبارات اجماعاً الاولون
کیں جن کی تقدیر و ستائش کو برائے غیر ہوگی	والآخرون وھابوا وجہ ہو علیھا
تھی یہاں تک کہ نتیجہ نکلا کہ صوفیاء و شام کے ملکہ کا	حشی قام علیہ خلق من علماء مصر
ایک انہوں ان کا مخالفت ہو گیا اور اس نے ان کی	والشام قیاماً لا ینید علیہ ویتھوہ
مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا کی ان علماء نے	و ناظروہ وکاتبوہ وھو ثابت

لا یداهن ولا یحالی بل یقول الحق للتر
الذی اذاع الیہ لجهاده وهداه ذهنه
وسعة دائرته فی السنن والاقوال مع
ما اشتهر عنہ من الورع وکمال الفکر
وسرعة الادراک والخوف من الله
العظیم والتعظیم لمحمات الله فجرى
بینہ وبينهم حملات حربية ووقعات
شامية ومصرية وکمر من نوبة دموعه عن
قوس ولعدة فتجيبه الله له

ان پر بدعت کا الزام لگایا مناظرے کئے، مراسلت
کی، لیکن وہ ان تمام حالتوں میں اپنے خیال و عقیدے
پر قائم رہے، انھوں نے مابہنت کی نہ کسی کی روئے
بلکہ وہی سچی کڑوی بات کہتے رہے تو جوان کے اپنے
اجتہاد، غور و فکر، ذکاوت اور سنن و اقوال پر وسیع نظر
کی بنا پر سمجھ میں آئی تھی، تنہا یہی بات نہیں تھی، بلکہ
اس کے ساتھ ان کا زہد و ورع، بالغ نظری، ہر وقت فہم
خوب خدا، حدود و احکام الہی کا ادب و عظیم بھی شامل
تھی، ان کے اور ان کے معاصرین و مخالفین کے
درمیان بڑے بڑے معرکے اور شام و مصر میں بڑے
بڑے مقابلے ہوئے، کتنے بار اس کی نوبت آگئی کہ
سب گروہ ایک طرف تھے، اور وہ تنہا ایک طرف،
پھر بشر تعالیٰ نے ان کو ان کے مخالفین کے ضرر سے بچایا۔

ابن تیمیہؒ اپنے معاصرین میں اپنے علمی تجربے ضرور ممتاز تھے، جیسا کہ ان کے معاصرین نے بلند
کلمات میں اس کا اعتراف کیا ہے، لیکن ان کا اصلی امتیاز جس نے ان کو اپنے نامور اور فاضل معاصرین
میں یگانہ روزگار اور تاریخ میں زندہ جاوید اور یادگار بنا دیا، وہ تنہا ان کا علمی تجربہ تھا، بلکہ ان کا فکری
استقلال، ذوق تحقیق اور مجتہدانہ طرز تھا، انھوں نے ان ہی علوم و فنون کا اور انہی کتابوں کا مطالعہ
کیا جن کا ان کے اکثر معاصرین نے مطالعہ کیا تھا، مگر انھوں نے انہی علوم اور کتابوں کے اندر اپنی

لہ اذاعہ وافرماک

راہ پیدا کر لی، اور جلد خصوصی مقام حاصل کر لیا، خوشی نے طبعی تھی، اور سب سیویہ کو واجب التقلید بنا دیا۔
 اس کے قول کو حوت آخر ملتے تھے، لیکن ابن تیمیہ نے الکتاب کا بھی (جس کو علماء نے جوہر کا صحیفہ
 اور نسخ کتب مانتے ہیں) ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، البو حیان نحوی نے جب سیویہ کا حوالہ دیا، تو انھوں نے
 صاف کہا کہ کیا سیویہ کوئی نبی تھا جس پر نوحا تری ہے، اس نے الکتاب میں ۸ مقامات پر غلطی کی
 ہے، یونانی منطق و فلسفہ کے مطالعہ سے ان کے زمانے کے اکثر علماء و فقہاء محتاط تھے اور جنھوں نے
 مطالعہ کیا تھا، وہ اس سے کم و بیش متاثر تھے، حد یہ ہے کہ فلسفہ کے سب سے بڑے ناقد و مہلکانوں میں سے
 بعض شناس حجت الاسلام غزالی اپنی تصنیفات حتیٰ کہ احیاء العلوم کو یونانی الہیات اور فلسفہ اخلاق
 کے اثرات سے کلی طور پر محفوظ رکھ سکے، اور ان کی بہت سی تصنیفات میں مؤرخین فلسفہ کو یونانی فلسفہ
 کی جھلک اور پرچھائیاں نظر آتی ہیں، لیکن ابن تیمیہ نے یونانی منطق کا فلسفہ کے خلاف علم بغاوت
 بلند کیا، اور اس سے وہ کہیں بھڑکتے نظر نہیں آتے، انھوں نے کتاب التذلل للمنطقیین میں یونانی
 منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت مسائل و مقدمات پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور ان پر عمل جراح کر کے اس
 پورے نظام کو مخرج اور اپنے اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کر کے رکھ دیا ہے، فقہ و حدیث میں بحث
 و نظر کے عرصہ سے کچھ محدود دائرے بن گئے تھے جن سے باہر قدم نکالنے کی کوئی جرات نہیں کر سکتے
 تھا، اور عرصہ دراز سے اس ذخیرہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، ابن تیمیہ نے بہت سے فقہی مسائل
 پر جو طے شدہ سمجھے جا رہے تھے، از سر نو جوڑ کر اللہ اپنی تحقیقات کے غنائی پوری شجاعت اور علمی
 سنجیدگی کے ساتھ پیش کئے، جس کا اثر یہ ہوا کہ دافوں اور علمی حلقوں کی ساکن سطح میں پھر جنبش پیدا
 ہوئی، اور غور و فکر کا دروازہ کھلا، آخر میں انھوں نے استقلالاً محض کتاب مسند احمد و مسند ابی یوسف
 کی بنا پر فتوے دینے شروع کئے، حافظ ذہبی ان کی زندگی میں لکھتے ہیں:-

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے فلسفہ و خلاق فی الاسلام و صلاتها بالفلسفۃ الافریقۃ و فی ایک لفظ ان کا حوالہ ہے

وله الآن عدة سنين لا يفتي بذهب
معين بل بما قام الدليل عليه ولقد
نصر السنة المحضة والطريقة
السلفية بمبراهيم ومقدمات
وامور لم يسبق اليها
او حروہ کئی سال سے (مذاہب رابع میں سے) کسی
مذہب معین کے مطابق فتوے نہیں دیتے، بلکہ جس
مذہب کی دلیل پاتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ دیتے
ہیں انھوں نے سنتِ خالصہ اور طریقہ سلف کی
نصرت میں ایسے دلائل 'مقدمات اور وجوہ قائم
کئے جن میں وہ منفرد ہیں کسی نے اس سے پہلے
دلائل و مقدمات قائم نہیں کئے۔

ان اجتہادات میں وہ کبھی کبھی منفرد بھی نظر آتے ہیں ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں جیسے کہ
ہر غیر معصوم سے ہوتی ہیں ان کے دلائل ہر مسئلہ میں ضروری نہیں کہ قوی اور واجب التسلیم ہی ہوں
لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں مخلص تھے وہ نفس پرستی، خواہشات کی پیروی، بہولت پسندی
یا کسی مصلحت کی خاطر کسی امام کے مسلک کسی مذہب فقہی یا جمہور کے قول کو ترک کر کسی مسئلہ کا استنباط
نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ طالبِ حق، دلیل کے پابند اور کتاب و سنت کے تبع تھے اس بارہ میں حافظ
ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب فتح الباری کا یہ ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں:-

انه شيخ مشايخ الاسلام في عصره
بلا ريب والمسائل التي أنكرت عليه
ما كان يقولها بالتشكي ولا يصرح
القول بها الا بعد قيام الدليل عليه
خالفنا لاذي اصاب فيه وهو الاكثر
وہ بلاشبہ اپنے زمانہ کے شیخ المشائخ تھے جن مسائل
میں ان پر اعتراض ہوا ہے وہ بھی انھوں نے نفیاً
کی بنا پر نہیں کئے، عموماً جب ان کو اس کی دلیل
پر اطمینان ہو جاتا تھا جب وہ ان پر اصرار کرتے
تھے جن مسائل میں وہ برسرِ حق ہیں اور وہی تعداد

لہ الرواۃ فرماتا

یستفاد منه ویترحم علیہ بسببہ
والذی اخطأ فیہ لا یقلد فیہ بل هو
معدود لان ائمة عصره لا شهدوا له
بان ادوات الاجتهاد فیہ حتی کان
اشد المتعصین علیہ والعالمین فی
ایصال الشرائع وهو الشیخ جمال الدین
الزملکانی شهد له بهذا ^{لہ}
میں زیادہ بھی ہیں اس میں ان سے استفادہ کرنا
چاہئے اور ان کی بنا پر ان کے حق میں دعائے خیر
کرنی چاہئے جن مسائل میں ان سے غلطی ہوئی ان
میں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہئے وہ ان میں معذور
ہیں اس لئے کہ ان کے زمانہ کے اکابر علما نے اس کا
اعتراف کیا ہے کہ ان میں شرائط اجتہاد موجود تھے
یہاں تک کہ ان کے ایک بہت بڑے حریف جو
ان کے درپے آزاد بھی رہتے تھے یعنی شیخ جمال الدین
الزملکانی وہ بھی اس کے معترف ہیں۔

اخلاص وانہماک

ابن تیمیہ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ علم و دین کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف تھے
انہوں نے زندگی بھر کسی اور چیز سے سروکار نہیں رکھا، ان کے اکثر معاصرین، رفقاء اور ہم عمرین میں
بڑے بڑے مخلص، بڑے بڑے فاضل تھے، حکومت کے مختلف عہدوں پر سرفراز رہے یا انہوں نے کوئی
دینی منصب یا انتظامی ذمہ داری قبول کی یا عطیہ سلطانی یا خلعت شامیہ یا انعام و اکرام سے سرفراز
ہوئے یا حکومت کے وظیفہ خوار رہے، لیکن ابن تیمیہ کا دامن ساری عزائم آلائشوں سے پاک رہا،
انہوں نے علم و دین کے اشتغال، افتاء، درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف اور
تحقیق و تدقیق کے سوا کسی مشغلہ سے تعلق ہی نہیں رکھا، ان کے ایک معاصرین کی اس علمی کیسٹ

لہ الرد الوافر ص ۵۷

دینی انہماک اور دنیا سے بے لوثی و بے تعلقی کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

ماخاٹ الناس فی بیع ولا شراء ولا	انہوں نے لوگوں کے ساتھ بیع و شراء معاملہ
معاملۃ ولا تجارة ولا مشاركة ولا مزارعة	تجارت، شرکت، زراعت، عمارت وغیرہ کسی قسم کا
ولا عمارۃ ولا كان ناظرًا او مباشرًا لمال	تعلق نہیں رکھا نہ کبھی کسی مال وقف کے نگران
وقف، ولم يقبل جرایۃ ولا ملة لنفسه	یا ستولی رہے نہ کبھی انہوں نے حکومت کا وظیفہ یا کسی
من سلطان ولا امیر ولا تاجرو ولا كان	سلطان، حاکم یا تاجر کی پیشکش قبول کی نہ کبھی انہوں
مدخرًا دینارًا ولا درهما ولا متاعًا ولا	نے دینار و درہم یا سامان یا خوراک جمع کی، ان کا
لعمامًا وانما كانت بضاعته مدة حیاة	سرمایہ اور ان کی پونجی جب تک وہ زندہ رہے
ومیراثہ بعد وفاته رضی اللہ عنہ	اور جب انتقال کیا تو ان کی میراث یہی علم
العلم اقتداً أبید المرسلین فانه قال	تھا اور یہ سنت نبوی ہے، کیونکہ آنحضرت
ان العلماء و ردة الانبیاء، ان الانبیاء	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، علماء و ائین
لم یورثوا دینارًا ولا درهما ولكن	انبیاء ہیں انبیاء نے دینار و درہم کبھی اپنی میراث
ورثوا العلم فمن أخذ به أخذ بحظ	میں نہیں چھوڑے انہوں نے علم کی میراث چھوڑی،
واخبرہ	جس کو یہ میراث ملی وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

صاحب الکواکب الدریۃ معتبر لوگوں سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

انه كان قد قطع جُلَّ وقته وزمانه	انہوں نے اپنا سارا وقت اور پورا زمانہ عبادت
فی العبادۃ حتی انه لم یجعل لنفسه	میں مصروف کر رکھا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے
شاغلة تشغله عن الله وما یزاوله	اپنی ذات کے لئے کوئی دوسرا مشغلہ ہی اختیار

صاحب الکواکب الدریۃ ص ۱۵۶، ۱۵۷

لامن اهل و لامن مال

نہیں کیا جو ان کو اللہ تعالیٰ سے مشغول کرے اور

جس میں وہ منہمک ہوں، ان کو گمراہی نہ مال۔

ان کے مشاغل و افکار علم و دین کے انہماک اور مصروف زندگی نے (جس کا خاصہ حصہ حیل و نظر بندی میں گذرا) ان کو اس کی بھی مہلت نہ دی کہ وہ نکاح کریں، انھوں نے ساری عمر تہجد و اور طالب علمانہ و مجاہدانہ زندگی میں گزار دی، صاحب الکواکب الدریۃ "ان کے روزمرہ کے معمولات اور نظام الاوقات اس طرح بیان کرتے ہیں:-

ولا يزال تارة في افتاء الناس وتارة في	وہ کبھی فتویٰ دینے میں مشغول ہوتے کبھی لوگوں کی
قضاء حوائجهم حتى يصل الظهر مع	مزدوریں پوری کرنے میں یہاں تک کہ ظہر کی نماز جماعت
الجماعة ثم كذا لك بقية يومه ثم يصلي	کے ساتھ پڑھتے پھر دن کا باقی حصہ اسی طرح گزارتا،
المغرب ويقرأ عليه الدرس ثم يصلي	پھر مغرب پڑھتے اور اسباق شروع ہو جاتے پھر غشاء
المساء ثم يقبل على العلم الى ان	پڑھتے پھر درس و مطالعہ شروع ہو جاتا یہاں تک کہ
يذهب طویل من الليل وهو في	بڑی رات گزار جاتی، وہ طویل اشیا میں مصروف رہتا
خلال ذلك كله الليل والنهار لا يزال	اور رات میں بھی برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت
يذكر الله تعالى ويوحده ويتقرب	و استغفار میں مشغول رہتے۔

علم اگر کسی مدرس یا مفتی کے لئے ایک ضرورت، وقتی مشغلہ اور خدمت کی حیثیت رکھتا ہو، ابن تیمیہ کی وہ غذا اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، اور ان کی طبیعت ثانیہ ہو گیا تھا شیخ سرخس ابو حفص البزار فرماتے ہیں:-

وكان العلم كأنه قد اختلط بجمعه
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم ان کے نگہ ریش میں ملا رہا

لہ الکواکب الدریۃ ص ۱۵۱ ۱۵۲ ایضاً۔

ان کے اخلاص و تلہیت کی ایک بڑی دلیل یہ تھی کہ انھوں نے اپنے حریفوں اور بدخواہوں کو ہر موقع پر معاف کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ اخلت کل مسلم عن ایذا علی السلطان الناصر کی واپسی کے بعد اس کے اصرار کے باوجود انھوں نے اپنے سب سے بڑے حریف قاضی ابن مخلوف کو جس طرح معاف کیا، اور سلطان سے ان کی اور تمام شرکاء و علمائے سلطنت کی جس طرح تعریف و سفارش کی، اس سے ان کی بے نفسی، عالی ظرفی اور اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ان کا سارا اختلاف علمی و دینی بنیاد پر تھا، اس میں نفسانیت اور ذاتیات کا شائبہ بھی نہ تھا، اس اخلاص و انہماک کا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے ۶۷ سال کی مصروف اور پُر از حوادث واقعات اور تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات و تحقیقات اور علمی آثار کا ایک سیاذخیرہ چھوڑا جو اہل علم کی ایک پوری جماعت کے لئے سرمایہ فخر بن سکتا ہے، اسی اخلاص و انہماک کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے زمانہ پر ایسے دیر پا اثرات چھوڑے کہ وہ بجا طور پر ایک نئے دور کے بانی اور ایک عہد آفریں شخصیت کے مالک کہے جاسکتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی تصنیفات کچھ منفرد خصوصیات رکھتی ہیں جو اس عصر کی عام تصنیفات سے ان کو نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہیں، اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد اور بڑے اہم علمی

marfat.com
Marfat.com

ذہنی انقلابات کے باوجود وہ ابھی تک نئی نسل کے دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس عقلیت پسند اور جدت طلب دور میں وہ از سر نو مقبول ہو رہی ہیں، ان خصوصیات میں چار چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

۱۔ ابن تیمیہ کی تقریباً ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور روح دین کا راز داں ہے اس کے ہاتھ میں دین کے سرے (اطراف و اصول) آگے ہیں، اس لئے ہر بحث میں اس کی بحث اصولی و مرکزی، تشفی بخش، اطمینان آفریں اور موجب یقین ہوتی ہے، وہ جزئیات کے بجائے اصول پر زور دیتے ہیں، اور بحث کا اس طرح آغاز کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور اس کی روح ہے، اور بدلتا ہوا مضطر از شریعت محمدی کا تقاضا ہے، اپنے معاصرین اور دوسرے مصنفین کے مقابلہ میں ان کے تفوق کا راز یہی مقاصد شریعت اور روح دین کی واقفیت اور ان کی کامیاب ترجمانی ہے، جو ان کی ہر چھوٹی بڑی تصنیف میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، خصوصاً جب وہ عقائد اسلام کلامی و فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

۲۔ ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی علمی گوشہ یا الگ تھلک جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئی ہیں، ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے، اور اس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے ان کا مصنف متعلق تھا، پھر ان کتابوں سے ان کے جذبات، جوش، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مصنف دل و دماغ اور انسانی احساسات و جذبات رکھنے والا ہے۔

۳۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو: اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجہیم

۴۔ ان کی کتابیں عام کلامی و فقہی تصنیفات سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہیں کہ ان میں موضوعات کی کتابوں کی طرح خشکی، پیچیدگی اور متون کی شان نہیں ہے، جن میں بالعموم ہر لفظ بندھا ہوا اور قافیہ بنایا ہوتا ہے، ابن تیمیہ کی تصنیفات میں سلاست، زور، عربیت اور کہیں کہیں (بلا قصد) بلاغت و ادبیت اور خطابت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، جو ان کی کتابوں کو (جو اکثر ضخیم دفتر ہیں) دلچسپ، جاندار اور پر زور بنا دیتی ہے، خصوصاً جب وہ سلف کے طریق کی ترویج اور ان کی دینی و علمی و فکری فضیلت و تفوق پر بحث کرتے ہیں، تو ان کے قلم میں بڑا زور اور ان کی بحث میں "رجز" کی شان پیدا ہوتا ہے۔ ان کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے حالات و کمالات کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کی بلاغت و خطابت کا تذکرہ کیا ہے، حافظ ابو حفص کہتے ہیں:-

یجرى كما يجرى التيار و يفيض كما يفيض	ان کے کلام میں سیلاب کی سی روانی اور سمندر کی
البحر و يمد و يمد و يمد و يمد و يمد و يمد	طغیانی ہوتا ہے گفتگو کے آواز سے لے کر اختتام تک
من العاصرين، منع مضاعفيه و يقع	وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیان نہیں پڑا، تاکہیں
عليه اذ ذاك من المهاباة ما بعد القلوب	بند کی جگہ پر آتا ہے اور تقریر فرماتے ہیں اس وقت اللہ
و يجتري الاجساد و العقول	ایسا قادر و جلال ماحول ہوتا ہے کہ مجلس پر ایک

رجب ما چھایا ہوا ہوتا ہے۔

ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کی روحانی اور علم کی طغیانی ان کی مجلسوں سے مخصوص نہیں، ان کا قلم بھی ان کی زبان کا شریک ہے، اقشہری نے اپنے سفر نامہ میں اپنا یہی تاثر ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے: "وقلمه ولسانه متقاربان" (ان کا قلم اور ان کی زبان ایک دوسرے کے ہم پیر ہیں) ان محاسن کے ساتھ ساتھ ایک مؤرخ و نقاد کے لئے اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کی کتابیں

اور مباحث میں انتشار، ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال اور ادنیٰ مناسبت سے ایک دوسری بحث کا آغاز اور طوالت و اطناب بہت پایا جاتا ہے، جو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے کے لئے (خصوصاً ان کے طرز تصنیف اور اسلوب کلام کا عادی نہ ہو) سخت ابتلا و امتحان کا سبب بن جاتا ہے اس کا بڑا سبب تو ان کی حدت ذہن، فرط ذکاوت، ذوقِ علم اور جوشِ طبیعت ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن اور قلم بحث کرتے وقت ایک نقطہ پر جمنے نہیں پاتا، مضامین کا ورود اور انتقال ذہن اس شدت و سرعت کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ محدود نہیں رہ سکتے یہی ان کے درس کی خصوصیت تھی ان کے شاگرد ابو حفص البزار کہتے ہیں:-

کان ابن تیمیۃ اذا شرع فی الدرس یفتح	ابن تیمیہ جب درس کا آغاز کرتے تو اشر تھالے
اللہ علیہ اسرار العلوم وغوامض و لطائف	ان پر علم کے اسرار و بار یک باتیں، لطیف نکات،
ودقائق و فنون و مقول و استدلال	دقیق مسائل، فنون، علماء کے اقوال و نقول اور
آیات و احادیث و استشادات با شمار	کلام عرب کے خواہد و امثال کا دہانہ کھول دیتا
العرب و هو مع ذالک یجیب کما یجیب	اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ ایک سیلاب اور ایک
التیاری فی کما یفنی البحر	دریا منڈ رہا ہے۔

اسی انتقال ذہنی، ذوقِ مضامین و دلائل اور ذہنی تمویج کی وجہ سے ان کے مناظرین کو مجلسِ مناظرہ میں بڑی دقت پیش آتی تھی، وہ اپنے بحث و مناظرہ میں اتنے مسائل چھیڑ دیتے اور اتنے علوم داخل کر لیتے کہ ان کے حریف کو ایک مرکز و منضبط بحث کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی، اسی وجہ سے شام اور مصر میں علماء و فقہاء عمومی مجلسوں میں ان سے بحث و مناظرہ کرنے سے احتراز کرتے، اور اکثر معذرت کر دیتے، اس دشواری کو ان کے ایک فاضل ہم عصر اور مناظر شیخ صفی الدین الہندی

لہ الکواکب ۱۵۱

نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مارا دیا بن تیمیہ الا کا العصفور حیث
ابن تیمیہ ایک چھوٹی چڑیا یا (کنجشک) کی طرح ہو
اورت ان اقضه من مکان فردا لی
جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں وہ
مکان آخری
اڑ کر دوسری جگہ جا پہنچتی ہے۔

ان کی یہ مزاجی خصوصیت (جو کسی کمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک زیادتی اور کمال، و فور ذکاوت، و
علم کا نتیجہ ہے) ان کی تصنیفات میں بھی پائی جاتی ہے، طالب صادق اگر عبور و ہمت سے کام لے
اور اس دشواری پر عبور حاصل کرے تو اس بحر متولج سے بڑے قیمتی موتی نکال سکتا ہے۔



لے زہرۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۴۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحیم الادومی (الشیخ صفی الدین الہندی)۔

مخالفت کے اسباب

اور
ان کے ناقدین و مدافعین

ان غیر معمولی علمی و ذہنی کمالات اور مسلم اخلاص و تدین کے ساتھ ایک سلیم الطبع انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور بعض متأخرین نے کیوں اس شدت ان کی مخالفت کی، اور ان کی ذات ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کیوں موضوع بحث بنی ہوئی ہے؟ ایسے جامع کمالات انسان کی عظمت و قبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہئے ایہ سوال حق بجانب ہے اور اس کا مستحق ہے کہ ان کی سیرت اور ان کی معاصر تاریخ کی روشنی میں بنجدگی سے اس کا جواب دیا جائے۔

۱۔ اولاً تو یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کی ذات کے بارے میں شروع سے دو فرق بنے ہوئے ہیں، اور ان میں حریفانہ کشمکش جاری ہے، تاریخ میں جو شخصیتیں بہت ممتاز، غیر معمولی اور خارق عادت کمالات کی حامل ہیں، ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہی طرز عمل رہا ہے کہ ایک گروہ ان کے معتقدین کا بن گیا ہے، جو ان کی تعریف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے، دوسرا گروہ ناقدین

لے یاد رہے کہ مخالفت اور اختلاف میں فرق ہے، اختلاف اہل علم اور اہل تحقیق کا حق ہے اور یہ حق کسی دور میں علماء سے سلب نہیں کیا جاسکتا، یہاں اختلاف سے نہیں، بلکہ مخالفت، تفسیل و تکفیر کے اسباب سے بحث ہے۔

خالقین کا ہے جو ان کی تنقید بلکہ تنقیص میں انتہا پسند اور غالی نظر آتا ہے، عظیم الشان اور غیر معمولی شخصیتوں کے بارے میں تاریخ کا یہ ایک ایسا سلسل اور متواتر تجربہ ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ اور نفسیات عظمت و عبقریت کے مبصرین نے اس کو قاعدہ کلیہ اور شرط عظمت و عبقریت قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن تیمیہ کی ذات میں ان کے معاصرین کے لئے سب سے بڑا ابتلا اور امتحان یہ تھا کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی و علمی سطح سے بلند تھے اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خدا داد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک سلسلِ ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اس کی تانگی فکر و بلند فکری نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اس کے آفاقِ علم و فکر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور وہ ان کے معین و محدود اصطلاحات اور مددِ علمی حدود میں مقید نہیں رہ سکتا، وہ علم و فکر کی آزاد فضا میں اور قرآن و حدیث کے بلند اور وسیع آفاق میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، ان کا مبلغ علم متقدم اور اہل درس کی کتابوں کا بھلینا ہوتا ہے، وہ واضح علوم اور بہت سے فنون کا مجتہد و مجتہد ہوتا ہے، غرض مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اس کے اور اس کے مخلص معاصرین کے درمیان ایسی کشمکش پیدا کر دیتا ہے کہ یہ گتھی کبھی سلجھتی نہیں، اور وہ کبھی اپنے معاصرین کو مطمئن نہیں کر سکتا، ہر زمانہ کے صاحبِ کمال اور مجتہد الفن علماء نے اس کی شکایت کی ہے، کمال کی تعریف اور علوم و مضامین ان کے زمانہ کی علمی و نصابی سطح سے بلند اور ان اہل علم کی دسترس سے باہر ہیں، جن کی پرواز فکر تدریجی کتابوں سے آگے نہیں، اور یہی بہت سے اہل علم کی مخالفت ہے۔

بیب اور محرک ہے۔

۳۔ مخالفین کا ایک گروہ اس بنا پر مخالف تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و علم اپنی شخصیت کی تلاویزی اور بلندی کی وجہ سے عوام و خواص میں مقبول اور حکومت کے اشخاص پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے علم و تقریر کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا، وہ جہاں رہتے ہیں سب پر چھا جاتے ہیں، برس دیتے ہیں تو درس کی دوسری محفلیں بے رونق ہو جاتی ہیں تقریر کرتے ہیں تو علم کا دریا منڈتا نظر آتا ہے ذہبی نے اس معنی خیز فقرہ میں دلوں کی اس چھپی ہوئی بات کو آشکارا کر دیا ہے۔

غیراتہ یغترف من بحی وغیرہ من
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو سمندر سے پانی لیتے
الائمة یغترفون من السواقی
ہیں اور دوسرے اکابر علماء چھوٹی چھوٹی نہروں
اور زالیوں سے پانی لیتے ہیں۔

ہر زمانہ کے علماء بہر حال بشر تھے، اور انسانوں ہی کا دل و دماغ اور انسانی احساسات رکھتے تھے، اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بہت سے لوگوں کے لئے ان کی مخالفت کا موجب یہی احساس کہتری اور انسانی طبیعت کی قدیم کمزوری تھی جس سے بچنا بڑا مشکل کام ہے امام ابوحنیفہؒ سے شدید اختلاف و عناد رکھنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے یہ شعر لکھا ہے جو ہر زمانہ پر صادق ہے۔

حسد و الفتی اذ لم یثا الواسعہ فالناس اعداء لہ و خصوم

۱۔ افضل التاویہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیفات میں جا بجا اس طرف اشارے کئے ہیں، ایک جگہ "ازالۃ الخفاویہ" فرماتے ہیں "چوں اس مقدمہ بایں آب و تاب در کتب کلامیہ خواندہ تخیل کہ وحشتہ بخاطر توراہ یابد دوسری جگہ فرماتے ہیں "لیکن فہم این معنی بغایت دقیق است جسے کہ سرمایہ علم ایشان شرح و قایہ و ہدایہ باشد کجا ادراک این سرور قیق تو انند کرد" ج ۲ ص ۸۴ ۵۲ الکواکب الدریہ ص ۱۲۵

۴۔ بہت سے معاصرین کی مخالفت کا ایک قدرتی سبب شیخ الاسلام کی ایک مزاجی خصوصیت بھی تھی، جو بہت سے ان اہل کمال میں ہوتی ہے جو غیر معمولی طور پر ذہین، وسیع النظر اور کثیر المعلوم ہوتے ہیں، یعنی طبیعت کی تیزی اور ذکاوت جس، جو بعض اوقات ان کو اپنے بعض حریفوں کی سخت تنقید اور ان کے جہل اور غباوت اور قلت علم کے اظہار پر آمادہ کر دیتی ہے اور شدت تاثر میں ان کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ان کے اہل علم معاصرین اور ان کے معتقدین تلامذہ کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے اور ان کے دل میں مستقل نفرت و عناد کے بیج پڑ جاتے ہیں، جو علمی و فقہی اصطلاحات، کفر و ضلال کے فتوے اور مسلسل مخالفتوں اور دلشہ دوانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، شیخ الاسلام کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے فضائل و مناقب اور حالات بیان کرنے میں اس مزاجی کیفیت کو جو بہت حد تک ان کے حالات زندگی اور کمالات علمی و ذہنی کا نتیجہ تھی، نظر انداز نہیں کیا، علامہ ذہبی جو ان کے علمی و دینی کمالات سے بے حد متاثر ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

تعتبره حدة في البحث، وغضب	بہت کے اثناء میں کبھی کبھی ان کی طبیعت میں تیزی
وصدمة للخصوم، تنزع له مداواة	اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے مقابلوں کو مار مار کر
في النفوس، ولولا ذلك لكان كلمة	مارک تلمیح میں ہے طبیعت میں حالات کا بیج پھیلنا
لجماع فان كبارهم خاضعون	ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے فضل و کمال پر سب کا اتفاق
لعلومه معترفون باننا نحن لاساقل	اور اجماع ہوتا اس لئے کہ ان کے نام و معاصرین اور
لذلك نرسل له نظير	اکابر علماء ان کی طبیعت کی قابلیت کے سامنے سرنگدہ

ہیں اور صاحب امتیاز کہتے ہیں کہ وہ ایک دریائے
تہذیب کا تار و خنجر ہیں، جن کی کوئی نظیر نہیں۔

ان کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں کہ کسی علمی و دینی مسئلہ میں اپنے معاصرین کی کم فہمی

مطالعہ اور نظر کی کوتاہی ان سے برداشت نہ ہو سکی، اور انھوں نے برملا اس کا اظہار کر دیا اور اس ظہار
 دلی وجہ سے ان کا وہ صاحب علم معاصر ان کا مستقل حریف اور معاند بن گیا چنانچہ مسئلہ زیارت میں
 شبیب تقی ابن الاختائی مالکی نے ان کا رد کیا، اور انھوں نے ان کا تردیدی رسالہ پڑھا تو انھوں نے اس کا
 جواب لکھا جس میں ظاہر کیا کہ موصوف نہایت کم علم اور قلیل العلومات شخص ہیں اور وہ اس مسئلہ میں
 نامہ فرسائی کی یاقوت نہیں رکھتے، ان کا تبصرہ ان کے لئے آزمائش کا باعث اور مزید تکلیفوں کا سبب
 بن گیا، ان کے بعض سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ ان کی آخری نظربندی اور اسارت کی طوالت
 و رساں تحریر کی ضبطی کا سبب ان کا یہی تبصرہ اور اظہار خیال تھا۔

اسی طرح ابو حیان مفتر جو اپنے زمانہ کا امام نحو سمجھا جاتا تھا، ابن تیمیہ کی خدمت میں معتقدانہ
 نیاز مندانہ حاضر ہوا اور ان کی منقبت میں ایک زوردار قصیدہ لکھ کر لایا جس کا مطلع تھا۔

لما اتانا تقی الدین لاح لنا دواعی الله فرد مالهم قدر
 (جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے تو ہم کو ایک یاد دہی الی الشتر نظر آیا جو اپنی خصوصیات
 میں کیٹا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں)۔

اور جس کا ایک شعر ہے۔

یا من يحدث عن علم الكتاب اصح هذا الامام الذي قد كان ينتظر

(اے وہ شخص جو علم کتاب کی باتیں کرتا تھا، غور سے سن یہی وہ امام ہے جس کا مدت سے انتظار تھا)

اشنائے گفتگو میں نحو کے کسی مسئلہ پر بات چیت شروع ہو گئی، ابو حیان نے اپنے قول کی تائید میں
 سیبویہ کا حوالہ دیا، اس کی توقع تھی کہ ابن تیمیہ سیبویہ کا نام سن کر خاموش ہو جائیں گے، اور تسلیم خم
 کر دیں گے لیکن اس کی توقع کے بالکل خلاف اس کو جواب ملا کہ سیبویہ کوئی نحو کا نبی معصوم تو نہیں تھا

اس نے کتاب میں ۸۰ جگہ غلطی کی ہے جن کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے، یہ سن کر ابو حیان کی طبیعت ایسی منفص ہوئی کہ اس نے اس قصیدہ کو اپنے دیوان سے خارج کر دیا، اور ابن تیمیہ کا نہ صرف غیر معتقد بلکہ ہمیشہ کے لئے مخالف اور ناقدر بن گیا۔

۵۔ مخالفت کا ایک سبب ان کی بعض وہ تحقیقات اور ترجیحات ہیں، جن میں وہ متفرد اور مذہب مشہورہ اور ائمہ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں، جن لوگوں کی فقر و خلاف کی تاریخ اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال و مسائل پر وسیع نظر ہے ان کے لئے تو یہ تفردات کوئی وحشت کی چیز اور ابن تیمیہ کے فضل و کمال کے انکار کا موجب نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر ائمہ مشہورین اور اولیائے مقبولین کے تفردات اور مسائل غریبہ جمع کر دیئے جائیں تو یہ تفردات بہت ہلکے اور معمولی نظر آنے لگیں، اور ان لوگوں کا حسن اعتقاد جو "تفرد" کو مقبولیت اور حقانیت کے منافی سمجھتے ہیں، اور ان کے لئے عظمت و ولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی قول اور کوئی تحقیق مشہور تحقیقات کے خلاف نہ ہو، تزلزل میں پڑ جائے گا، خود شیخ علی الدین ابن عربی جن کی عظمت و ولایت کا ایک عالم قائل ہے ایسے بہت سے فقہی اور کلامی مسائل میں متفرد ہیں، جن میں وہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں اور ان سے پہلے کسی نے ان آراء اور تحقیقات کا اظہار نہیں کیا، ان کے یہ تفردات ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے علمائے سنت کے لئے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

لیکن جن لوگوں کی نظر "خلافیات" پر اتنی وسیع نہیں، یا جو مستندین کے لئے تو تفرد اور "شذوذ" کی اجازت دے سکتے ہیں، لیکن کسی صاحب کمال اور صاحب نظر مباحثہ کے لئے ان کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں، ان کے لئے یہ تفرد بھی موجب مخالفت اور فساد عقیدہ اور ضلالت اور خرق اجماع کی دلیل بن گیا، اس سلسلہ میں امیر المؤمنین فی الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ قول

لے علامہ نعمان آلوسی نے جلاء العینین میں ان تفردات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو جلاء العینین ص ۵۵۵

(جو اوپر نقل ہو چکا ہے) بڑا معتدل و متوازن اور افراط و تفریط سے پاک ہے وہ فرماتے ہیں:۔

فَالَّذِي اصاب فِيهِ وَهُوَ الْاَكْثَرُ جن مسائل میں وہ اپنے اجتہاد سے صحیح نقطہ پر
يُسْتَفَادُ مِنْهُ وَيَتَّخِذُ عَلَيْهِ سَبِيْهً پہنچ گئے ہیں (اور تعداد میں وہی مسائل زیادہ
وَالَّذِي اخطأ فِيهِ لَا يَقْلَدُ فِيْهِ بَلْ ہیں) ان میں تو ان سے استفادہ کیا جائے اور ان کی
هُوَ مُعَذُوْرٌ وجہ سے ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور
جن میں ان سے اجتہاد غلطی ہوئی ہے ان میں ان کی
تقليد نہ کی جائے بلکہ ان کو معذور سمجھا جائے۔

۶۔ ان کی مخالفت کا ایک قوی سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس طرز کلام اور صفات و تشابہات کی تاویل کے اس طریقہ کی مخالفت کی، جو عقیدہ اشعریہ بلکہ عقیدہ اہل سنت کے نام سے موسوم تھا، اور اس سے عدول یا توجہالت پر محمول کیا جاتا تھا یا مخالفت اہل سنت پر اور تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے اس سے پوری جرأت و قوت کے ساتھ اختلاف کیا، اور صفات کے بارے میں صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین، متقدمین امام ابو الحسن اشعری، قاضی ابوبکر الباقلائی اور امام احمرین تک کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ایسی مسئلہ شئی کے لائق اور تشبیہ و تجسیم نیز نفی و تعطیل سے منزہ اور پاک ہے، وہ دعوے سے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نقض و ظاہر ایک لفظ بھی صحابہ تابعین و سلف سے ثابت نہیں۔

اس وقت تمام عالم اسلام پر اشعری العقیدہ علماء و متکلمین کا اثر تھا، امام ابن تیمیہؒ کا یہ

اختلاف جو خالص علمی بنیادوں پر تھا، ایک بدعت اور یتیم غیر سبیل المؤمنین کا مرادف

سمجھا گیا، اور ان پر تجسیم کا الزام لگا گیا، اس وقت چونکہ تاویل ہی پر زور دیا جا رہا تھا اس لئے ان کا سارا زور قلم اسی کے مقابلہ میں صرف ہوا تاویل کی تردید میں ان کی اس بلند آہنگی سے لوگوں کو ان پر تجسیم کا شبہ ہوا، اس سلسلہ میں یہاں تک غلو کیا گیا کہ ان کی طرف وہ روایات منسوب کی گئیں جن سے ان کا صاف صاف فرقہ مجتہد میں ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ جامع اموی دمشق میں خطبہ دے رہے تھے، انھوں نے منبر کے ایک زینہ سے دوسرے زینہ پر قدم رکھا، اور کہا کہ جس طرح میں نے نزول کیا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے، امام ابن تیمیہ نے اور ان کے تلامذہ نے اس الزام کی پر زور تردید کی ہے، اور بار بار کہا ہے کہ جس طرح وہ تعطیل کے منکر ہیں، اسی طرح وہ تجسیم کے دشمن ہیں، پھر بھی تاویل کے خلاف انھوں نے ضرورتاً جس شد و مد سے لکھا اور کہا ہے اس کو مخالفین نے تجسیم کے ثبوت میں پیش کیا ہے، بہت سے علماء اور ان کے قلعین کی مخالفت کے اسباب میں سے ایک قوی سبب یہ بھی تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل و تجسیم کے درمیان کا یہ راستہ اتنا ہی نازک ہے کہ ہر شخص کی گرفت میں آنا مشکل ہے، پھر جبکہ جنابہ اور منکرین تاویل میں سے مستعد اشخاص تجسیم کی سرحد میں داخل ہو گئے، امام ابن تیمیہ پر تجسیم کا الزام لگنا خلاف قیاس و مستبعد نہیں، اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

۲۔ مخالفت کا ایک سبب شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربی کی مخالفت ہے، بہت سے اہل روایت ابن بطوطہ نے ایک چشم دید واقعہ کے در پر اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے، راقم سطوں نے علاؤ الدین شیخ ابو جعفر سے اس کا ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ تاریخی حیثیت سے یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، خود ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ وہ دمشق رمضان ۷۲۷ھ میں آیا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ شیخ الاسلام شعبان ۷۲۷ھ میں مجوس ہو چکے تھے، پھر ابن تیمیہ کبھی بھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے، اس زمانہ میں جامع اموی کے خطیب شیخ جمال الدین قزوینی تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ کو اشتباہ ہو یا غلط بیانی سے کام لیا۔

لوگوں کے نزدیک خصوصاً جو تصوف کا مذاق رکھتے ہیں، ابن تیمیہ کا یہ جرم ناقابل معافی ہے اور ان کے تمام محاسن و کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے کہ انھوں نے شیخ اکبر کے مشہور آراء و تحقیقات اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کی پر زور تردید کی ہے اور وہ ان کے مخالفین میں سے ہیں۔
اس سلسلہ میں اگرچہ ہمارا مسلک اور ذوق بعینہ وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرسندیؒ نے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

مجاہد کا رد و باراست، شیخ محی الدین از
مقبولان نظری آید و اکثر علوم او کہ مخالف
آراء اہل حق اند، خطا و ناصواب ظاہری شود۔
عجب معاملہ ہے شیخ محی الدین مقبولین میں نظر آتے
ہیں، لیکن ان کے اکثر علوم جو اہل حق کے مسلک کے
مخالف ہیں، خطا اور ناصواب معلوم ہوتے ہیں۔
اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

اکثر معارف کشفیہ او از علوم اہلسنت
جدا افتادہ است از صواب و درست
بس متابعت نہ کند آن را، مگر کے کہ دش
مرضی است یا مقلد صرف۔
ان کے اکثر کشفی علوم جو اہل سنت کے علوم
سے اختلاف رکھتے ہیں، صحت سے دور
ہیں، ان کی پیروی یا تودہ کرے گا جس کا
دل بیمار ہے یا مقلد محض۔

لیکن جہاں تک شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید و اختلاف کا تعلق ہے وہ اس میں مغرور نہیں،
صاحب جلاء العینین نے ان لوگوں کی فہرست دی ہے جو اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کے ہمنوا ہیں ان میں سے
متعدد نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، اس فہرست میں ہم کو علامہ سخاوی، علامہ
سعد الدین تفتازانی، ملا علی قاری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوحیان مفسر، شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام
حافظ البوزر، شیخ الاسلام سراج الدین السلقینی جیسے نامور علماء و ائمہ فن نظر آتے ہیں۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت شیخ اکبر سے ذاتی اور جذباتی نہیں وہ دینی حمیت اور شرعی غیرت کی بنا پر ہے اور سلف اور خلف میں اس کی بیشمار نظیریں ملتی ہیں کہ اہل حمیت اور محافظین شریعت نے جب کسی شخص کا کوئی ایسا قول دیکھا جو اس کو سنت و شریعت کے نصوص اور اس کے متواتر قطعی عقائد کے خلاف نظر آیا، تو انھوں نے اس قول کی تردید کی، اور صاحبِ قول کی عظمت و شہرت اور اس کی ولایت و مقبولیت کے آثار بھی اس کو اس تردید سے باز نہ رکھ سکے، اس لئے کہ ان کے نزدیک شریعت کی حرمت اور مقامِ نبوت کی عظمت ہر حرمت سے مقدم اور ہر عظمت سے بالاتر تھی، خود حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے مواقع پر اپنے فاروقی جوش اور حمیت دینی کے خروش کو روک نہیں سکے، اور بڑی قوت سے ایسے اقوال کی تردید کرتے ہیں، ان کو کسی نے لکھا کہ شیخ عبدالکبیر مبنی اس کے قائل ہیں کہ اللہ عالم الغیب نہیں ہے اس پر تحریر فرماتے ہیں :-

مخدوم! فقیر را تاب استماع امثال این سخنان هرگز	مخدومی! فقیر کو ہرگز اس طرح کی باتیں سننے کی
نیست بے اختیار گنج فاروقیم در حرکت می آید	تلبہ نہیں بے اختیار میری دگ فاروقی حرکت
و فرصت تاویل و توجہ آن نمی دہد قائلین سخنانہ	میں کہتا ہوں ہے اور ایسے اقوال کی تاویل و توجہ
شیخ کبیر مبنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی	کی فرصت نہیں دیتی اس طرح کا متوالہ شیخ کبیر
علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در کار است	مبنی کا اور یا شیخ اکبر شامی کا میں محمدی صلوات
نہ کلام محی الدین عربی و صدر الدین قونوی	علیہ وسلم کا کلام خدا کا ہے نہ کہ محی الدین عربی
و عبدالرزاق کاشی مارا بنص کار نیست	و صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا یہ کہ
نہ بنص، فتوحات مدینہ از فتوحات مکہ	نص سے کام ہے نہ کہ نص سے فتوحات مدینہ

اے خواہ وہ حقیقت میں نہ ہو لیکن انسان اپنی فخرانہ بصیرت و فہم ہی کا سگ ہے، عالم السراۃ امام الشیخ سہروردی نے فرمایا ہے کہ یہ نصوص کتاب و سنت مراد ہیں سے شیخ اکبر کی مشہور کتاب نصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے، یہ تعلیمات کتب و سنت سے

مستغنی ساختہ است۔

نے ہم کو فتوحات کیلئے مستغنی کر دیا ہے۔

یہ حیت و جوش اور یہ اختلاف و انکار جس کا باعث و محرک دینی حیت اور کتاب و سنت کی حمایت نصرت کے سوا کچھ نہ ہو، اور یہ الشرا اور اس کے رسول کو ماسوا پر ترجیح دینا اور جس سے محبت کرنا انہی کے لئے محبت کرنا، کسی شخص کے معائب میں شمار ہونے کے لائق نہیں، اس کے اعلیٰ فضائل و مناقب میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، اس لئے کہ وہ اس حدیث کا صحیح مصداق ہے۔

ثَلَاثٌ مِنْ كَفِّهِ وَجَدَ فِي حِلَاوَةِ
الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ
إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا
لَا يَحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي
الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ انْقَضَى اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ
أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ

تین باتیں جس میں ہوں گی، اس کو ان کی وجہ سے
ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی، ایک یہ کہ الشرا اور اس کا
 رسول، اسو اسے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ
آدمی کسی شخص سے محض الشرا تعالیٰ کے لئے محبت کرے
تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے سے
اس کے بعد کہ الشرا تعالیٰ نے اس کو اس سے نجات
دے دی ہو ایسی ہی نفرت معلوم ہوتی ہو، جیسے آگ
میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

۸۔ ایک گروہ کو ان کی طرف سے شدید غلط فہمیاں اور مغالطے تھے، بعض غیر محتاط و متعصب مفسرین
نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی جو عام عقیدۃ الہی سنت اور جمہور کے مسلک کے مطابق
موجب کفر ہیں، اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کئے گئے جن سے مقام رسالت میں سوء ادب اور
تقصیر کا پہلو نکلتا ہے (اعاذنا اللہ وجميع المسلمين منہ) یہ معاملہ تنہا امام ابن تیمیہ کے ساتھ نہیں
کیا گیا، دوسرے اکابر امت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں، ان کی طرف نہ صرف ان

۱۔ مکتوبات امام ربانی، مکتوب مقدم جلد اول۔ ۲۔ شیخ اکبر کی مشہور کتاب۔ ۳۔ بخاری و مسلم۔

اقوال و عقائد کی نسبت کی گئی جن سے وہ بالکل بری تھے، بلکہ ان کی کتابوں میں ایسے مضامین شامل کیے گئے جو موجب کفر و ضلال تھے ایک قدم اس سے بڑھ کر مستقل کتابیں (جو کفریہ اقوال پر مشتمل تھیں) تصنیف نہ کر کے ان کی طرف منسوب کر دی گئیں، اور ان کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی گئی، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے ساتھ یہی سلوک ہوا، ایک بڑے گروہ علماء کا خیال ہے کہ المصنوع بہ علی غیر اہلہ، اللعنون بہ علی اہلہ، معارج القدس، مشکوٰۃ الانوار، بے اصل اور منحول کتابیں ہیں جو امام غزالیؒ کے دشمنوں اور بدخواہوں نے تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتابوں میں بھی امام شعرانیؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ عمل ہوا ہے، اور مضامین و مواد کی آمیزش کی گئی ہے، امام شعرانیؒ خود اپنی کتابوں کے متعلق ایک دھچپ اور عبرت انگیز تجربہ لکھتے ہیں: **الاجوبۃ المرضیۃ میں فرماتے ہیں کہ:-**

• میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والہود میں بعض حاسدوں نے ایسے مضامین شامل کر دیئے جو مخالف شریعت تھے، اور جامع ازہر وغیرہ میں ان کو خوب گشت کرایا، اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ میں نے اپنا صحیح اور محفوظ نسخہ علماء کے پاس بھیجا جس پر بڑے بڑے علماء و شائخ اسلام نے تقریظ و توثیق لکھی تھی، اس وقت ان کا ان اسحاقی مضامین کی حقیقت معلوم ہوئی اور فتنہ فرو ہوا:

ابن تیمیہ کے ساتھ شروع سے ان کے معاصرین اور بعض متعصبین کا جو معاملہ رہا ہے اس کی بنا پر یہ بات قطعاً محل تعجب نہیں کہ ان کی طرف بھی اقوالی کفریہ اور ابانت امیر مضامین کا ایک طہار منسوب کر دیا گیا ہو، اور بہت سے مخلصین اور اہل حیات علماء اس سے متاثر ہو کر ان کی مخالفت بلکہ تفسیل و کفر پر آمادہ ہو گئے ہوں، خود آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کی ابتدا میں متعصبین و مخالفین کا ایک گروہ اس بارے میں اتنا غلو اختیار کر چکا تھا کہ وہ اس کا فتویٰ دیتا تھا کہ جو ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے اس کی تردید اور ان کی صداقت و عظمت اور امامت کے ثبوت میں حافظہ و عقل و شہادت

الشافعی (م ۴۴۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب الرد الوافق علی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام

کاغذ لکھی جس میں ستاسی اکابر و شاہیر علماء و ائمہ فن کی رائے اور تاثرات و اعترافات اور ان کی عظمت و امامت کے متعلق ان کی شہادتیں نقل کیں، اس کتاب چرس میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے تقریظیں لکھیں، اور ان کی تائید اور شیخ الاسلام کی دل کھول کر تعریف و تحسین کی اور ظاہر کیا کہ وہ بلاشبہ صحیح العقیدہ سنی المسلک اور مسلم شیخ الاسلام تھے، علامہ عینی نے یہاں تک لکھا کہ من سبه الى الزندقة فهو زنديق وقد سارت تصانيفه الى الآفاق وليس فيها شيء مما يدل على الزيغ والشقاق“ (جو ان پر زندقہ کا الزام لگائے وہ خود ملحود و زندقہ ہے، ان کی تصنیفات دنیا میں پھیل گئی ہیں، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو ضلالت اور مخالفت اہل سنت پر دلالت کرے۔)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور ان بے اصل اقوال و نقول کی نقل و نقل ہوتی رہی اور لوگ اس سے متاثر ہو کر ان کے خلاف قلم اٹھاتے رہے، اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم اور مصنف علامہ ابن حجر مکی ہیں، جنہوں نے ابن تیمیہ کے خلاف بہت سخت فتویٰ لکھا، اور ان کے متعلق ان کے قلم سے ”عبد خذله الله تعالى وامله واعماله“

لے یہ کتاب ایک مجموعہ میں جس کی جمع و ترتیب فرج انشزکی کر دی ہے، شیخ عبد القادر لمسانی کے اہتمام سے مطبعہ کردستان مصر میں ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی، شیخ کے حالات کا ایک بہت بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔

۲۰ ولادت ۱۲۹۹ھ (مصر) وفات ۱۳۶۳ھ (مکہ معظمہ) تصنیفات میں تحفۃ المحتاج (۲۰۳-۲۰۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر الصواعق المبرقة“ اور الفتاویٰ الفقہیۃ والمحدثیۃ“ خاص طور پر مشہور ہیں یہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کے علاوہ اور ان سے متاخر ہیں، ابن حجر عسقلانی حدیث کے مشہور امام اور نہایت محقق اور وسیع النظر عالم ہیں، متاخرین میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، ابن حجر مکی علم و وسعت نظر و وسعت قلب اور تحقیق میں اپنے نامور ہم نام کو نہیں پہنچتے۔

وامتہ واذلہ جلیے الفاظ نکلیے۔

لیکن اسی فتوے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ ابن حجر نے ابن تیمیہ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، اور ان کے معلومات ذاتی اور براہ راست نہ تھے، ان کا سارا اعتماد اور فتویٰ کی بنیاد ان منقولات و شہورات پر ہے جو اس زمانہ میں ان کے مخالفین اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور اپنی مجلسوں میں ذکر کرتے تھے، وہ اسی فتویٰ میں شیخ الاسلام کے کلامی و فقہی تفردات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وقال بعضهم ومن نظرانی کتبہ لم یسب الیہ اکثر هذا السائل" (بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جس شخص نے ان کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا ہے، وہ مذکورہ بالا مسائل میں اکثر کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں مانتا) فتوے کے آخر میں پناہ و ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں: "فان متعنه مکفرا و مبتدع یعاملہ اللہ تعالیٰ بعدلہ والایضرا اللہ تبارک و تعالیٰ" (اگر ان کو کوئی ایسا عقیدہ ثابت ہو گیا، جو موجب کفر یا بدعت ہے تو اللہ اپنے عدل کے ساتھ ان سے معاملہ کرے، ورنہ ہماری اور ان کی بخشش فرمائے)۔

اس فتویٰ کا جواب اور ابن تیمیہ اور ابن حجر کا فاضلانہ محاکمہ بغداد کے مشہور علمی خاندان کے رکن، فخر عراق علامہ محمود آلوسی صاحب "ربع المعانی" کے نامور فرزند علامہ خیر الدین نعمان آلوسی زادہ نے اپنی ضخیم تصنیف "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" میں کیا ہے، اور علامہ موصوف کے ایک ایک لفظ کا مفصل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان منقولات کا ایک حصہ تو بالکل بے اصل اور بے بنیاد اور افتراء محض ہے، اور شیخ الاسلام کی کتابوں میں بالکل اس کے خلاف اور برعکس تصریحات اور بیانات ملتے ہیں، ایک حصہ (جو بہت ہلکا) ہے، وہ تفصیل کا محتاج ہے، اس کی یا تو وہ حقیقت نہیں جو بیان کی گئی ہے، یا وہ اس میں متفرد نہیں، اس کے علاوہ انہوں نے اس کتاب میں شیخ الاسلام کی سیرت اور حالات کا بھی ایک گراں قدر اور قیمتی ذخیرہ جمع کیا ہے۔

ابن حجر مکی کے بعد سے اس وقت تک علمائے محققین اور وسیع النظر اور منصف مصنفین علامہ
ابن حجر سے اس بارے میں اپنا اختلاف ظاہر کرتے رہے اور اپنی تصنیفات و رسائل میں شیخ الاسلام
ابن تیمیہ کی برأت اور ان کی عظمت اور علوم مرتبت کا اظہار کرتے رہے خود علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد
رشید ملاحی قاری کو شیخ الاسلام کے بارے میں اپنے استاد کی رائے سے اختلاف ہے وہ اپنی تصنیفات میں
ارے بلند تعریفی کلمات میں ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، شرح شمائل ترمذی اور مرقاۃ تشریح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ومن طالع شرح منازل السائرین تبیین
لذہ انہما کانامن اکابر اہل السنۃ
والجماعۃ ومن اولیاء ہذہ الامۃ۔
جو شخص منازل السائرین کی شریعت (مدارج السالکین)
کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ
اور ابن قیم اہل سنت و جماعت کے اکابر اور

اس امت محمدی کے اولیاء و اشراف سے تھے۔

آخر میں امام المتأخرین شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ
کی طرف سے پر زور دفاع کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ وہ نہ صرف سنی العقیدہ اور سلفی المسلك
عالم تھے، بلکہ شریعت کے بہت بڑے ترجمان اور وکیل اور کتاب و سنت کے مخلص خادم اور امت
محمدیہ کے ایک جلیل القدر عالم تھے ان کا وجود نوادرد روزگار میں سے تھا، جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے

اسلامیہ کتاب جو باریک مصری ٹائپ کے ۲۱۲ صفحات میں ہے، ۱۲۹۰ھ میں مطبعہ بوق مصر میں طبع ہوئی ہے۔

فقہ ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں شمار تھا، کلمہ منکر کا سفر کیا، اور وہیں سکونت اختیار
فرمائی، مناسک حج اور فقہ و حدیث کے ممتاز ترین علماء میں تھے تصنیفات میں مرقاۃ، شرح فقہ اکبر، شرح شفاء، شرح
شمائل ترمذی، شرح نخبہ، شرح شاطبیہ، شرح جزیریہ، خلاصۃ قاموس وغیرہ مشہور ہیں تصوف و معرفت کے بھی لذت آشتی
۱۲۹۰ھ کو وفات ہوئی، جامع اذہر مصر میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

جن لوگوں نے ان کی مخالفت اور ان کا تعقب کیا ہے، ان کو علم و نظر میں ان سے کوئی نسبت نہیں ہے، شاہ صاحب جلیلین کتاب سنت اور علماء اسلام کی تعدیل فرماتے ہوئے اور حدیث مشہور بحمل هذا العلم من كل خلف عدوله (اس علم کتاب سنت کے حامل ہر نسل میں سے عادل لوگ ہوں گے) سے استدلال کرتے ہوئے شیخ الاسلام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وعلى هذا الاصل اعتقدنا في شيخ
الاسلام ابن تيمية رحمه الله تعالى
فانا قد تحققنا من حاله انه عالم بكتاب
الله ومعانيه اللغوية والشرعية
وحافظ لسنة رسول الله صلى الله عليه
وسلم واثار السلف عارفا بمعانيها
اللغوية والشرعية، استاذ في النحو
واللغة محرز لمذهب المناطقة فروع
واصوله فائق في الذكاء ذو لسان
وبلاغة في الذب عن عقيدة
اهل السنة لم يؤثر عنه فتوى
ولا بدعة اللهم الا هذه الامور
التي صُتق عليه لاجلها وليس شئ
منها الاومعه دليله من الكتاب
والسنة واثار السلف فمثل

اسی بنیاد پر ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں
عقیدہ رکھتے ہیں، ہم پر ان کے حالات سے ثابت
ہو چکا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے عالم اس کے لغوی
اور شرعی معانی سے بخوبی واقف، نحو و لغت
میں ماہر مذہب حنابلہ کے فروع و اصول
کی تنقیح و تدوین کرنے والے، ذکاوت میں
یگانہ، بڑے زبان آوارہ عقیدہ اہل سنت
کی حمایت و مدافعت میں بڑے فصیح و بلیغ
تھے.....

اچھ کوئی فسق یا بدعت کی بات ثابت نہیں
بس یہی چند مسائل ہیں جس کے بارے میں
ان کے ساتھ سختی کی گئی، ان میں بھی کوئی
ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں ان کے
پاس کتاب و سنت و آثار سلف میں سے
کوئی دلیل نہ ہو، ایسے فاضل کی نظیر علم میں

هذا الشيخ عزيز الجود في العلم
ومن يطيق ان يلحق شأفه في
تحريره وتقريره، والذين صيقوا
عليه ما بلغوا معشار ما اتاه الله تعالى
وان كان تضيقه ذلك ناشئاً
من لجهاد ومشاجرة العلماء
في مثل ذلك ما هي الا مشاجرة
الصحابه رضي الله تعالى عنهم
فما بينهم والواجب في ذلك كشف
اللسان لا بغيره

لمنى مشکل ہے اور کس کی مجال ہے کہ تحریر و
تقریر میں ان کے پایہ کو پہنچے اور جن لوگوں
نے ان پر تشدد کیا، ان کو ان سے ان کے
کلمات و خصوصیات میں کوئی نسبت نہیں
تھی، اگرچہ یہ تشدد ایک اجتہادی امر تھا
علماء کا اختلاف اس بارے میں مشاجرات
صحابہ ہی کی طرح ہے اس میں مناسب
یہی ہے کہ زبان کو روکا جائے اور خیر کے
سو اچھے منہ سے نہ نکالا جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے اس تزکیہ و شہادت اور ان بلند توصیفی کلمات کے بعد
یہ ایسے عالم یا مصنف کی جرح جس کی ابن تیمیہ کے آفاق علم و فکر تک رسائی نہ ہو کوئی

یہ اس عربی مکتوب کا ایک حصہ ہے، جو حضرت شاہ صاحب نے اپنے ایک فاضل معاصر مخدوم معین الدین
مہوی (ٹھٹھہ صوبہ سندھ) کے جواب میں لکھا تھا، فاضل موصوف نے شاہ صاحب سے امام ابن تیمیہ کے بعض
کلمات اور ان کے مخالفین کے اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے بارے میں آپ کی رائے پوچھی تھی،
مخدوم مکاتیب شاہ صاحب کے مشہور عمید و سرشد خواجہ محمد امین کشمیری کا مرتب کیا ہوا ہے، یہ مجموعہ مکتوبات
بناقرب ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری و فضیلت ابن تیمیہ کے نام سے مطبع احمدی میں چھپا ہے، جلا، لاہور

یہ عبارت بحفہ منقول ہے۔ (۲۵-۲۶)

علمی وزن نہیں رکھتی، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو بیحد علمی، تنوع
 کمالات، مجتہدانہ فکر و نظر، اختلافات میں مسلک اعتدال اور علمائے اسلام کی مرتبہ شناسی کا
 عطا فرمایا تھا، اس کے بعد ان کا قول اس بابے میں قول فیصل ہے۔ ع
 داستانِ فصلِ گلِ خوش می سراید عند لیب



شیخ الاسلام ایک عارف باللہ اور محقق

عموماً لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ایک متکلم و مناظر و محدث اور فقیہ (جدلی) کی حیثیت سے جانتے ہیں، ان کے علمی کمالات اور ان کی مناظرانہ تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کرتے ہیں، وہ ایک نہایت ذہین و ذکی، وسیع العلم، قوی الحجّت اور ایک عالم ہرے کچھ اور زیادہ نہیں ہوتا، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کو مستثنیٰ کر کے (جنہوں نے شیخ الاسلام ہر وی کی کتاب منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں اپنی اور اپنے بزرگ استاد کی زندگی کا باطنی پہلو محفوظ کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ دونوں اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ اور صاحب ذوق و معرفت بزرگ تھے) جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، یا ان کے متاخر جمیعین و متبیین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہے، وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہر میں سے زیادہ مقام نہیں دے سکے، لیکن مدارج السالکین میں ابن قیمؒ نے جتنے جتنے شیخ الاسلام کے جواوہر و احوال و مناقب کے ہیں، اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بر سبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق، احوال و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص من قیجہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل الشر میں کیا جانا

چاہئے، اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد پر
 بہرہ مند تھے جن کے حصول کے لئے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، انٹروفن سلوک کی صحبت اور
 دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو تاخرین صوفیہ نسبت مع ۱۱۱
 سے تعبیر کرتے ہیں "وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق و معرفت ایمان حقیقی اور یقین اخلاص اور
 تزکیہ باطن اور تہذیب اخلاق، کامل اتباع سنت اور فنائی الشریعت وہ حقیقی مقاصد ہیں
 جن کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، یقین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک وسیلہ
 منحصر نہیں مانتے، بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا) کہ طرق الوصول
 الى الله بعد انقاس الغلائی "ابتداء میں ان مقاصد کے حصول کے لئے سب سے مؤثر اور طاقتور
 ذریعہ صحبت نبوی تھی جس کی کیمیا اثری عالم آشکارا ہے، اس نعمت سے محرومی کے بعد اطباء و
 اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل جوڑ کئے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحابہ
 اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا، جس کا ایک منہج اور مدقن طریقہ وہ نظام ہے جو تصوف و سلوک کا
 نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کا انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل پر منحصر
 نہیں، اجتباء و موہبت کے علاوہ ایمان و احتساب، محاسبہ نفس، سنتوں کا تتبع، کتب حدیث
 شامل سے محبت و عظمت کے ساتھ اشتغال کثرت نوافل و دعا، کثرت درود، نیت و احتساب
 ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ ان میں سے کوئی ایک چیز
 استحضار و اہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے، وسائل مختلف
 لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صراط المستقیم، محفوظات حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ مولانا اسماعیل خلیفہ مولانا
 بالخصوص حصہ سلوک راہ نبوت۔

ہو سکتے ہیں، لیکن مقصود ایک ہے، شیخ الاسلام کے حالات کے مجموعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مقصود حاصل تھا، اور اسی کا اظہار یہاں مقصود ہے۔

کسی شخص کے متعلق اس کے بے تکلف حالات و اذواق، اخلاق و عادات اور کیفیات دیکھ کر اس بات کی شہادت دی جاسکتی ہے کہ وہ عارفین و محققین اور مقبولین و کاملین میں سے تھا، اس کا دلی ظاہری مقياس اور پیمانہ اور کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی، اہل الشر اور عارفین کے حالات بکثرت پڑھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے ایک سلیم الفطرت اور صحیح الذوق انسان کو ایک ملکہ اور وجداً حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے لیکن پھر بھی کچھ حالات و علامات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیت و اذواق اور اہل الشر کے اخلاق سے بہرہ مند ہے، مثلاً ذوق عبودیت و انابت (توجہ الی اللہ) کی ایک خاص کیفیت، عبادت کا ذوق و انہماک، ذوق دعا و ابتهال، زہد و تجرید و تحقیر دنیا، سخاوت و ایثار، فروتنی اور بے نفسی، سکینت و سرور، کمال اتباع سنت، صاحبین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت، متبعین و محبین کی دینداری اور حسن سیرت وغیرہ وغیرہ ہم اس موقع پر انہی عنوانات کے ذیل میں شیخ الاسلام کے معاصرین اور مورخین کی شہادت اور ان کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

ذوق عبودیت و انابت

ذوق عبودیت و انابت الی اللہ کی حقیقی کیفیت اس بات کی تین شہادت ہے کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے بھرپور اپنی بے بسی، بیچارگی اور مالک الملک کی قدرت و جلال کے مشاہدے سے پر نور ہے، یقین و مشاہدہ جب باطن میں پیدا ہو جاتا ہے، تب الفاظ اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حقیقت و تکلف میں زمین و آسمان کا فرق ہے،

یہ فرق صاحب نظر اور صاحب وجدان سے چھپ نہیں سکتا۔

ليس التكلُّ في العينين كالكل

ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یقین و مشاہدہ حاصل تھا، اور اس نے ان کے اندر ایک فقار و اضطراب اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی، گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی، تو وہ کسی سنان مسجد میں چلے جاتے تھے، اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ یا معلم ابراہیم، فہمنی! (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما) ذہبی کہتے ہیں۔

لم أدر مثله في ابتهاه واستغاثته

و کثرة تعجبه۔

وہ فرماتے ہیں:-

انه ليقت خاطر في المسئلة او الشئ

او الحالة التي تشك على فاستغفر

الله تعالى الف مرة او اكثر و اقل حتى

ينشرح الصدر و يخلى اشكال ما شك

جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہ ہوتی، فرماتے ہیں:-

واكون اذ ذلك في السوق او المسجد

او الدرب او المدينة لا يمنعني ذلك

ایسی حالت میں کہیں بازار میں کہیں مسجد میں یا گلی یا درے

میں ہوتا ہوں لیکن ذکر استغفار میں کوئی رکاوٹ نہیں

له العقول المدية ص ۷۷

من الذکر والاستغفار الی ان أنال
مطلوب لہ
پیش آتی، اور براہِ مشغول رہتا ہوں یہاں تک کہ
مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔

یقین اور ذوقِ عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہے، اور باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو انسان
میں اپنی بے بسی و بیچارگی، اپنی تہی دستی و بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ آستانہ نشانی
پر کشول گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہے، اس وقت
اس کے رومیں رومیں سے یہ صدا آتی ہے کہ

مفلانیم آمدہ در کوے تو شیاً لشر از جمالِ روے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما آفریں بردست و بر بازوے تو
ابن تیمیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت فقر اور یہ عزت تذل حاصل تھی،
ابن تیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس بارہ میں ایسا حال دیکھا ہے جو کسی کے
یہاں نظر نہیں آیا، وہ فرماتے تھے، نہ میرے پاس کچھ ہے نہ میرے اندر کچھ ہے، وہ اکثر یہ شعر پڑھتے۔

انا المکذی انا المکذی وھکذا کان الی وجہی
(ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! اور کوئی نیا بھکاری نہیں،
خاندانی بھکاری ہوں، اور پستی سائل، میرا آپ بھی تیرے در کا بھکاری تھا، اور میرا دادا بھی)

ذوقِ عبادت و انہماک

عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اس کی لذت
اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہوا اور وہ اس کے درد کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے

لہ الکواکب الدریہ ص ۱۳۵

اور اس کو مقام "جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ" اور "احیا بلال" سے مناسبت نہ بخشی جائے ابن تیرث کے معاصرین اور واقفین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا، اور ان کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، الکواکب الدرئیہ میں ہے۔

وکان فی لیلہ منفرداً عن الناس	رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے تھے اس
کلہم خالیاً بربہ عزوجل منارحاً	وقت خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا وہ تھے اور
الیہ مواظباً علی تلاوۃ القرآن العظیم	گریہ و زاری برابر قرآن مجید پڑھتے رہتے رات
مکثراً لأنواع التعبّات اللیلیۃ والنہاریۃ	اور دن مختلف قسم کے نوافل و عبادات میں مشغول
وکان اذا دخل فی الصلاۃ توقّد فرائضہ	رہتے جب نماز شروع کرتے تو ان کے شانے اور
واعضاؤہ حتی یمیل یمیناً ویشمالاً	اعضاؤہ کا پنے لگے یہاں تک کہ ان کو دائیں بائیں لرزنا

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت اور نشاط، ذکر و عبادت سے قائم ہوتا ہے اگر اس میں فرق واقع ہوا تو ان کی قوت جواب دے جاتی ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ فاقہ ہوا، ابن قیم لکھتے ہیں۔

وکان اذا صلی الفجر یجلس فی مکانہ حتی	نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھتے یہاں تک کہ دن
یتعالی النہار جذا یقول ھذا غدوۃ	اچھی طرح سے چڑھا آنا کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ میرا
لولم اتغذ ھذا الغد و ھذا سقطت	ناشتہ ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں
قوائی۔	مقوٰط ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔

اس ذوق و اہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمادیتا ہے اور ذکر و عبادت و معمولات طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں، ذہبی لکھتے ہیں۔

۱۷ الکواکب ص ۱۵۲ ۱۷۲ الرد الوافر ص ۳۳

لہ اور اذکارید منها کیفیۃ و صبیۃ
وہ اپنے اور اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے
اور ہر حالت میں جمعیت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

زہد و تجرید و تحفیر دنیا

زہد اور دنیا کی تحفیر کی سچی کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی حقیقت پوری طرح منکشف اور زان الذار الآخرة نہی الجنان اور مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَنْتُمْ كَالْحَالِ پوری طرح طاری نہ ہو جائے اور یقین اور معرفت صحیحہ اور تعلق بالشر کے بغیر ممکن نہیں ان کے معاصرین نے ان کے زہد و تجرید اور فقر اختیار کا جا بجا تذکرہ کیا ہے ان کے رفیق درس اور ہم عصر شیخ علم الدین البرزالی (م ۷۳۸ھ) فرماتے ہیں :-

وَجَرَى عَلَى طَرِيقَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ
اخْتِيَارِ الْفَقْرِ وَالْعَقْلِ مِنَ الدُّنْيَا
مَنْعَ مَا يَفْتَحُ بِهِ عَلَيْهِ
شروع سے آخر تک ان کی حالت یکساں رہی کہ
انہوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی، دنیا سے بقدر ضرورت
اور برائے نام تعلق رکھا اور جو ملا اس کو واپس کر دیا۔

جب کسی کا حال بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب کی دولتِ سرمدی سے نوازتا ہے تو اس کو کسریٰ و قسیر کی سلطنت ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری سمجھتا ہے اس وقت وہ بخود ہی کے عالم میں کہتا ہے :-

مَنْ دَلِقَ خُودًا بِفَرَشِ شَاهَانِ نَمِي دَهْمِ
مَنْ فَرَّخُوهُ بِمَلِكِ سَلِيمَانِ نَمِي دَهْمِ
از رنج فقر در دل گنجے کہ یا فتم
این رنج را براحتِ شاہانِ نَمِي دَهْمِ
اس کے مقام سے بے خبر بھی اس کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سلطنت پر طمع کی

لہ الرد الوافر ص ۱۸ ۲۵ ایضاً ص ۶۵

نگاہ ڈالتا ہے اور وہ ان کی بے خبری اور بدذوقی پر ماتم کرتا ہے کہ اس دولت جاوید کے بعد بھی اس ملک فانی پر نگاہ کی جاسکتی ہے؟ ابن تیمیہ کا یہی حال تھا، الملک الاناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بہت سے لوگ آپ کے مطیع ہو گئے ہیں اور آپ کے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہے؟ شیخ نے بے اطمینان کے ساتھ بلند آواز سے جس کو تمام حاضرین نے سنا جواب دیا:۔

انا فعل ذلك؟ والله ان ملكك و
ملك المغل لا يساوي عندي فلاناً
میرا کیا کروں گا؟ خدا کی قسم تمہاری اور تماروں کی
سلطنت مل کر بھی میری نگاہ میں ایک پیسہ کے برابر نہیں۔

سخاوت و ایثار

اہل الشرا و اخلاق نبوی کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت، سخاوت و ایثار ہے، ابن قیم نے زاد المعاد میں "المنشج" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان و یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہے اس لئے جس کو اس دولت سے حصہ ملے گا، سخاوت و ایثار اس کا شعار ہوگا، شیخ الاسلام کے معاصرین و احباب ان کی سخاوت کے بے حد معترف اور شاخاں ہیں، انکو اکبر لدنیہ میں ہے وهو احد الاجواد الاسماء الذين يضرب بهم المثل (وہ ان معدودے چند اہل سخاوت میں سے ہیں جن کی سخاوت ضرب المثل ہے) الحافظ ابن فضل الشرا العمری جو ان کے معاصر ہیں، اس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

كانت ثاقية القناطير المقنطرة من
الذهب والفضة والخيل المسومة
والانعام والمحوت فيهب ذلك باجمعه
ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی، اعلیٰ اخیل
گھوڑے، جانور الماک و اموال آتے وہ سب کا
سب شاکر و مسروں کو دے دیتے یا اہل ضرورت

لے الکواکب الدریہ ص ۱۶۶ عہ ایضاً ص ۱۶۷

وَبِضْعَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْحَاجَةِ فِي مَوْضِعِهِ لَا

يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا إِلَهِهِ وَلَا يُحِيطُ إِلَّا إِلَهُهُ

ان کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دے دیتے۔۔

كَانَ يَتَصَدَّقُ حَتَّىٰ إِذَا الْمَرْبُودُ شَيْئًا

نَزَعَ بَعْضَ شَيْءٍ بِهِ فَيَصِلُ بِهِ الْفُقَرَاءُ

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔۔

وَكَانَ يَفْضُلُ مِنْ قُوَّةِ الرِّغِيْفِ

وَالرِّغِيْفِيْنَ فَيُوْثِرُ مِذْلًا عَلَىٰ نَفْسِهِ

کھانے سے ایک روٹی دو روٹیاں بچا لیتے اور

اپنے اوپر ایشا رک کے دوسروں کو دے دیتے۔

ایشا کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخ دلی بلکہ عفو

واحسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے، یہ مقام ان ہی لوگوں کو حاصل

ہوتا ہے جو انانیت اور حظوظ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں اور ان پر نعرائے الہی کی ایسی

بارش ہو اور سکینت و مسرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ ان سب مخالفتوں کو ان کے مقابلہ میں بیچ

اور پرکاش سمجھتے ہوں اور جن کے اندر اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لئے بھی خیر طلبی و رحم کا جوش پیدا

ہوتا ہو اور پرکاش چکا ہے کہ شہر میں جب وہ دوسری بار رہا ہوئے تو سلطان نے تنہائی میں ان سے

ان قصاۃ کے قتل کے بارے میں فتوے لینا چاہا جنہوں نے جانشگیری کی حمایت کی تھی، اور سلطان کی

معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی، اور آپ کو تکلیف

پہنچائی، اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدح و توصیف کی، اور پُرورد الفاظ میں

سلطان سے ان کی سفارش کی، اور اس کو ان کے قتل کے ارادہ سے باز رکھا، ان کے سب سے بڑے

۱۵۸ اکواکب مشہ ۱۵۹ ایضاً مشہ ۱۶۰ ایضاً

حریف و در مقابل قاضی ابن مخلوط مالکی کا یہ مقولہ بھی گزر چکا ہے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فرخ و صلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا، لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو صاف معاف کر دیا، اور لٹے بہاری طرف سے وکالت و مدافعت کی:

ان کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے ساتھی حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے خیر کرتے تھے، میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان میں سے کسی کے لئے بددعا کرتے ہوں، میں ایک وز ان کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے صاحب کی خبر وفات لے کر آیا جو عداوت اور ان کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے تھے، انھوں نے مجھے جھڑک دیا اور منہ پھیر دیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھی، پھر فوراً ان کے مکان پر گئے، ان کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے ان کی جگہ پر سمجھنا جس چیز کی تم کو ضرور پڑے گی میں تمہاری اس میں مدد کروں گا، اسی طرح ان سے ایسی لطافت و دجائی کی باتیں کہیں جن سے وہ نہایت مسرور ہوئے اور ان کو بڑی دعائیں دیں اور ان کو اس پر سخت استعجاب ہوا۔

عفو و احسان اعداء و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا یہ مقام مالی ایشیاء سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے، یہ وہ مقام ہے جو صدیقین و خواص اویاء کو ملتا ہے، ابن تیمیہ اس مقام پر فائز تھے اور گویا زبان حال سے وہ کہتے تھے، جو اسی مقام کے کسی صاحب حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے:

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ایا رباد ہر کہ مارا رنج داودہ راحتش بیا رباد
ہر کہ اندر راہ ما خلع نہدا ز دشمنی ہر گھلے کز باغ عمرش بشگند بے خار باد

فروتنی و بے نفسی

فروتنی و بے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبہ کمال ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور

ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے، یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہے اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے، شیخ الاسلام کو اپنے کمالات علمی اور عروج دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، ان کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی و تلہیت اور مضمر نفس اور انکار ذات کے درجہ علیا پر پہنچے ہوئے تھے ابن قیم فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کہتے تھے کہ مالی شئی، دلامنی شئی، ولا فی شئی "اگر کوئی ان کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے :-

واللہ الی الی الآن اجدہ اسلامی کل
وقت وما اسلمت بعد اسلاما جیداً
خدا کی قسم میں بھی تک برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا
ہوں اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر سلمان ہوں

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ "انا رجل ملۃ لارجل حولۃ" (میں امت کا ایک عام آدمی ہوں لطنت و حکومت کا آدمی نہیں)۔

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا نہ کسی پر کوئی حق سمجھتا ہے نہ اس کا کوئی مطالبہ کرتا ہے نہ اس کو کسی سے شکایت ہوتی ہے نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا، ابن قیم فرماتے ہیں :-

سمعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس
اللہ روحہ، یقول العارف لا یری لہ
علی احد حقاً ولا یشہد لہ علی غیرہ فضلاً
ولذلک لا یعاتب ولا یطالب ولا
یضارب۔
میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سے سنا
ہے کہ فرماتے تھے کہ عارف اپنا کسی پر کوئی حق نہیں
سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ اس کو کسی پر کوئی فضیلت
حاصل ہے اسی لئے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے
نہ مطالبہ کرتا ہے نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حدیث دیگران میں وہ اپنا ہی حال

معارج الشاکلین جلد ۱ ص ۱۷۶ معارج الشاکلین جلد ۲ ص ۱۷۷

بیان کر رہے ہیں۔

سکینت و سرور

اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی
وارستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ اس زندگی ہی میں اس کو
جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، شیخ الاسلام نے (جیسا کہ ابن قیم نے نقل کیا ہے) خود ایک بار فرمایا کہ

اَنَّا فِي الدُّنْيَا جَنَّةٌ مِّنْ لِّمَن دَخَلَهَا مِ
دَخَلَ جَنَّةُ الْآخِرَةِ ۖ
دنیا میں (مومن کے لئے) ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں
بیان داخل نہیں ہوا آخرت کی جنت کے بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی لَاحِقَاتٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ
لیتے ہیں، شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت حاصل
تھی، خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا:۔

مَا يَصْنَعُ اَعْدَائِي بِي اِنْ جَنَّتِي وَبِتَانِي
فِي صَدْرِي اِنْ رَحِمْتُ فَعَلِي ۖ
میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں میری جنت ام
میرا باغ میرے سینے میں ہے جہاں جاؤں گا وہ
لا تغار قننی ۖ میرے ساتھ ہے۔

یہ نسبت سکینت و رضا زندگی میں اور بعد وفات ان کے ساتھ رہی، ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ میں نے
ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا میں نے ان سے بعض اعمالِ قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخؒ نے فرمایا:۔
اَمَّا اَنَا فَطَرَقَنِي الْفَرَحُ وَالسُّرُورُ ۖ
بھائی میری نسبت تو فرحت و سرور کی ہے۔

لے الرد والافر ۳۶ ۷۷ الوابل الصیب ۷۷ ۷۷ اغاثۃ اللہقان۔

ابن قیم لکھتے ہیں :-

وهكذا كانت حاله في الحياة يبدو ذلك
على ظاهره وينادي به عليه حاله
یہی حالت ان کی زندگی میں تھی کہ ان کے چہرہ پر
فرحت و سرور کے آثار نظر آتے تھے اور ان کی
کیفیت اس کا اعلان کرتی تھی۔

کمال اتباع سنت

اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتداء اتباع سنت سے ہے اور اس کی انتہا بھی
کمال اتباع سنت پر ہے، حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہ کا شغف و انہماک ان کے مخالفین
کو بھی تسلیم ہے، لیکن شغف و انہماک محض علمی و نظری نہ تھا، علمی اور ظاہری بھی تھا، ان کے معاصرین
شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ
کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں :-

لا والله ما رأيت احدا اشد تعظيما
لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولا
احرص على اتباعه ونصره واجابه
منه
خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا
ادب احترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور
آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ
سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت
دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے، علامہ عماد الدین الواسطی فرماتے ہیں :-

ما رأينا في عصرنا هذا من تتجلى النبوة
هم نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمد کا

المحمدية وسننهم اقواله وافعاله
 الا هذا الرجل يشهد القلب العجيبات
 كانور ان ك زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے
 اقوال وافعال میں عیاں تھا قلب سلیم اس کی شہادت
 هذا هو الاتباع حقيقة
 دیتا تھا کہ حقیقی اتباع احوال پروردی اس کا نام ہے

صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت

کسی انبوء اور عوام کی بھیر کا کسی شخص کی تعریف کرنا مقبولیت عند الشروا استقامت اور
 علوم تربیت کی دلیل نہیں، دلیل اس کے زمانہ کے اہل صلاح واستقامت اور اہل علم اور اہل بصیرت کی
 شہادت اور توصیف ہے، نیز یہ کہ اس کے پیروں، اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں اور اس کے پاس
 اٹھنے بیٹھنے والوں میں صلاح و سداد، حسن اعتقاد، تقویٰ و احتیاط اور آخرت کی فکر و اہتمام پایا جائے
 اور وہ اپنے ابنائے زمانہ سے اپنی دینداری اور سلامت روی میں ممتاز ہوں، ابن تیمیہ کا معاملہ یہی تھا کہ
 اس زمانہ کے ممتاز ترین اہل صلاح و رشد اور اصحاب علم و نظر ان کی عظمت و فضیلت، صحت اعتقاد و
 سلامت عقیدہ کے قائل و معترف اور ان کے مدح تھے اور ان کے مخالفین میں بڑی تعداد حکومت کے متسلین
 اور ابنائے دنیا کی تھی، جو بجاہ طلبی کے مرض اور دولت و عزت کے خواہاں تھے، صاحب کو اکب لکھتے ہیں،

قالوا ومن امن النظر بصيرة لحر
 عالما من اهل اى بلد شاء موافقا له
 الا ولاء من اتبع علماء بلد بالكتاب و
 السنة واشغلهم بطلب الآخرة والرغبة
 لوگ بیان کرتے ہیں کہ جو مذاہب سے کام لے گا وہ
 دیکھے گا کہ ان کا جو مافی جہر میں بھی ہے وہ اس
 شہر کے علماء میں سب کا زیادہ کتب و سنت کا قیاس
 اور طلب آخرت میں مشغول اور سب کا زیادہ اس کا

لہ جلاء العینین مہ۔۔۔ اس کلیہ سے وہ حضرات متشبی ہیں جن کو کوئی غلط فہمی تھی، یا ان کا اختلاف خالص علی ماصول

تھا۔۔۔ و ما من عام الا وقد خُصَّ منه البعض؛

فہا وابلغہم فی الاعراض عن الدنیا
 حریص اور دنیا سے بے پروا، اور اس کی طرف
 والاهمال لہا ولایری علماً مخالفاً لمنہوفا
 غیر متوجہ نظر آئے گا، اس کے برخلاف ان کا جو مخالف
 عنہ الادھون اکبرہم نعمة فی جمع الدنیا
 نظر آئے گا وہ دنیا کا حریص، بواہوس ریاکار اور
 والکثرہم ریا، اوسمعة والله اعلم۔
 شہرت کا طالب کھائی دے گا۔ والشر اعلم۔

علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں :-

واخیت فی نصر السنة المحفوظة حتی
 سنت کی نصرت کے جرم میں ان کو بہت ڈرایا
 اعلیٰ الله تعالیٰ منارہ وجمع قلوب
 دھمکایا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخرو
 اهل التقویٰ علی محبتہم والدعاء لہ۔
 اور عزز کیا، اور اہل تقویٰ کے قلوب کو ان کی
 محبت اور دعا کے لئے مجتمع کر دیا۔

فراست و کرامت

ہر خیز کہ کشف و کرامت نہ بزرگی و مقبولیت کا جز ہے نہ اس کی دلیل محققین نے صاف
 لکھ دیا ہے کہ الاستقامة فوق الکرامة اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں لیکن یہ بھی واقعہ
 ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتا ہے اور
 ان کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہے جو ان کی مقبولیت و وجاہت کے
 مؤیدات و آثار میں سے ہوتے ہیں، اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کرامات الاولیاء حق اور
 قرآن و حدیث میں اس کے متعدد شواہد و واقعات ہیں، اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس
 مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہے۔

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت و خرق عادت پیش آئے ان کے تلامذہ و احباب و معاصرین نے دی ہے اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں، علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری شرح البخاری، تقریظ الرد الوافر میں لکھتے ہیں:-

وهذا الامام مع جلالة قدره في العلوم
نقلت عنه على لسان جعفر خفي من الناس
ايماني علمت وكمال كماله ان من ايسر كرامات
كالمجيء صمد بهاء جس کو ايك جم غفیر نے نقل کیا
كرامات ظهرت منه بلا التباس
ہے اور ان میں شبہہ کی گنجائش نہیں۔

انہی کرامات کا ایک شعبہ "فراست صادقہ" ہے جو اکابر مومنین و اولیائے متقین کو حاصل ہوتی ہے اس فراست کے عجیب و غریب واقعات نقل کئے جاتے ہیں، حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین اور دیگر کتابوں میں اس فراست کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں مدارج السالکین میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ولقد شاهدت من فراسة شيخ الاسلام
امورا عجيبة ومال من شاهد منها اعظم
میں نے شیخ الاسلام کی فراست کے عجیب و غریب
واقعات کا شاہد کیا ہے اور جو واقعات میرے
شاہد ہیں ان میں آئے دیکھیں نے معتبر لوگوں کی
زبان سے ہیں اور بڑے چارہ کرمیوں کی کرامت
میں سے۔

کے واقعات کے نقل کرنے کے بعد حکیم کتابچہ

مسئلہ وحدۃ الوجود، فنا، بقا، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علمی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے اور اس سلسلہ میں ان کو اذواق عالیہ اور احوال صحیحہ حاصل تھے اور جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوت علم یا

زورِ قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے تجربات و مشاہدات ہیں، ان مسائل و مباحث میں بعض مرتبہ ان کا کلام اور تحقیقاتِ محققینِ صوفیہ اور مجتہدینِ فہم سلوک (مثلاً مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ میسری اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ) کے کلام و تحقیقات سے مل جاتی ہیں، رسالۃ العبودیۃ میں فنا کے اقسام اور اس کے مراتب و مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• فنا کی تین قسمیں ہیں، ایک فنا کا مقام وہ ہے جو انبیاء و اولیاء کاملین کو حاصل ہوتا ہے، ایک وہ مقام ہے جو ان اولیاء و صالحین کو حاصل ہوتا ہے جو کمال و ترقی کے اس درجہ پر نہیں ہوتے ایک مقام منافقین و ملحدین اہل تشبیہ کا ہے، پہلا مقام یہ ہے کہ ماسوی الشریعۃ ایسی فنائیت حاصل ہو جائے کہ صرف الشہادۃ کے لئے محبت اور الشہادۃ کی عبادت، الشہادۃ ہی پر توکل، اور الشہادۃ ہی کی طلب رہ جائے، ماسوا کا کوئی گذر نہ رہ جائے، شیخ بایزید بسطامی کا یہ فقرہ جو منقول ہے کہ "لا اريد الا ما يرضي" (میں نہیں چاہتا اگر وہی جو وہ چاہتا ہے) کا یہی مطلب لینا چاہئے، یعنی میری مراد وہی ہے جو خدا کا مشاود مرضی ہے، اور اس سے مراد دینی ارادہ ہے، عبد کا کمال یہی ہے کہ اس کے اندر اسی کا ارادہ، اسی کی محبت اور اسی سے رضامندی رہ جائے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو، اور جس کو وہ پسند فرمائے، اور اس سے مراد وہ ادا مرالہیٰ ہی ہیں۔ امر و جوب یا استجاب ہو، یہ ملائکہ، انبیاء و صالحین کا مقام ہے، جس کو یہ مقام حاصل ہو، اس کو قلبِ سلیم کی دولت حاصل ہے۔ "إِلَّا مَنَ إِلَى اللَّهِ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" علماء نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ وہ غیر الشریعہ کی عبادت یا غیر الشریعہ کے ارادے یا غیر الشریعہ کی محبت سے پاک ہو، اس کا نام فنا رکھا جائے یا نہ رکھا جائے یہی اسلام کی ابتداء و انتہا اور یہی دین کا باطن و ظاہر ہے۔

فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ماسوا کے مشاہدے سے بالکل استغناء و غیبت کلی ہو جائے، یہ ایک مقام ہے جو بہت سے سالکین کو پیش آتا ہے، ان کے قلوب کا ذکر و عبادت اور محبت الہی

کی طرف ایسا انجذاب اور ایسی زور کی کشش ہوتی ہے کہ ان کے قلوب ماسوا کے مشابہے کی
 تاب نہیں لاسکتے، اور اپنے مقصود کے سوا کچھ دیکھ نہیں سکتے، غیر انشراک ان کے دل میں گزر بھی
 نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا احساس تک باقی نہیں رہتا، اس مقام میں جس طرح اس کشش اور
 انجذاب کو دخل ہے، اسی طرح کسی درجہ میں ان کے قلوب کے ضعف کو بھی دخل ہے قرآن مجید
 میں ہے ”وَاصْبِرْ فِتْوَاهُمْ مُمُوسَىٰ ذَرِغَاتٍ ۚ كَاذِبٌ تَبْدِئُ بِهِ نُوَلِّاۤنَ رِبْطًا عَلٰی قَلْبِهَا“
 مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا دل سوائے حضرت موسیٰؑ
 کے خیال و یاد کے ہر چیز سے خالی ہو گیا، یہ بات اکثر ان لوگوں کو پیش آتی ہے، جن پر چاہے کسی
 محبت یا خوف یا امید کا حملہ اور غلبہ ہوتا ہے، اس وقت ان کا دل سوائے اس محبوب یا دشمن
 یا مطلوب کے ہر چیز سے سادہ اور خالی ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات اس محبت یا خوف یا طلب
 میں ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کا احساس باقی نہیں رہتا، جب کسی ایسے
 شخص پر چوڑنا کے اس مقام پر ہے، اس حال کا پورا پورا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ اس موجود
 کے استغراق سے خود اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتا ہے، اس ایک شہود کے شہود کا ایسا غلبہ
 ہوتا ہے کہ اس کو اپنا شہود نہیں رہتا، اس ایک فکر کے ذکر کا ایسا تسلط ہو جاتا ہے کہ اپنا
 ذکر و فکر بالکل جاتا رہتا ہے، ایک کی معرفت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ اپنی معرفت باقی نہیں
 رہتی، اس وقت اس ایک وجود کے سوا تمام موجودات اس کی نظر میں معدوم اور فانی ہو جاتے
 ہیں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا معرفت میں یہ مقام حاصل ہو جائے اس کو تمام مخلوقات
 معدوم اور فانی نظر آنے لگتی ہیں، اور صرف اللہ تعالیٰ کا وجود باقی رہ جاتا ہے، اور حقیقت
 یہ ہوتی ہے کہ مخلوقات حقیقتاً معدوم اور فنا نہیں ہوتیں، بلکہ اس شخص کے شہود اور ذکر میں فنا
 اور گم ہو جاتی ہیں، اور وہ ان کے ادراک یا شہود سے فانی ہو جاتا ہے، جب اس چیز کا غلبہ ہو جاتا ہے،

اور محب میں ایسا صنعت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی قوت تمیز جواب دینے لگتی ہے تو بعض اوقات وہ اپنے کو عین محبوب سمجھنے لگتا ہے، واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص دریا میں کود پڑا، اس کا عاشق کھڑا دیکھ رہا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے دریا میں کود پڑا، محبوب نے کہا کہ میں تو دریا میں کودا تھا، تم میرے پیچھے کیوں کود پڑے، اس نے کہا کہ تمہاری محبت میں مجھے اپنا ہوش نہ رہا، یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ تم اور میں ایک ہی ہوں۔

اس مقام میں پہونچ کر بہت سے لوگوں کے قدم کو لغزش ہوئی ہے، انھوں نے خیال کیا کہ یہ اتحاد ہے اور محب محبوب سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اصل وجوہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، یہ بالکل غلط ہے، خالق کے ساتھ کوئی چیز بھی مل کر ایک نہیں ہو سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کسی چیز سے مل کر ایک نہیں ہو سکتی، دو چیزوں میں اتحاد کلی اسی وقت ہو سکتا ہے، جب وہ دونوں چیزیں بدل جائیں، یا اگر وہ جائیں یا ان کے اتحاد سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے، جو نہ وہ ہوتی ہے نہ یہ ہوتی ہے، جیسے پانی اور دودھ پانی اور شراب مل کر ایک تیسری چیز بن جاتی ہے، البتہ ارادہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اتحاد ہو سکتا ہے، دوستیاں ارادے میں پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں متحد ہو سکتی ہیں، ایک جس سے محبت کرے، دوسرا بھی اس سے محبت کرے، ایک جس سے بغض رکھے، دوسرا بھی اس سے بغض رکھے، ایک جس چیز کو پسند کرے، دوسرا بھی اس کو پسند کرے، اسی طرح ایک جس سے دشمنی کرے، دوسرا بھی اس سے دشمنی کرے، لیکن وہ فناء کے کلی جس میں دوسری موجودات بالکل معدوم ہونے لگیں، اور ان کا شہود و احساس بھی باقی نہ رہے، یہ ایک ناقص مقام ہے، البکر و عمر جیسے اکابر و یاد اور مہاجرین و انصار میں سے جن کو سبقت اور اولیت حاصل تھی، وہ اس فنا میں مبتلا نہیں ہوئے، جب وہ اس سے بالاتر تھے تو انبیاء کرام کا کیا ذکر، اس طرح کے اذواق و حالات صحابہ کرام کے بعد کے لوگوں کو پیش آئے ہیں، ان کے

قلب پر بعض مرتبہ ایسی ایمانی کیفیات وارد ہوئیں کہ ان کو عقل و ہوش اور تیز باقی نہیں رہی، محابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑے کامل الاحوال، بڑے قوی القلب تھے، ایمانی کیفیات کے وقت نہ تو ان کی عقلیں معطل ہوتی تھیں، نہ ان میں محابہ، ضعف، شک و بے خودی، فنا، یا استقامت، دیوانگی کی کیفیات پیدا ہوتی تھیں، اس سلسلہ کی ابتدا درو تابعین میں ہوئی، اور بعصرہ کے مرتاض اور کثیر العبادت لوگوں کو یہ حالات پیش آئے، ان میں سے بعض بعض لوگ قرآن مجید سن کر بے ہوش ہو جاتے، بعض کو موت بھی واقع ہوئی جیسے ابو جہیر، نابینا، زرارہ بن ابی اذوق، قاضی بعصرہ، اسی طرح شائع صوفیہ کو بھی فنا اور شکر کی ایسی کیفیتیں حاصل ہوئیں کہ ایسی حالت میں ان میں عقل و تیز باقی نہیں رہی، اکثر ایسی حالت میں ان کی زبان سے ایسے کلمے بھی نکل جاتے جو ہوش میں آنے کے بعد ان کو صریحاً غلط معلوم ہوتے، شیخ بازید بطنای، شیخ ابوالحسن نوری اور شیخ ابوبکر شکی کو یہ چیزیں پیش آئیں، اور ان سے ایسے واقعات نقل کئے جاتے ہیں، لیکن ابوسلیمان دارانی، معروف کوفی، فضیل بن عیاض، بلکہ جنید بغدادی وغیرہ سے اس طرح کی باتیں منقول نہیں، ایسے احوال میں بھی ان کی عقل اور قوت تیز ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی، اور وہ اس طرح کے فنا و شکر میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، ان کا ملین کے ذہن میں سوا اللہ کی محبت اور اس کے ارادے کے کچھ نہیں ہوتا، ان کا علم امتداد وسیع اور وہ ایسے صاحب تہیز ہوتے ہیں کہ ان کو اشیاء اور امور اپنی اصل حالت اور صورت میں نظر آتے ہیں، بجائے اس کے مخلوقات ان کے لئے معدوم یا غیر مشہود ہو جائیں، وہ اللہ کے حکم و ارادے کے ساتھ قائم، اس کی مشیت کے تابع اور سخر نظر آتی ہیں، بلکہ تسبیح و اطاعت میں مشغول، اس طرح یہ شاہدہ ان کی بصیرت اور تذکرہ بڑھاتا ہے، اور ان کی معرفت، اخلاص، توحید و عبادت میں اضافہ کرتا ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے دعوت دی، اور یہی مومنین و محققین اور عارفین و کاملین کا مقام ہے، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے امام و سرگروہ ہیں، اللہ

ان میں سب اکمل واعلیٰ ہیں، اس لئے جب آپ کو معراج ہوئی اور آپ نے وہاں آیات الہی کا مشاہدہ کیا اور آپ سے ہم کلامی اور سرگوشیاں ہوئیں، پھر جب آپ اس عالم میں تشریف لائے تو آپ کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور نہ کسی نے اس کا اثر محسوس کیا حالانکہ حضرت موسیٰؑ پر ایسے مواقع میں ایک بے خودی اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

ایک اور حالت ہے جس کو کبھی کبھی کبھی فنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ یہ کہ آدمی اس بتا کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہیں، اور یہ کہ خالق کا وجود ہی مخلوقات کا وجود ہے اس لئے رب و عبد کے درمیان کوئی فرق نہیں، یہ ان اہل ضلال و اسحاقافنا ہے جو حلول و اتحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، صاحب استقامت مشائخ میں اگر کوئی کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا، یا میں غیر اللہ کی طرف نہیں دیکھتا، یا اسی طرح کے کلمے تو اس سے مراد یہ ہوا کرتی ہے کہ مجھے اس کے سوا کوئی رب نظر نہیں آتا، یا مجھ کو اس کے سوا کوئی خالق یا اس کے سوا کوئی مددگار یا اس کے سوا کوئی معبود نہیں نظر آتا، یا میں محبت سے یا خوف کے ساتھ یا امید ورجاء کے ساتھ اس کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالتا، اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ آنکھ ہمیشہ اس کو دیکھتی ہے جس سے قلب متعلق ہوتا ہے جس شخص کو کسی چیز سے محبت ہو یا امید ہو، یا اس کا خوف ہو، وہ اسی طرف متوجہ رہے گا، اگر اس کے دل میں اس کی محبت یا امید یا خوف یا بغض یا قلب کے تعلق کی کوئی ایسی بات نہیں ہے تو قلب میں اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہوگا، اور نہ وہ اس کی طرف نگاہ اٹھائے گا، اور نہ وہ اس کو دیکھے گا، اور اگر کبھی اس پر نظر پڑے گی تو محض اتفاقاً اور محض نگاہ بھیسے کوئی شخص کسی دیوار کو یا کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جس سے اس کا قلب متعلق نہیں، مشائخ صاحبین کبھی کبھی خالص توحید اور اخلاص کامل کے متعلق کلمات ارشاد فرماتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ غیر اللہ کی طرف لطفت ہی نہ ہو اور نہ

اسو پر محبت یا خوف یا امید کے ساتھ نظر ڈالے بلکہ قلب تمام مخلوقات سے بالکل خالی اور فارغ ہوا ان کی طرف وہ الشکر کے نور کے ساتھ نظر کرے 'حق ہی کے ذریعہ وہ سنے 'حق ہی کے ذریعہ وہ دیکھے 'حق ہی کے ساتھ وہ ہاتھ اٹھائے اور حق ہی کی قوت سے وہ چلے جس سے الشکر کو محبت ہے اس سے وہ محبت رکھے جس سے الشکر کو بغض ہے، اس سے وہ بھی بغض رکھے جس کو الشکر دوست بنائے اس کو وہ بھی دوست بنائے جس سے الشکر دشمنی کرے اس سے وہ بھی دشمنی کرے ان کے معاملہ میں الشکر سے ڈرے اور الشکر کے معاملہ میں ان سے نہ ڈرے یہی وہ قلب سلیم، عین حق، موعود، مسلم، مومن ہے جس میں انبیاء مرسلین والی معرفت تحقیق و توحید پائی جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جس پر انبیاء کے پیرو فائز ہوتے ہیں اور یہی فنا ہے محمود ہے اسی مقام کے فائزین کی الشکر تعالیٰ نے مدح و توصیف کی ہے اور ان کو اولیاء متقیین، عرب مظلومین اور جند غالبین میں شمار کیا ہے۔

باقی فنا فی الوجود والی قسم (توحید وجودی یا وحدۃ الوجود) تو وہ قرامط جیسے آل فرعون کی تحقیق و توحید کی معرفت ہے، شائع و مباحین میں سے کسی کی بھی یہ ملو نہیں تھی، مخلوقات میں سے میں جس چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں، وہی سب صاف و السموات ہے، یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو پرے درجہ کا گمراہ ہو، اور فساد و عقل یا فساد و اعتقاد میں مبتلا ہو یا جنوں اور احماد میں سے کسی کا غلام ہو، تمام شائع و بدین میں مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ سب ایسا مسک پر حق ہیں جو اس امت کے سلع اور پیشواؤں کا مسک تھا کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ مخلوقات سے بالکل الگ ایک وجود رکھتا ہے، نہ تو اس کی مخلوقات میں اس کی ذات کا کوئی جز ہے، نہ وہ اس کی ذات میں اس کی مخلوقات کا کوئی جز، وہ سب اس پر حق ہیں کہ قدیم کو حادثہ سے الگ اور خالق کو مخلوق سے ممتاز سمجھنا چاہئے، اس بارہ میں ان کے جو اقوال و اور شادات منقول ہیں، ہر مفسر نے مضمون میں ان کی گنجائش نہیں، انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ کعب کو کعبہ کہا گیا ہے اور ان

و شہادت پیش آتے ہیں، اور بعض لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ان کو مخلوقات کے وجود کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور وہ قوت تمیز کی کمزوری یا فقدان کی وجہ سے ان کو خالق الارض والسموات سمجھنے لگتے ہیں، جیسے ایک شخص آفتاب کی ایک شعاع دیکھتا ہے، اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی وہ آفتاب ہے جو آسمان میں ہے۔

یہاں پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ خالق و مخلوق میں تفریق کے دو مقام ہیں، ایک مقام وہ ہے کہ بندہ تفرقہ کا مشاہدہ کرے، اور کثرت اس کو پریشان کرے، اس کا قلب اس کثرت و تفرقہ کی وجہ سے انتشار میں رہے، وہ قلب نظر کے انتشار میں گرفتار رہے، کبھی محبت کبھی خوف اور کبھی رجاء کی وجہ جو ان مخلوقات کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے، اس کو کیسوٹی اور توحید حقیقی حاصل نہ ہو، جب انسان اس تفریق سے جمع کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس قلب کو جمعیت اور اس وحدۃ لاشریۃ کی توحید و عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے، اور اس کا قلب مخلوقات کی طرف متوجہ رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف کثیرہ ملتفت ہو جاتا ہے، اس کی محبت اس کا خوف، اس کی امید، اس کی استعانت سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے، اس حالت میں بعض اوقات اس کے قلب میں مخلوقات کی طرف نظر کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کے ذریعہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز کرے، اس کو حق تعالیٰ کی طرف التفات کلی اور خلق کی طرف کے اعراض کلی حاصل ہوتا ہے، ہم نے فنا کی جس دوسری قسم کا اوپر ذکر کیا ہے، یہ حالت بھی اس سے ملتی جلتی ہے، لیکن اس کے بعد تفریق کا ایک دوسرا مقام ہے، جو اس سے بلند و برتر ہے، وہ یہ کہ بندہ مشاہدہ کرے کہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اس کے امر کے تابع، اور اس کے ارادہ سے مستحضر، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سامنے وہ ان کی کثرت کو معدوم دیکھے، وہ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مصنوعات کا رب، الہ خالق اور مالک ہے، ایسی حالت میں کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ

کی طرف یکسو ہوتا ہے اور اس کو اخلاص و محبت، خوف ورجاء، استعانت و توکل علی الشرحیت
فی الشر و بغض فی الشر کی جیسی کیفیات حاصل ہوتی ہیں، وہ خالق و مخلوق کے درمیان فرق کو بھی
صاف صاف دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان صاف صاف تمیز کرتا ہوتا ہے
وہ مخلوقات کے تفرق و کثرت کو بھی دیکھتا ہوتا ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوتا ہے کہ
الشر تعالیٰ ہر چیز کا رب اس کا مالک اور خالق ہے (ان الله رب كل شئ ومليكه وخالفه
وانه هو الله لا اله الا هو) یہی صحیح اور مستقیم شہود ہے اور یہی لا اله الا الله کی تحقیقی شہادت ہے
ان کی تصنیفات میں اس طرح کی تحقیقات اور علوم صحیحہ بہت ہیں، حافظ ابن قیم نے مدار
الساکنین میں ان کی تحقیقات و کیفیات کا بہت سا ذخیرہ جمع کر دیا ہے ان کے انہی معارف و
احوال کو دیکھ کر ملا علی قاری نے استاد و شاگرد کے متعلق لکھا ہے۔

ومن طالع شرح منازل السائرین	جو شخص منازل السائرین کی شرح و راجع اس کی
تبتین لہ انہما کا نام اکابر اہل	کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن قیم
السنۃ والجماعۃ ومن اولیاء ہذا	ابن قیم اہل سنت و جماعت کے اکابر و اہل
الامۃ	محمدی کے اولیاء و اشراف سے تھے۔



لہ رسالۃ العبودیۃ فی تفسیر قولہ تعالیٰ ۞ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم ۞ ۳۵-۳۶ شامی مجلہ رسائل مطبوعہ حنفیہ مصر ۱۰

لہ مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۷۷

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی اصلاحی کام

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں جو اہم کارنامہ انجام دیا، وہ اگرچہ بہت سے علمی و عملی شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے، لیکن اس کو ان چار حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، جو ان کی تاریخ اصلاح و تجدید میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں، یہ چار اہم شعبے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال۔

۲۔ فلسفہ و منطق اور علم کلام کی تنقید اور کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح۔

۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید اور ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ۔

۴۔ علوم شرعیہ کی تجدید اور فکر اسلامی کا احیا۔

عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال

امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں شرکانہ عقائد و رسوم

غیر مسلم اور عجمی اقوام کے اختلاط، اسمعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیز جاہل اور گمراہ

صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں شرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے

مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور ادویاء و صاحبین کے بارے میں اسی طرح کے

غایبانہ اور شرکانہ خیالات اور عقیدہ رکھنے لگے تھے، جو یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور مسیح اور ایشیاء
اجبار اور رہبان کے متعلق رکھتے تھے، بزرگانِ دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب
اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی، جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر
ہوتے تھے، اہل قبور سے صاف صاف استعانت و استغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد اور
ان کی دہائی دینے، سوال و دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور
خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سال بسال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کر کے وہاں آنے کا عام
دستور تھا، سائویں صدی کے آخر میں یہ غلو اور عقیدہ اور عمل کا فساد جس حد تک پہنچ گیا تھا، اس کا کچھ
اندازہ ان اقتباسات سے ہو سکتا ہے، جو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات اور تحریروں سے ماخوذ
ہیں، ان اقتباسات میں انھوں نے کسی جواب کے سلسلہ یا کسی بحث کے ضمن میں اپنے زمانہ کی بعض گمراہیوں
کا ذکر کیا ہے، اور اس سے ان کے زمانہ کے دینی انحطاط اور قلب اسلام پر جاہلیت کے حملہ کی شدت
کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔

”بہت سے لوگوں نے مُردے کو بالکل خدا کا درجہ اس مذہب پر جو اس کی قبر کا مجاہد یا اس کا
جانشین ہے، پیغمبر کا مرتبہ دے رکھا ہے، وہ مُردے سے اپنی کارِ برائی اور بدیہی کے کٹائی کا مطالبہ کرتے
ہیں، انھوں نے اپنے اس زندہ پیر یا بزرگ کو یہ مرتبہ دے رکھا ہے کہ جس چیز کو وہ حلال کہیں وہی
حلال اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیں وہی حرام ہے، انھوں نے درحقیقت اپنے مطلب سے منتر تھے
کو خدائی کے منصب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے مرتبہ سے سبکدوش کر دیا ہے اکثر
ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نو مسلم یا ان کا پیر و حقیقت مندی کی بنا پر آتا ہے اور صاحبِ مروت سے کسی
بادشاہ کے ظلم کو دفع کرنے یا کسی اور مطلب کی کارِ برآری کے لئے دعا کرتا ہے تو یہ مجاور اندر
جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے حضرت صاحب سے عرض کر دیا، حضرت صاحب نے پیغمبر صاحب سے

فرادیا، پیغمبر صاحب نے اللہ تعالیٰ تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ نے فلاں بادشاہ کے پاس اپنا قاصد بھیج دیا
(خبردار فلاں آدمی پر زیادتی نہ ہونے پائے) کیا یہ کھلا ہوا مشرکین و نصاریٰ کا دین نہیں ہے؟ اس میں
تو اتنی غلط بیانی اور ایسا جہل صریح ہے جس کو ہر شرک اور ہر نصرانی بھی گوارا نہیں کر سکتا، اور
وہ بھی اس فریب میں نہیں آسکتے، یہ مجاور لوگ جس طرح بے تکلف نذر و نیاز اور ان قبروں کے چڑھاؤ
کھاتے ہیں، وہ قرآن مجید کی اس آیت کی پوری تفسیر و تصویر ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الْقُبُورَ
وَالْأَنْبِيَاءَ لَعَلَّكُمْ تَكُونُوا بِالْأَنْبِيَاءِ حَاضِرِينَ" (اے ایمان والو! یہودیوں و نصاریٰ
کے بہت سے علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔)

کھانا قبر پرستی

ان جہلا میں سے بہت سے لوگ صاف صاف قبر کی طرف منہ کر کے ناز پڑھتے ہیں بعض بعض لوگوں
کو اس طرح دعا کرتے ناگیا ہے کہ حضرت میری مغفرت فرمادیجئے، مجھ پر رحم کھائیے، بعض آدمی قبر کو
سامنے رکھ کر ادب کی طرف پیٹھ کر کے ناز پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قبر تو خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ جو عام کا
یہ بھی ان لوگوں کا مقولہ ہے، جو عبادت و زہد میں مستاز ہیں اور جن کے سیکڑوں ہزاروں مرید و متقلدین
اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پیروؤں میں سب سے بہتر ہوں، اس شخص کا اپنے شیخ کے بارے میں قول
ہے، بعض ایسے شیوخ اور مقتدا بھی ہیں جو بڑی ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں، جب مریدان کے ہاتھ پر
توبہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے ان کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ شیخ کی قبر پر جا کر چلے کھینچے جیسے کہت پرست
اپنے اپنے بتوں پر آسن جہاں بیٹھے ہوتے تھے ان قبر پرستوں میں بہت سے لوگوں کو ان قبروں کی
پرستش میں وہ رقت و خشوع، دعا کی کیفیت اور حضور قلب حاصل ہوتا ہے، جو ان کو مساجد میں محال

نہیں ہوتا، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ"
(ترجمہ۔ ان گھروں (مساجد) میں جن کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے)

خدا سے بے خوفی اور صاحبِ مزار سے خوف و خشیت

"ان لوگوں کا اعتقاد اور قبور سے تعلق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ بے تکلف کباڑ اور منہیات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں لیکن جب وہ مزار کا گنبد یا کلس دیکھ لیتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے 'خبردار یہ گنبد کا کلس نظر آ رہا ہے' لیکن کو اس کلس کے نیچے دفن ہونے والے انسان کا تو خیال خطرہ ہوتا ہے اور اس خدا کا ذرا بھی لحاظ نہیں ہوتا جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جس کے حکم سے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی بحث کرے تو اپنے حریف کو ان بزرگوں کے جلال اور قدرت سے ڈراتے ہیں بالکل جس طرح مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا تھا قرآن شریف میں ہے۔

فَخَاجَهُ قَوْمُهُ فَقَالَ لَهُمْ اتَّبِعُونِي فِيْ اِسْمِ رَبِّكُمْ	اور اس کا قوم نے اس سے جھگڑا کیا اس نے کہا
هَٰذَا رَبِّيْ وَلَا اَلْخَافَ مَا تُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ اَشْجَاةٌ	کیا تم مجھ سے اللہ کے ایک بے شمار جگہ تے ہو اور اس
رَبِّىْ شَيْءٌ مِّنْ شَيْءِ رَبِّىْ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَنَا فِىْ سَآءِلٍ	میرے زمانہ الگ ہے جس میں تم شریک کرتے ہو میں تک
مَتَدَلِّلُوْنَ ۝ وَكَفَيْتَ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ	نہیں ڈرتا، مگر یہ کہ میرا رب مجھے کوئی تکلیف پہنچانا
وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ اَشْرِكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَكُمْ	پاپے میرے سب نے تم کے ساتھ سے سب چیزوں پر
يُنَزَّلُ بِهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاِنَّ الْمَرْيُوسِيْنَ	احاطہ کر رکھا ہے کیا تم سوچتے نہیں ہو اور میں تمہاری
اٰتٰى بِالْاٰمِنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَٰٓئِنْ	شرکیوں سے کہیں ڈرنا حالانکہ تم اس بات سے

اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْمِزُوْا اٰیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ

لَهُمُ الْاٰمَنُ وَهُمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اس چیز کو

جس کی اشراف تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری اگر تم کو کچھ سمجھ

ہے تو بتاؤ دونوں جماعتوں میں سے اس کا زیادہ

مستحق کون ہے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے

ایمان میں شرک نہیں ملا یا، امن ان ہی کے لئے ہے

اور وہی راہِ راست پر ہیں۔

اللہ اور شعائر اللہ سے امتہزاء و استخفاف

”یہ قبر پرست توحید اور خدا کے واحد کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جن خدا کو چھوڑ کر اپنا شفیع اور کار ساز بنا رکھا ہے، ان کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ حج بیت اللہ اور حجاج کی تحقیر کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ اور شیوخ کی زیارت حج بیت اللہ سے افضل ہے، یہ عقیدہ اہل تشیع اور بہت سی کھلانے والوں میں بھی پایا جاتا ہے، کچھ لوگ مساجد اور نماز پنجگانہ کی تحقیر کرتے ہیں، اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے شیخ کی دعا اس سے افضل و اعلیٰ ہے، یہ عقیدہ ان شیعوں میں ابھی تک موجود ہے، جو یونس قیسی کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، ان کی اس گیت سے اندازہ ہوگا۔

تَعَالَوْا نَحْرِبِ الْحَبَّاعِ وَنَجْعَلُ فِيْهِ خُمَارَہ

وَنَكْسِرُ الْمَنَبِرَ وَنَجْعَلُ مِنْہُ طَبَارَہ

وَنَحْرِقُ الْمَصْحَفَ وَنَجْعَلُ مِنْہُ زَمَارَہ

۱۔ ارد علی ابکری مشہور ۲۹ سورۃ انعام ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳

وَنَتَعَمَلُ الْحَيٰةَ الْقٰصٰی وَنَجْعَلُ مِنْهُ اَدَبًا

مشرکین کی بیباکی و شوخ چستی

ان کی بیباکی کا حال یہ ہے کہ بے تکلف جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں، لیکن اپنے شیخ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے۔ ان میں بعض بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو رزق میرے پیر کی طرف سے نہ ملے وہ مجھے قبول نہیں، ان میں سے بعض بکری ذبح کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میرے آقا کے نام سے بعض مٹا مٹا کہتے ہیں کہ ان کے شیخ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے، ان میں سے بعض ان کے متعلق الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں، جیسے کہ نصاریٰ حضرت مسیح کے متعلق رکھتے تھے، جب وہ اپنے شیخ کا ذکر کرتے ہیں تو بڑی تعظیم و تکریم سے کرتے ہیں، اور ان کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں، انھوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی طرف سے بڑے بڑے شعربار کھے ہیں، جن میں صاف صاف خدائی کا دعویٰ ہے اور بڑی بڑی لن ترانیاں ہیں، کوئی کہتا ہے کہ موسیٰؑ طور پر بھی ہے، کلام ہوئے تھے، اور میری ہی تجلی دیکھ کر بیہوش ہو گئے تھے، کوئی کہتا ہے کہ عرش پر میں نے ہا چنچ ماری تھی، جو عالم میں شور مچا گیا، اور سات سمندر میری ہی اہمیت سے تلاطم میں آئے۔

بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

بہت سے جہلاء و مشرکین پیروں اور بزرگان دین کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہی دنیا کا

آدھم لوگ مسجد کو: ویران کریں	اور اس میں شراب کی دکان قائم کریں
اور منبر کو توڑ کر.....	اس سے ساز و مزامیر بنائیں
اور قرآن کو پھاڑ کر.....	اس سے بانسری بنائیں
اور قاضی کی داڑھی اکھاڑ کر	اس سے اس کے تانت بنائیں

۲۵ ارد علی ابکری ص ۲۵۱

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس شہر یا بستی میں کسی بزرگ کا مزار ہوتا ہے اسی کی برکت سے ان کو رزق ملتا ہے ان کی مدد ہوتی ہے اور دشمنوں سے حفاظت ہوتی ہے اور ملک محفوظ رہتا ہے جس شخص سے ان کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فلاں شہر کا پاسبان ہے، مثلاً بیتہ نفیسہ مصر و قاہرہ کی پاسبان ہیں، فلاں و فلاں بزرگ دمشق و غیرہ کے محافظ ہیں، فلاں و فلاں بغداد و غیرہ کے پیر یا رہبر ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان ہی صالحین و انبیاء کی قبروں کی برکت سے ان شہروں اور بستیوں سے بلا دفع ہوتی ہے۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب دشمن نے دشق کا رخ کیا، تو یہ (قبر پرست) بزرگوں سے فریاد کرنے کے لئے مقابر و مزارات کی طرف روانہ ہوئے جن سے ان کو اس خطو کے دفع کرنے کی امید تھی اور بعض شعراء نے کہا:-

یا خائفین من التتر
اے تاتاریوں سے ڈرنے والو
لوذوا بقبرای عسر
ابو عمر کی قبر کی پناہ میں آ جاؤ
دوسرے نے کہا :-

عوزوا بقبر الی عمر
 ابو عمر کی قبر سے پناہ حاصل کرو

ینجیئکم من الضر
 تم کو وہ تکلیف سے نجات دیں گے

۱۳۸۰-۱۳۸۱ هجری قمری اثر علی ابیکری مصنف ۱۳۸۰-۱۳۸۱ هجری قمری اثر علی ابیکری مصنف

مشاہد کا فتنہ

اس ادب پرستی اور قبر پرستی کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مساجد کے مقابلہ میں مشاہد کی اہمیت بڑھ جائے اور وہ "زیارت گاہ خلائق" اور عوام و جہال کا قبلہ حاجات بن جائیں چنانچہ عالم اسلام کے چپے چپے پر ان مشاہد و مزارات کا جال بچھ گیا ہزاروں لاکھوں صحیح اور جعلی قبریں بن گئیں ان امراء و سلاطین نے بڑی فراخ دلی اور جوصلہ مندی سے ان کے لئے اہلک زمین وقف کی ان مزاروں و بزرگوں کی جگہوں پر سر بفلک عمارتیں اور طلائی گنبد تعمیر ہوئے مجاورین جاروب کشوں اور خادموں کی ایک مستقل قوم اور امت وجود میں آئی، دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ان کی طرف سفر کار و اج ہوا اور بڑے بڑے قافلے دور دراز مقامات سے اس طرح سفر کر کے جانے لگے کہ حجاج کے قافلوں کے ہمسریاں سے کچھ بڑھے ہوئے نظر آنے لگے مساجد سے عام مسلمانوں کی توجہ ہٹ کر مشاہد کی طرف ہو گئی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں مشاہد و مزارات نے دینی زندگی میں پوری مرکزیت اور مرجعیت اختیار کر لی تھی اور وہ بیت الشریعہ کے حریف و رقیب بن گئے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا تصنیفات و تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مشاہد کا فتنہ کتنا بڑا ہو چکا تھا اور جاہل و اہل غرض مسلمانوں کو اس سے کتنا تعلق ہو گیا تھا اس فتنہ کے طاقت پرکھنے اور وسیع ہونے میں اس بات کو بھی بڑا دخل تھا باطنی سلطنت نے صدیوں بڑے کروفر سے مغرب اقصیٰ سے مصر و شام تک حکومت کی تھی اہل رخصت و تشیع کو شروع سے مساجد سے زیادہ مشاہد سے اور حرمین سے زیادہ نجد و کربلا و شہد سے تعلق رہا امام ابن تیمیہ کی ولادت سے پیشتر اگرچہ مصر کی فاطمی سلطنت ختم ہو چکی تھی لیکن اس کے ذہنی و تہذیبی

لے یہ عام طور پر فاطمی سلطنت کے نام سے معروف ہے یہ درحقیقت عبیدیوں کی سلطنت ہے ملاحظہ فرمائیے

وعزیمت صحراول ۳۳۹ دوسرا ایڈیشن۔

اثرات ابھی باقی تھے، خاص طور پر شام میں بڑی تعداد میں شیعہ واسمعیلی موجود تھے جن کی صحبت کا اثر عام اور جاہل مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، پھر غلط قسم کے تصوف نے جس میں بزرگوں کے مزارات و مشاہد خاص اہمیت اور تقدس رکھتے تھے، اور ان پر سالانہ اجتماعات (عرس) وغیرہ کا رواج ہو چلا تھا، ان مشاہد و مزارات کو اور زیادہ چمکادیا تھا، اور اب وہ شرک و بدعات کا ایک بڑا ذریعہ بن گئے تھے، امام ابن تیمیہ ان مشاہد و مزارات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مشاہد و مزارات کا حج

”کچھ لوگ ہیں جو قبروں کا حج کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے اس سفر کے ادب و احکام پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن کا نام انھوں نے مناسک حج الشاہد رکھا ہے، چنانچہ ایک شیعہ عالم ابو عبد اللہ محمد بن نعمان الملقب بالمفید کی اسی نام کی مستقل تصنیف ہے جس میں ایسی بہت سی بے سرو پا روایات اہل بیت کی طرف منسوب کی ہیں جن کا بے اصل ہونا اہل نظر سے مخفی نہیں، کچھ لوگ بڑی دھوم دھام کے ساتھ مشائخ کے قبور کی زیارت کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو مناسک یا حج تو نہیں کہتے، لیکن دونوں میں کوئی فرق نہیں، ان میں سے بعض بعض لوگ جبیم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وحی النبی الذی تمجّد لہ المصلیٰ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حج کا ذکر کرتے ہیں، بیت النبی کی طرف حج کا ذکر نہیں کرتے، بعض حجاج کا حج سے بڑا مقصد قبر مبارک کی زیارت ہوتی ہے نہ کہ حج بیت اللہ“

حج بیت النبی پر ترجیح

- بعض بعض لوگ مقابر کے حج کو حج بیت النبی پر ترجیح دیتے ہیں بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر

فلاں بزرگ کی قبر کی زیارت دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر لی جائے تو ایک حج بن جائے گا، بعض کسی بزرگ کے مزار کو میدان عرفات قرار دیتے ہیں اور حج کے زمانہ میں سفر کر کے وہاں جاتے ہیں اور اسی طرح وقوف کرتے ہیں، جیسے مسلمان میدان عرفات میں کھڑے ہیں اور مغرب مشرق میں ایسا ہوتا رہتا ہے، بعض لوگوں کے اعتقاد میں اس مقدس مقام یا اپنے بزرگ کی قبر کا سفر حج سے بھی افضل ہے، ایک مرید نے جس نے سات حج کئے تھے، دوسرے مرید سے کہا کہ شیخ کی قبر کی زیارت ان سات حج کے بدلے میں فروخت کیے تو؟ اس نے اپنے پیر سے شہدہ کیا، اس نے اس سے کہا کہ اگر تم نے یہ سودا کر لیا تو تم بڑے گھٹے میں رہو گے، بعض کو کہتے ہیں کہ جو شیخ کی قبر کے سات پھرے کر لے اس کو ایک حج کا ثواب ملے گا۔

مساجد کی ویرانی و کس مہر پر اور شاہد کی رونق و اہتمام

۱۰۔ ان میں سے بہت سے لوگ مساجد کو ویران رکھتے ہیں اور شاہد کو بڑا آباد و پردہ رونق، ان کی مسجد جو نماز چھانڈ کے لئے بنائی گئی ہے، بالکل ویران ہے چراغ نظر آتی ہے، غریب اہل محلہ اگر وہی فرش کا انتظام کر دیں تو کرنیں و دھند بھی نہیں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی سرائے ہے جس کا کوئی پرانہ نہیں اس کے مقابل میں مزار و مقبرہ کا حال یہ نظر آتا ہے کہ پرانے اس پر پڑے ہیں، سونے چاندی سے اس کو مرقع کیا گیا ہے، سنگ مرمر کا فرش ہے، صبح و شام آئندہ نیا لگا دیا ہے، کیا یہ شاہد اس کی آیات اور اس کے رسول کی کھلی ہوئی تحقیر و شرک کی علامت نہیں ہے؟ یہ سب کچھ ہوتا ہے، ان کا حقیقہ یہ ہے کہ صاحب مزار کی دعا اور اس کی تدائی اللہ کے گھر میں بخرے لگنے لگا، اس کے نام کا دعائی دینے سے زیادہ مؤثر و مفید ہے، اس لئے قدرتی طور پر خدا کے گھر مسجد کے مقابلہ میں گھر کو ترجیح دینی ہوئی، جو مخلوق سے دعا کے لئے بنایا گیا ہے، اگر مسجد کے لئے بھی کوئی وقف ہے اور مزار کے لئے بھی

کوئی وقت ہے تو مزار کا وقت ان کے نزدیک زیادہ اہم اور مستہم بالشان ہوگا اور مسجد سے بڑھا ہوگا، اس بارے میں وہ شرکیں بیکجا قدم بہ قدم ہیں جن کا حال اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ
شُرَكَاءَ ۚ ثُمَّ لَا يَنتَعِبُونَ
ثُمَّ إِذَا أَصَابَهُمْ مِنْ فَتْنَةٍ فَمِنْهُمْ مُوقِنٌ
بِشُرَكَائِهِمْ ۚ أَتَاخَذُونَ
أَلِهَةً غَيْرَ اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّسْرِئُونَ
ثُمَّ إِذَا أَصَابَهُمْ مِنْ فَتْنَةٍ فَمِنْهُمْ مُّسْرِئٌ
بِشُرَكَائِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّسْرِئُونَ
ثُمَّ إِذَا أَصَابَهُمْ مِنْ فَتْنَةٍ فَمِنْهُمْ مُّسْرِئٌ
بِشُرَكَائِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّسْرِئُونَ

اللہ اش کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ

اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے

ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شرکیوں کا ہے، سو جو

حصہ ان کے شرکیوں کا ہے وہ اللہ کی طرف نہیں جاسکتا

اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکیوں کی طرف جاسکتا

ہے کیسا بڑا فیصلہ کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں باوجود
اس کے کہ طاقتور اسلامی سلطنتیں قائم تھیں اور بڑے بڑے ائمہ فہم اکابر محدثین و فقہاء موجود تھے
بڑے بڑے علماء اور علمی مرکزوں کا وجود تھا، عوام و جبلا کن با اعتقادی اور علمی گمراہیوں میں مبتلا تھے،
لوگوں کو جب کے شرکانہ عقائد و اعمال مسلم معاشرہ اور عام مسلمانوں کے مزاج میں درخور پائے گئے تھے، عوام
و جبلا و سب سے قطع نظر بہت سے علماء اور فقہاء بھی ان عقائد و اعمال کے بارے میں بہت سے شبہات
کا گرفتار تھے اور ان کی تحریروں اور فتاویٰ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شرک و توحید کے بارے میں ان کا
دین بھی اتنا صاف اور کیسی نہیں تھا جتنا الیکل ایسے شخص کا ہونا چاہئے جس نے عقیدہ توحید کو براہ راست
قرآن و حدیث سے اخذ کیا ہے اور جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت اور صحابہ کرام
کے عہد خیر و برکت کے نمونے اور اقوال و اعمال ہیں اس طبقہ کے طرز فکر کا اندازہ جو اپنے زمانہ کے رسوم
و عادات و عادات قدیمہ سے متاثر تھا، امام ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علی بن یعقوب البکری اور لا خانی کی تصانیف

بکری علی بن یعقوب البکری

سے ہوتا ہے جس کی تردید میں امام ابن تیمیہ نے وہ دو مبسوط کتابیں لکھیں جن کے اقتباسات اوپر پیش کیے گئے ہیں۔

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کام اور مشرکانہ عقائد کی تردید و مخالفت

امام ابن تیمیہ نے ان مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف جہاد و تجدید کا علم بلند کیا، اور عوام کی رضامندی و ناراضگی نیز خواص کا عوام کے قہر و عتاب سے بالکل بے نیاز ہو کر مروجہ اعمال و رسوم اور مشرکانہ عقائد و خیالات کی تردید کی اور ان عقائد و تخیلات پر تیشہ چلایا، جو اس مشرکانہ طرز عمل کی بنیاد تھے۔

ان مزارات پر عوام کے ہجوم اور مشرکانہ اعمال و رسوم کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عوام ان اصحاب مزارات سے اپنے مقاصد و اغراض کے لئے دعا کرتے تھے، ان کے نام کی دہائی دیتے تھے، ان کی پناہ میں آتے تھے، امام ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں صاف صاف لکھا کہ دعا غیر الشریعہ سے بالکل جائز نہیں اور یہ شرک صریح ہے جو مسلمانوں کی بہالت یا غیر مسلم اقوام کی غفلت سے مسلمانوں میں داخل ہو گیا ہے اور علیٰ ہرگز اس میں لکھتے ہیں۔

غیر الشریعہ دعا و استغاثہ کی ممانعت

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس کو اپنی حق سمجھ لینے کے بغیر اپنی اور بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کسی مروجہ غیر الشریعہ دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر نہ استغاثہ کے طور پر اسی طرح آپ کی امت کے لئے کسی مردہ یا زندہ کا سجدہ کرنا جائز نہیں اور اسی طرح کے وہ اعمال جو عبادات میں شامل ہیں ان کو

لے تلخیص کتاب الاستغاثہ المعروف بالرد علیٰ البکری مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۳۶ھ اور کتاب الرد علیٰ الاستغاثہ مطبوعہ

نیارۃ غیر البکریۃ الزیارة الشریعۃ ایضاً مطبوعہ سلفیہ ۱۳۳۶ھ آخر فقہ کتب اول للذکر کے حاشیہ پر ہے۔

خوب معلوم ہے کہ آپ نے ان تمام امور سے منع فرمایا ہے، اور یہ سب اس شرک میں داخل تھے جس کو
اشر نے اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، لیکن چونکہ پچھلے زمانہ میں جہالت بہت عام ہوئی
اور تعلیمات نبوت اور آثار رسالت سے واقفیت بہت کم تھی، اس لئے بہت سے علماء نے
اس وقت تک ان جہلا کی تکفیر کرنے سے احتیاط کی ہے، جب تک کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی تعلیم اور دین کے احکام واضح نہ ہو جائیں۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:-

• میت سے اپنی ضرورت کا سوال یا اس سے استغاثہ جیسا کہ بہت جگہ رواج ہے شریعت محمدی
سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، یہ بھی درحقیقت بت پرستی کی ایک قسم ہے اسی لئے ان دعا کرنے والوں
کے سامنے کبھی کبھی شیاطین صاحب مزار کی صورت میں یا کسی غائب کی شکل میں آتے ہیں، جیسا کہ
بت پرستوں کو اکثر ایسا پیش آتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے
• بت پرستی کی ابتداء قبروں ہی سے ہوئی۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

• کسی متین یا غائب سے سوال خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر ان اعمال میں سے ہے، جن کی حرمت پر
تمام ائمہ مسلمین متفق ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ نے نہ تو اس کا حکم دیا، اور نہ صحابہ و تابعین میں سے
کسی نے ایسا کیا، اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اس کو پسند کیا، جو دین اس وقت ہلکے سامنے
ہے، اور محفوظ چلا آ رہا ہے اس سے بدانتہا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرون خیر میں بالکل اس کا
رولج نہیں تھا کہ اگر کوئی شخص کسی شکل میں یا مصیبت میں گرفتار ہوتا یا اس کو کوئی ضرورت
پیش آتی تو وہ کسی گذشتہ بزرگ یا پیغمبر کا نام لے کر کہتا یا تیدی فلاں انا فی حبک (حضور والا

میں آپ کے ذمہ میں ہوں) میں نے آپ کا دامن پکڑا ہے، یا خلاں بزرگ میری ضرورت پوری کر دیجئے، جیسے کہ اس زمانہ کے بعض مشرکین اپنے ایسے بزرگوں کا نام لے کر کہتے ہیں، جیسا تو افعال کر چکے ہیں یا وہاں موجود نہیں ہوتے نہ کہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی یا کسی اور پیغمبر کی قبر شریف کے پاس یا قبر شریف سے فاصلہ پر دہائی دی ہو، صحابہ کرامؓ کے مشرکین و کفار کے ساتھ بڑے بڑے معرکے ہوئے اور بار بار وہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، بڑے گھمان کارن پڑا، اور بعض اوقات بڑی پریشانی پیشائی اس کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ کسی نبی کی دہائی دی، اور نہ غیر نبی کی اور نہ خدا کو کسی مخلوق کی قسم دی نہ یہ حضرات انبیاء اور غیر انبیاء کی قبور پر دعا کرنے کے لئے جاتے نہ نماز پڑھنے کے لئے، ملائکہ اللہ اور بعض علماء نے تو اس کو بھی ناپسند کیا ہے کہ کوئی شخص قبر لحد کے پاس کھڑے ہو کر بھی اپنے لئے دعا کرے اور انھوں نے تصریح کی ہے کہ یہ ان بدعات میں سے ہے جن کا ہدیہ صلیبت میں شریعہ نہیں ملتا۔

اپنے مشہور رسالہ التوسل والوسیلہ میں لکھتے ہیں:-

• ملائکہ اور انبیاء سے (ان کے انتقال کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں) دعا کرنا، ان سے انگلیوں کی دہائی دینا، اور ان سے یا ان کے مجسموں کے سفارش چاہنا ایک بنیادین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شروع نہیں کیا اور نہ کسی نبی کو اس کے ساتھ معیشت فرمایا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب اس کی تائید میں نازل فرمائی:

غیر اللہ سے دعا کی حرمت کی حکمت

اس کتاب میں وہ ایک جگہ اس حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ بیان فرمایا ہے کہ فلاک ہمارے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں ہم کو

لے اورد علیٰ ہکری رحمہ اللہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ ص ۱۵۱

ملا کر سے دعا کرنے کی مانست فرمائی، اسی طرح انبیاء و صالحین اگرچہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے وہ زندوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں، لیکن کسی کو خود ان سے دعا کرنا جائز نہیں اور نہ سلف سے ایسا منقول ہے اس لئے کہ فعل ذریعہ بن جاتا ہے، شرک اور ان کی مستقل پرستش کا بخلاف اس کے اگر زندگی میں ان سے کچھ مانگا جائے یا سوال کیا جائے تو وہ شرک تک نہیں پہنچاتا دوسری بات یہ ہے کہ ملائکہ اور انبیاء و صالحین انتقال کے بعد زندوں کے لئے جو کچھ دعا و استغفار کرتے ہیں وہ ایک تکوینی امر ہے جس میں دوسروں کے سوال و دعا کا کوئی دخل نہیں، برخلاف زندگی کے کہ اس میں سائل کا سوال کرنا مشروع ہے انتقال کے بعد وہ ان چیزوں کے مکلف نہیں رہتے۔

اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں اور صورتیں

ایک دوسری جگہ وہ قبر پر دعا و سوال کرنے والوں کی قسمیں اور حالات لکھ کر الگ الگ حکم بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

جو شخص کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر کے پاس آتا ہے یا کسی ایسی قبر کے پاس جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر ہے (حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے) وہاں سوال و سجدہ کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے مثلاً اس سے اپنے یا اپنے جانوروں کے مرض کا ازالہ یا اپنے قرض کی ادائیگی یا اپنے دشمن سے انتقام یا اپنی یا اپنے گھر والوں اور جانوروں کی صحت کی درخواست کرتا ہے اور اسی طرح کے وہ امور جن پر خدا کے سوا اور کسی کو قدرت نہیں تو یہ کھلا ہوا شرک ہے ایسے شخص سے توبہ کرانی چاہئے اگر وہ توبہ کرے تو خیر ورنہ قتل

کر دیا جائے۔

اگر وہ کہتا ہے کہ میں ان صاحب مزار سے یا اس پیغمبر یا ولی سے اس لئے سوال کرتا ہوں کہ اس کو میرے مقابلہ میں خدا سے زیادہ تقرب حاصل ہے یا یہ ان امور میں میری سفارش کر دے اس لئے میں اللہ کے لئے یہاں اس کو وسیلہ بناتا ہوں جیسے کہ سلطان کے یہاں اس کے خواص و عوام کو وسیلہ بنایا جاتا ہے تو یہ عمل مشرکین و نصاریٰ کا معاملہ ہے اس لئے کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنے اہبار و رہبان کو صرف شفیع بناتے ہیں اور ان سے اپنے اغراض و مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش چاہتے ہیں اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے متعلق اطلاع دی ہے کہ وہ کہتے ہیں مَا نَعْبُدُكُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔ الزمر-۲)

اور ارشاد ہوتا ہے۔

أَمْ أَمْنُكُمْ وَأَمِنْ دُعَايِ اللَّهِ شُفَعَاءُ قُلْ
أَوْ تَوَكَّلُوا عَلَآئِ الْمَلَائِكَةِ شَيْفَلَا يَشْفَعُونَ
قُلْ يَحْيَىٰ الشَّعْبَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَتُمَارُونَهُ تُجَعِّلُونَ
کی انھوں نے اللہ کے سوا اللہ عبادت بنا رکھے ہیں
کہہ دو کیا اگرچہ وہ کچھ بھی تھیلا نہ کہتے ہوں اللہ
بجانب اللہ کہتے ہوں کہہ دو ہر طرح کا ہدایت اللہ کے
اختیار میں ہے آسمانی مہذب میں یہ کون سا حکمت
ہے پھر اس کی طرف تم لوگوں سے جاؤ گے۔ (سورہ زمر-۲۳-۲۴)

اور ارشاد ہوتا ہے کہ۔

مَا أَكْفَرْتُمْ دُفْعَهُ مِنْ عِقَابِي ذَلَّ عَلَىٰ
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (الجمہ-۴) خدا کی پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔

اسی طرح ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآلِآبِآذِنِهِۦ ۖ اِذَا كُنَّ اَسْمَاعُكَ تَسْتَعِيْزُ ۚ
ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے
(البقرہ۔ ۲۵۵) یہاں سفارش کر سکے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس بزرگ یا صاحب مزار سے فعل کو طلب نہ کیا جائے نہ اس سے دعا کی جائے اس سے صرف یہ درخواست کی جائے کہ وہ حصول مقصد کے لئے دعا کرے، جیسے کسی زندہ انسان سے کہا جاتا ہے کہ میرے لئے دعا کر دیجئے اور جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ائہم اجمعین سے دعا کی درخواست کرتے تھے تو معلوم ہونا چاہئے کہ زندہ انسان کے معاملہ میں تو یہ جائز اور مشروع ہے، باقی ایک فوت شدہ مرد صالح یا پیغمبر کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس سے دعا کی درخواست کرنا شریعت میں نہیں آیا، یہ کوئی مشروع فعل نہیں کہ ہم کسی بزرگ یا پیغمبر سے انتقال کے بعد کہیں کہ ہمارے لئے دعا کر دیجئے یا اپنے رب سے ہمارے لئے یہ مانگ دیجئے، اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے ایسا ثابت ہے، اور نہ کسی امام کا یہ مسئلہ ہے، نہ اس کے ثبوت میں کوئی حدیث ہے، اس کے برخلاف صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی اور ان کو وسیلہ بنایا اور کہا اے الشرا جب ہم پہلے قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے، اور تو بارش نازل فرماتا تھا، اب ہم اپنے پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو باران رحمت بھیج، چنانچہ بارش ہوئی انھوں نے اس ضرورت اور مصیبت کے وقت یہ نہیں کیا کہ قبر انور کے پاس آئیں اور عرض کریں کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے دعا کر دیجئے، اور بارش بجو آئیے، ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں کہ کسی صحابی نے اس طرح نہیں کیا، یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ زائرین کہے کہ اے اشر فلاں شخص کے طفیل جس کا تیرے یہاں

بڑا مرتبہ ہے یا فلاں کی برکت سے یا بخرمت فلاں و فلاں مجھے فلاں چیز عطا فرما میرے ساتھ
ایسا معاملہ فرما تو یہ بہت سے لوگوں کا معمول ہے لیکن ایسا کرنا کسی صحابی یا تابعی یا سلف میں سے
کسی نے منقول نہیں ہے کہ وہ اس طرح دعا کرتے ہوں بعض علماء اور اکابر نے اس کی صحت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجازت دی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی حیات میں تھا، ہمیشہ کے لئے نہیں!

زندہ مٹی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ اسبابِ نیاوی سے ماورا ہو جائز نہیں

امام ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ یا پیغمبر اور صاحبِ مزار سے
سوال و طلب اور دعا کرنا جائز نہیں بلکہ کسی زندہ انسان سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو ابدی نیاوی
سے ماورا اور قدرتِ کئی شکوئے سے متعلق ہو یا ان امور سے تعلق رکھتی ہو جو صرف خدا کی قدرت
اور ارادہ سے ہو سکتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے ان کے نزدیک ناجائز
اور شرک ہے اپنے رسالہ زیارة القبور میں فرماتے ہیں۔

بندہ کا مطلوب اگر ان امور اور حالات سے تعلق رکھتا ہے جو صرف خدا کی قدرت حاصل
ہے اس کا غیر اللہ سے طلب کرنا خواہ وہ بادشاہ ہو خواہ نبی، خواہ پادشاہ ہو خواہ پادشاہ ہو خواہ
جائز نہیں شفا پنی یا جانوروں کی بیماری سے صحت طلب کرنا غیر کفر و فسق کے اپنے
قرعہ کی لٹائیگی چاہے گھر والوں کی مافیت احمد نیا و آخرت کی بلڈنگ کاغذ ہو یا شادی

۱۔ رسالہ زیارة القبور مشمول مجموع رسائل ص ۱۰۱ باختصار

توکل کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کا مسلک شہور و معلوم ہے جس کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کی مستقل تصنیف
جلید فی اجوتل و دیوانہ میں کثیر اثر و علامہ ابن تیمیہ سے اختلاف دیکھی۔

فتح قلب کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت جنت میں دخول جہنم سے چھٹکارا، علم کا حاصل ہو جانا قرآن کا پڑھ جانا، قلب کی درستی، اخلاق کی آراستگی، نفس کا تزکیہ وغیرہ وغیرہ، یہ سب امور ہیں جو صرف خدا سے طلب کئے جاسکتے ہیں، یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا پیغمبر یا پیر سے یہ کہے خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ کہ میرے گناہ بخش دیجئے، مجھے میرے دشمن پر فتح دیجئے، میرے مریض کو شفا دیجئے، مجھے عافیت عطا کیجئے، یا میرے گھر والوں اور میرے جانوروں کو سلامتی عطا ہو، اور اسی طرح کی دعائیں اور فرمائشیں اگر کوئی شخص کسی مخلوق سے ان باتوں کا سوال کرے گا، خواہ وہ کوئی ہو، تو وہ مشرک ہے اور انہی مشرکین کی جنس میں سے ہے جو ملائکہ اور انبیاء کی عبادت کرتے تھے اور ان کے بتوں اور موتیوں کی پرستش کرتے تھے، جو ان کی شکل پر انھوں نے بنا کر فیوں اور جیسے نصاریٰ حضرت مسیح اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم سے دعا کرتے تھے۔

واسطہ کی حقیقت

اس سلسلہ میں ایک بحث واسطہ کی پیدا کی جاتی ہے اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی بزرگ اور مرد صالح سے دعا کرنے یا سفارش کرانے کے مخالف ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ واسطہ کے منکر ہیں، حالانکہ نبی خلق اور خالق کے درمیان واسطہ ہے اور اس کے بغیر خدا تک پہنچنا امر محال ہے، امام ابن تیمیہ نے واضح طریقہ پر اس کا جواب دیا ہے اور بتلایا ہے کہ واسطہ کے دو مفہوم ہیں، ایک مفہوم برحق اور متفق علیہ ہے اور اس پر سارے دین کی بنیاد ہے، ایک مفہوم باطل ہے بنیاد اور اختراعی ہے، انھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالۃ الواسطہ میں ان خلق واکت کے نام سے لکھا ہے اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

• رسول کے واسطے ہونے کا اگر مفہوم یہ ہے کہ مخلوق کے لئے ایک ایسا واسطہ ضروری ہے جو اللہ کا حکم اور اس کا نشاء خلق خدا کو بتلاتا ہے تو یہ سراسر حق ہے اس لئے کہ خلق خدا کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضیات احکام، تنبیہات کے معلوم کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں اپنے دوستوں و مقبول بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اور اپنے دشمنوں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ ان کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا، کون سے اسماء و صفات اللہ تعالیٰ کی ذات بے چوں و بے چگوں کے شایان شان اور مناسب ہیں اور کون سے نامناسب عقل تنہا اس کی معرفت سے عاجز و درماندہ ہے یہ سب حقائق اور علوم صحیحہ محض انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ حال ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و تعلیم کے لئے بھیجا ہے یہ ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس پر نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل مل یہود و نصاریٰ تک کا اتفاق ہے وہ سب خلق و خالق کے درمیان اس طرح کے وسائل کے قائل ہیں یہ وسائل خدا کے وہ پیغمبر ہیں جنہوں نے اللہ کی طرف سے احکام و اطلاعات پہنچائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا مِّنْ ذُنُوبِهِمْ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ أَلِيمٍ
النَّاسِ (سورہ حج - ۷۵) کے لئے مقرر کیا ہے۔

جوان واسطوں کا منکر ہے وہ باتفاق تمام اہل مل وادیان کافر ہے۔

• اور اگر واسطہ کا مفہوم یہ ہے کہ حصول منافع و دفع مضرت کے لئے ایک ایسا واسطہ ضروری ہے مثلاً ایک ایسی شخصیت ضروری ہے جو مذاق، نصرت اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتلانے میں مددگار ہو، بندوں کے درمیان واسطہ ہوا لوگ اس سے ان سب چیزوں کا سوال کریں اور وہ خدا سے لے کر دے اور لوگ اسی سے امید باندھیں تو یہ پرے درجہ کا شرک ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی

لے واسطہ میں اخلت و اسحق ۴۵-۴۶

تکلیف فرمائی ہے، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے اولیاء و شفعاء کو اختیار کر رکھا تھا، جن کے ذریعہ سے وہ منافع حاصل کرتے تھے اور معذرت سے بچتے تھے۔

عوام و جہلاء اور بہت سے خواص کا عوام نے یہاں تک غلو کیا تھا کہ صرف حضرات انبیاء اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، بلکہ عام اولیاء و صاحبین کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنا رکھا تھا، اور دعا و استعانت، توکل و رجاء سب کا تعلق انہی سے قائم کر رکھا تھا، امام ابن تیمیہ ان کے بارے میں یہی تفریق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علم دین کے جو ائمہ اور مشواہین ان کے بارے میں بھی تفصیل ہے کہ جو شخص ان کو رسول اور امت کے درمیان واسطہ مانتا ہے، وہ رسول کے احکام و مسائل کے مبلغ اور علم اور امت کے مرتبی و مقتدی ہیں، اور نمونہ عمل تو یہ بات بجا اور درست ہے، یہ ائمہ و علماء اگر کسی مسئلہ پر اجماع کر لیں تو ان کا اجماع حجت قطعی ہے، اس لئے کہ یہ سب گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف ہو تو اس کو وہ اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کریں گے، اس لئے کہ ان میں سے کوئی شخص انفرادی حیثیت سے علی الاطلاق معصوم نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک کے کلام میں تحقیق کا کچھ حصہ یا جاسکتا ہے، اور کچھ ترک کیا جاسکتا ہے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے، جو بالکل معصوم ہے، اور جن کا کوئی حکم و ارشاد قابل ترک نہیں۔“

اور اگر کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ بندگان دین اور ائمہ و علماء اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اسی طرح سے واسطہ ہیں، جیسے بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب و دربان ہوتے ہیں، کہ یہی خدا تک اس کی مخلوق کی ضرورتیں پہنچاتے ہیں، اور اللہ ان ہی کے توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے، مخلوق ان سے سوال کرتی ہے، اور وہ خدا سے سوال کرتے ہیں، جیسے

بادشاہوں کے عاجبہ زبان رعیت کی ضرورتیں ان سے طلب کرتے ہیں، لوگ براہ راست بادشاہ سے سوال نہیں کرتے اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں، وہ ان حاجتوں سے سوال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے طلب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، کیونکہ وہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اور طالب تناقر نہیں ہوتا، اور جو شخص اس نوعیت کے وسائل کا قائل ہے، اور اس معنی میں بزرگان دین اور علماء و علماء کو واسطہ مانتا ہے، وہ کافر و مشرک ہے، اس سے توبہ کرانی واجب ہے، اگر توبہ کر لے تو ضرور قتل کر دیا جائے، یہ درحقیقت تشبیہ میں گرفتار ہیں، کیونکہ انھوں نے مخلوق کو خالق کا مشابہ سمجھ رکھا ہے، اور اللہ کے ہمسرا اور نظیر ٹھہرا رکھے ہیں!

مشاہد بدعتِ قلیعہ میں

امام ابن تیمیہ ان مشاہد اور زیارت گاہوں کے سخت مخالف ہیں جو پورے عالم اسلام میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور انواع و اقسام کے منکرات کا مرکز بن گئی تھیں اور جنہوں نے عالم اسلام میں ایک فتنہ عظیم کی شکل اختیار کر لی تھی، اور کہتے ہیں کہ یہ شریعت کی صریح مخالفت اور پچھلے زمانہ کی ایک مکروہ بدعت ہے، اللہ علی البکریؒ میں فرماتے ہیں:-

یہ سجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں، جن کو شاہد کے نام سے کیا جاتا ہے، ایک بدعت ہے، جو لوگوں نے اسلام میں پیدا کی ہے، ان کی طرہ سفر کر کے جانا بھی ایک بدعت ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں، اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں جن کی خیر و فضیلت کا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہاد دی ہے، ان کا وجود نہ تھا، بلکہ صحیح احادیث میں آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا، بخاری کی حدیث ہے کہ: لیس لیس الیہود والنصارى اتخذوا قبورا تنبوا عن رسول الله (اللہ

یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو مساجد بنایا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا تو قبر مبارک کو کھلے میدان میں کر دیا جاتا لیکن آپ کو یہ ناپسند تھا کہ اس کو مسجد بنایا جائے اسی طرح سے یہ بھی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا۔

من کان من قبلكم کانوا یتخذون القبور
مساجداً الا فلا یتخذوا القبور مساجد
جو لوگ تم سے پیشتر تھے وہ قبور کو مساجد بنایا کرتے
تھے دیکھو یاد رکھنا قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو
اس سے روکتا ہوں۔

چل کر فرماتے ہیں:۔

”جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر ان کو ٹی اہل شہر وہاں بارش کی دعا کرتے تھے اور پانی مانگتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی آپ نے لکھا کہ دن کو تیرہ قبریں کھودو اور رات میں ان کو ان میں سے کسی ایک میں دفن کر دو تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، اور ان سے بارش کا سوال نہ کریں حقیقت یہی صحابہ کرام کا طریق تھا، اسی لئے صحابہ و تابعین کے زمانہ میں سرزمین اسلام میں ایک مسجد بھی ایسی نہیں پائی جاتی تھی، جو کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہو، اور نہ کہیں کوئی مشہد تھا جس کی زیارت کی جائے نہ حجاز میں، نہ یمن میں، نہ شام میں، نہ مصر، عراق، خراسان میں۔“

دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”قبور کی طرف حج کر کے جانے والوں اور ان کو عبادت گاہ اور مساجد اور میلہ کی جگہ بنانے والوں کا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں سراغ نہیں لگتا، اسلام میں نہ کوئی ایسی قبر اور مشہد تھا جس کی طرف حج کر کے جایا جائے، یہ تین صدیوں کے بعد کی پیداوار ہے بدعت کی

خاصیت ہی ہے کہ اس میں جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اسی قدر میں اس کا ظہور ہوتا ہے، شروع میں وہ بدعات ظاہر ہوتی ہیں جن کی مخالفت اتنی واضح اور جلی نہیں ہوتی۔

مشاہد کے موجد باطنی و روافض ہیں

ان کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد و مزارات کی بدعت اور دعوت روافض اور باطنیہ نے شروع کی اور ان کے بارے میں حادثات وضع کیں اس لئے کہ ان کو حقیقی دھپسی اپنے ائمہ کے مزارات و مشاہد سے فرماتے ہیں۔

”سب سے پہلے جنھوں نے ان مشاہد کی زیارت کے لئے سفر کرنے کی فضیلت میں حدیثیں وضع کیں وہ روافض و غیرہ دوسرے اہل بدعت تھے جن کا دستور یہ ہے کہ مساجد کو ویران کرتے ہیں اور مشاہد کو جن میں شرک، کذب اور ایک نئے دین کا اختراع ہوتی ہے پر رونق اور آباد رکھتے ہیں اور توقیر و تعظیم کرتے ہیں، کتاب و سنت میں مشاہد کے بجائے مساجد کا بجا تذکرہ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ أَمْرِي بِالْقِسْطِ قِيسَتُهُ وَأَعْبُدُونِي

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُهُمْ مَخْلِصِينَ لَهُ

الدِّينَ (سورہ اعراف - ۲۹)

وَأَنْ لِّلْحَيْدِشِ فَلَا تَدْعُوهُم مَّا جَعَلَ

لَهُمْ سَمَاءً (سورہ جن - ۱۸)

إِنَّمَا يَفْعَلُ مَرْسِدًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا بِحَدِّ

لَهُ الرُّدُّ عَلَى الْإِخْلَافِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورہ توبہ - ۱۸)

کے دن پر ایمان لایا۔

وَلَا تَبَاشِرُوهُمْ وَأَنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِي الْكُفْرِ

اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں

(سورہ بقرہ - ۱۸۷)

متکلف ہو۔

وَمَنْ أَعْلَمَ مَقْعَدَ تَخْرُجَ اللَّهُ لَنْ يُدْرِكَ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے الشّر کی

فِيهَا السُّنَّةُ (سورہ بقرہ - ۱۱۴)

مسجدوں میں اس کا نام لینے کی ممانعت کر دی۔

نیز صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے "ان من كان قبلكم كانوا يتخذون القبور

مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فالي انما لكم عن ذلك" (تم سے پہلے جو لوگ تھے یہود

و نصاریٰ وہ قبروں کو مساجد بنالیا کرتے تھے، دیکھو یا درکھنا قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس سے

منع کرتا ہوں)

شہر مشاہد و مزارات جعلی ہیں

امام ابن تیمیہ کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد اور شہور زیارت گاہوں میں سے اکثر جعلی اور فرضی ہیں، وہ

سلسلہ میں کسی ایسی بات لکھتے ہیں کہ چونکہ مشاہد و مزارات کے جاننے اور پہچاننے پر شریعت کا کوئی

اور مدار نہیں ہے اور یہ اس دین میں داخل نہیں ہے جس کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ ضمانت کی ہے اس لئے

میں یہ کثرت سے جعل اور فریب ہوا ہے اور بہت سے مزارات اور مشاہد محض بے حقیقت اور بے اصل ہیں

اور مخلوق کی مخلوق ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں :-

وَكثِيرٌ مِنَ الْمَشَاهِدِ كَذِبٌ وَكَثِيرٌ مِنْهَا

مشاہد میں سے بہت سے محض جعلی ہیں اور بہت سے

مَشْكُوكٌ فِيهِ وَبِجَبِّ ذَلِكَ اِنْ مَعْرِفَةَ

مشکوک ہیں اس سلسلہ میں لوگ کیوں اس قدر غلط فہمی

بہ الرعلی و خانہ ۳۹

لشاهد ليست من الدين الذي تكفل

لاشکار ہوئے اس کا لڑیہ چکر شاہک شافع

الله يحفظه لعدم حاجتهم إلى معرفة

ادھر حضرت اس دین کا کوئی حصہ نہیں جس کے محفوظ

ذلك

ہونے کا آخر تعالیٰ نے ذمہ داری لے لی کیونکہ کہتے

کون سلوات اور تحقیقات کا ضرورت نہیں ہے

اور اس پر دین کا کوئی کام حقوق نہیں ہے۔

مشاہد و مزارات پر حصول مقصد کے افانے

اس سلسلہ میں ایک بڑا فتنہ پھیل رہا تھا کہ ان مشاہدہ احرار نے گاہوں میں بڑے بڑے مرتد

کو شفا ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں، لوگ اس سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربے اور شاہدے بیان کرتے

امام ابن تیمیہ کو اکثر تعلقے نے درودِ خ فی الدین ادا کیا ہیں و فقیر کا جو مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر

ان افواہوں اور دعووں سے متاثر ہونے والے نہیں تھے بلکہ قطعیات ہیں کہ خصوصاً کتب و صفت کا

روایات و بیانات کو براہِ نہیں چھوڑ سکتے تھے انھوں نے اپنی خدا داد فراست و استعداد پر فہم کے کام لے

۴۔ بہت کم لوگ یہ سب توقعات حاصل یا پھر یہ سب امور میں زیادہ توجہ دینے کے بغیر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

واقعات بیان کئے جاتے تھے ماسم بن تحریک نے اس کا جو وہ بیان کیا ہے وہ بہت عجیب و غریب ہے۔

بصیرت افزوز ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

۱۔ ان کی بکری سے ۲۰۰ روپے اور اوتار کے بکروں سے ۱۰۰ روپے کی رقم وصول ہوئی۔

کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ وہ اپنے اپنے ملک کے لیے کوشاں رہیں۔

نہیں یہ محنت کا کفارہ خوش یہ طالع طہارت کے لئے احسن دعا ہے کہ ایسا جتنا شہر مرگات شہر مرگات میرا

منہا یہ ہے کہ یہ سب باتیں گنج بخش کا راز ترقی کا قیاس ہے۔

قاہرہ میں ایک گروہ عبیدیہ (مشہور بغاطین) کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ اولیائے
 صالحین میں سے تھے، میں نے جب ان سے کہا کہ وہ تو منافق و زندیق تھے، اور ان میں سب سے کم اور کم
 درجے کے وہ تھے جو رافضی تھے، تو ان کو بڑا تعجب ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ہم تو ایسے گھوڑوں کو جن کے
 پیٹ میں درد ہوتا ہے، ان کے شاہد و مزارات پر لے جاتے ہیں، اور وہ وہاں اچھے ہو جاتے ہیں، میں نے
 ان سے کہا کہ یہ تو ان کے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے، میں نے بعض سائیکسوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم شام
 اور مصر میں جب گھوڑوں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو ان کو کہاں لے جاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم شام میں
 ان قبروں کے پاس لے جاتے ہیں جو اسماعیلیوں کے علاقہ میں ہیں، جیسے علیقہ اور منقیہ وغیرہ اور
 مصر میں ہم عیسائیوں کی ایک خانقاہ میں لے جاتے ہیں، اور عبیدیوں کی قبریں میں نے کہا کیا تم ان کو
 علماء مسلمین کی قبروں کے پاس بھی لے جاتے ہو؟ مثلاً حضرت لیث بن سعد، امام شافعی، ابن القام
 وغیرہ؟ انھوں نے کہا نہیں! میں نے ان عقیدہ مندوں سے کہا کہ لو سنو یہ ان گھوڑوں کو کفار و منافقین
 کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں، اور ان کو شفا ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر قبر میں غذا
 اور پانی ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ چوپائے اور بہائم مردوں کی آوازیں سنتے ہیں، تو جب
 گھوڑے اس قسم کی آوازیں سنتے ہیں گھبرا جاتے ہیں، اور اسی گھبراہٹ اور ہست سے ان کے پیٹ
 پانی ہو جاتے ہیں، اور وہ پاخانہ کر دیتے ہیں، اس لئے کہ ہست و دہشت سے اکثر اسہال ہو جاتا ہے،
 ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا، میں اکثر لوگوں سے یہی سبب بیان کرتا تھا، اور مجھے علم نہیں تھا کہ کسی
 اور نے بھی یہ بات لکھی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ بعض علماء نے یہی سبب بیان کیا ہے۔

مشترکین کے لئے شیطا طین کا تمثیل

خود صالحین اور اولیاء کی قبروں پر حصول مقصود اور کامیابی کے جو واقعات بیان کئے جاتے

لے الرطی ابکری ص ۱۷۱

ہیں نیز صاحب مزار کی زیارت گفتگو وغیرہ کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں امام ابن تیمیہ اس کی دوسری وجہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”بعض لوگوں نے اپنے شیخ کی دہائی دی، اور ان کو ان کی صورت نظر آئی، اور بعض اوقات انھوں نے ان کا کوئی کام بھی کر دیا، اس سے ان کو یہ عقیدہ ہوا کہ شیخ خود آئے یا یہ کوئی فرشتہ تھا، جو ان کی صورت میں ظاہر ہوا، اور یہ ان کی کرامت ہے، اس سے اس کا شرکانہ عقیدہ اور راسخ اور غلو اور ترقی کر جاتا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ اس طرح کی باتیں اور معاملات شیاطین بت پوجنے والوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں، وہ ان بت پرستوں کے سامنے اکثر ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض غیبی باتیں ان کو بتلاتے ہیں، اور ان کے بعض مطلب بھی پورے کر دیتے ہیں، لیکن یہ سب امور دو براخیر کی پیداوار ہیں، جو کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”شیاطین اکثر اس شخص کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی دہائی دی جائے، مجھ سے بہت شیوخ طریقت کے متعلقین نے یہ واقعات بیان کئے اور ایک جامع کثیر نے مجھے نقل کیا کہ انھوں نے بعض زندہ انسانوں اور بعض مردوں سے زیادہ کہا تو انھوں نے اسی طرح کے واقعات دیکھے، یہ بات پورے طور پر چیاں ہو گئی کہ شیاطین انسانوں کو اپنے مقصد کے لئے کوشش کرتے ہیں، اگر وہ شخص دین اسلام سے نا آشنا ہوتا ہے تو اس کو کھلے شرک اور خالص کفر میں مبتلا کر دیتے ہیں، اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ الشتر کا ذکر نہ کرے، شیطان کا سجدہ کرے، اس کے لئے قربانی پیش کرے، اور اس کو مردار کھانے اور خون پیے کا حکم دیتے ہیں اور کھلی بے حیائیوں کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں، یہ ان شہروں میں بکثرت ہوتا ہے، جہاں یا تو محض کفر یا ایمان ہے، یا کمزور اسلام، نیز ان اسلامی شہروں میں جہاں کے لوگوں کا ایمان ضعیف ہوتا ہے، چنانچہ مصر و شام میں بھی ایسا ہوا،

اور تارکوں کے قبول اسلام سے پہلے تو ان میں بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے جس قدر اسلام کی ان میں اشاعت ہوتی گئی اس کی حقیقت سے وہ آشنا ہوتے گئے اسی قدر شیاطین کے اثرات کمزور پڑتے گئے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ صرف صاحبین کے ساتھ ہی یہ معاملہ پیش نہیں آتا، بلکہ تارہ پرستوں کو ایسی باتوں سے سابقہ پڑتا ہے اور ان کو اس طرح کے احساسات اور فتوحات حاصل ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:۔
 جو لوگ کو اکب سے دعا کرتے ہیں، ان پر ایسی صورتیں نازل ہوتی ہیں، جن کو کو اکب کی روحانت کہتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو اس کے شرک کی بنا پر اس کو گمراہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے جیسے کہ بعض اوقات شیاطین بتوں اور مورتیوں کے اندر گھس جاتے ہیں اور بعض اوقات لوگوں سے باتیں کرتے ہیں اور بعض اوقات مجاوروں اور پوجا پاٹ کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے اثرات

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کی مردم خیزی و مردم آفرینی کا تذکرہ کتاب کے شروع میں گزر چکا ہے اگرچہ اکابر علماء و شیوخ سے محور تھی اور تصنیف و تالیف و عطا و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کا کام پوری قوت سے جاری تھا، اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں کہ علماء راسخین اور کتاب و سنت کے حاملین نے اس شرک صریح اور جاہلیت و ثنیہ کو کسی طرح گوارا نہیں کیا ہوگا، اور زبان و قلم سے ضرور اس کی مخالفت کی ہوگی لیکن ایسے علماء کے کبار جنہوں نے اس صورت حال کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اپنے گرانقدر علمی مشاغل و مباحث کے باوجود اس فتنہ کبریٰ کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے اور

عوام کو خطاب کیا اور اس شرک صریح کی تردید و مخالفت کو اپنا موضوع اور مقصد زندگی بنایا تو انہیں تھے یا تاریخ کے منظر عام پر نہیں ہیں یا ان کی بہت ممتاز اور بلند شخصیت نہیں تھی اور انہوں نے اس موضوع پر کوئی ایسا وسیع علمی ذخیرہ یادگار نہیں چھوڑا جو ان کی شخصیت اور اصلاحی کارنامہ کی یاد تازہ کرتا ہے، درحقیقت اس فتنہ عالم آشوب کے مقابلہ اور عقیدہ توحید کی توضیح و تشریح اور احیاء و تجدید کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جیسی طاقتور اور بلند شخصیت کی نیز ان شرکانہ عقائد و رسوم کے تفصیلی جائزہ اور احتساب اور مدلل و پرزور تردید کی ضرورت تھی جو مسلم معاشرہ پر حاوی ہوتے جا رہے تھے توحید کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ تاویل اور عوام کی رعایت کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کے لئے تو انبیاء علیہم السلام کی واشگاف تقریر اور فیصلہ کن اور غیر مبہم طرز خطاب کی ضرورت ہے جو بالکل "فرقان" کی شان رکھتا ہو، امام ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں نیابت انبیاء کا فرض انجام دیا، اور "فَاَصْدَعُ بِمَا تَوَدُّوْا عَزْرُ مِنْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان عقائد و رسوم میں جو جہالت غیر مسلموں کے اختلاط و صحبت اور فرق ضالہ اور اہل غرض کے اثر سے پیدا ہو گئی تھی، ایک عام تزلزل پیدا ہو گیا، اسلام کا عقیدہ توحیدہ جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اور ان کی دعوت کا نقطہ مرکزی ہے، ایک بار پھر نکھر کر اور منفتح ہو کر سامنے آ گیا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پختہ و یقینی مبنی حق "عَنْ ثَمِيْنَةٍ" امام ابن تیمیہ کے اصلاحی کارناموں میں سے اگر صرف یہ ایک کارنامہ ہوتا تو ان کے مقام تجدید اور دعوت و عزیمت کے ثبوت کے لئے کافی تھا۔

ان کی کتابوں کے اثر سے ان کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ایسے ارباب دعوت و عزیمت پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے شرکانہ عقائد و رسوم اور جاہلیت و غیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ کا آواز اس بلند آہنگی سے بلند کیا کہ عالم اسلام کے دشت و جبل اس سے گونج اٹھے۔

فلسفہ و منطق و علم کلام کی تنقید

اور

کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں فلسفہ و منطق و علم کلام کی مفصل تنقید کا فرض انجام دیا، اور ان کے مقابلہ میں مدلل طریقہ پر کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی برتری ثابت کی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ فلسفہ و منطق کو اس وقت عالم اسلام میں کیا مقام اور ذہن و افکار پر کیا تسلط حاصل تھا، اور انھوں نے کس ماحول میں یہ کارنامہ انجام دیا۔

فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار

یونانی فلسفہ و منطق کی کتابوں کے ترجمہ کا کام خلیفہ منصور کے زمانہ (تقریباً ۸۳۶ھ) سے شروع ہو گیا تھا، معتزلہ نے ان کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کیا تھا، ان کی کتابوں میں فلسفہ یونان کی اصطلاحات کا استعمال اسی زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن علوم یونان کا اصل فروغ امامون کے زمانہ سے شروع ہوا، امامون نے ترجمہ کی تحریک کی شاہانہ سرپرستی کی، وہ بذات خود یونانی علوم کا بڑا قردان

فلسفہ کا دور تقلید

ابتداء میں عالم اسلام کے علماء نے فلسفہ نے ارسطو کے فلسفہ و منطق کو آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر اور مستغنی نہیں سمجھا، بہت سے علماء نے اس کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اس کے فلسفیانہ و منطقی مباحث پر آزادانہ و ناقدانہ نظر ڈالی، اور جو چیز ان کو مخدوش اور کمزور نظر آئی، بر ملا اس کا انہار کیا، اس سلسلہ میں ابتداء میں معتزلہ پیش پیش تھے، ان میں سے نظام اور ابو علی جبائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تیسری صدی میں حسن بن موسیٰ نو بختی نے کتاب الآراء والدیان نامی لکھی، اور اس میں ارسطو کی منطق کے بعض اہم مسائل کا رد کیا، چوتھی صدی میں امام ابو بکر باقلانی نے دقائق کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فلسفہ کا رد لکھا، اور یونانیوں کی منطق پر اہل عرب کی منطق کی ترجیح ثابت کی، پانچویں صدی میں علامہ عبد الکریم شہرستانی (صاحب الملل و النحل) نے برہس اور ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی اور قواعد منطق کے موافق ان پر دلائل کا نقص کیا، اسی صدی کے آخر میں امام غزالی فلسفہ کے رد مقابل ہوئے اور انھوں نے تہافت الفلاسفہ کے نام سے وہ کتاب لکھی جس سے سویر تک فلسفہ کے ایوان میں تزلزل رہا، چھٹی صدی میں ابوالبرکات بغدادی نے اس سلسلہ کو بڑی ترقی دی، اور المستبرک کے نام سے ایک معرکہ الآراء کتاب لکھی جس میں اکثر مسائل میں ارسطو کے خیالات کو غلط ثابت کیا، دسویں صدی میں امام ہارونی نے مشکوٰۃ فیہ اسلام اور اشاعرہ کا ویل بن کر فلسفہ کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ لیکن عالم اسلام کا علمی حلقہ جو فلسفہ یونان کا اصل عالم بردار اور ترجمان سمجھا جاتا تھا، ارسطو کی شخصیت و عظمت سے سحر تھا، اور ایک طبع اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر سمجھتا تھا، انا کے ساتھ ساتھ علماء فلسفہ کی ارسطو کی ذات کے ساتھ یہ گرویدگی اور شغف کی بھی بڑھتی جا رہی تھی، اور فلسفہ کے حلقوں

لے تفصیل تاریخ دولت و عزیمت حصہ اول میں ملاحظہ ہو۔

میں ارسطو رفتہ رفتہ تقدس و عظمت کے مقام پر فائز ہوتا جا رہا تھا، ہر بعد کا فلسفی اپنے پیشرو سے اس عظمت و تقدس میں قائل اور مقدم نظر آتا ہے ابو نصر فارابی (م ۳۳۹ھ/۹۵۰ء) افلاطون و ارسطو کی نسبت لکھتا ہے۔

وكان هذان الحكيمان هما مبدعان
للفلسفة ومنشأ لادائلها واصولها
وتمتصان لادخالها وفروعها، وعليهما
المعول في قليلها وكثيرها۔
یہ دونوں حکیم فلسفہ کے موجد اور اس کے باری
واصول کے بانی و مرتب ہیں اور فلسفہ کے
مسائل و مباحث میں تمام تر انہی دونوں پر
بنیاد ہے۔

بوعلی سینا (م ۴۵۰ھ) فارابی سے بھی زیادہ ارسطو کی عظمت کا قائل اور کلمہ گو ہے، وہ منطق الشفاء میں لکھتا ہے کہ ارسطو کو اتنا زمانہ ہوا لیکن آج تک اس کے ان مسائل و تحقیقات پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔
بوعلی سینا کے بعد فلسفہ کے حلقہ نے ابن رشد (م ۵۲۰ھ) سے بڑا عالم اور وکیل پیدا نہیں کیا،
ارسطو کی عظمت و تقدس میں اس کا قدم بوعلی سینا سے بھی آگے ہے، اور اگر اس موقع پر تصوف کی اصطلاح
(داخل در معقولات نہ ہوتی) یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس کو ارسطو کی ذات میں فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہے،
اس کا ایک سوانح نگار اس کی اس خصوصیت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔

اما تجید ابن رشد لارسطو
فلامدله فیکاد یولته، وقد
وضع له اوصافا تجعله فوق
درجات الکمال الانسانی عقلاً وفضلاً
ولوحکان ابن رشد یقول
بتعدد الالهة لجعل ارسطو
ارسطو کی عظمت و تقدس کے سلسلے میں ابن رشد
اتنا آگے بڑھے ہیں کہ کوئی انتہا نہیں بیان کر
دے اس کو خدا بنانے کی حد تک پہنچ گیا۔ عقل
و فضل کے اندر انسانی کمال کے درجات سے بھی
بہت اونچے اس کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں
ابن رشد تعدد الہ کے قائل ہوتا تو وہ ارسطو کو

لے الجمع بین رای الحکیمین ۲۷ مضمون فلسفہ یونان اور اسلام ہازمہ ناشلی نعمانی ۲۸۰۰ جلد ۱، ۲ منطق الشفاء۔

ساتویں صدی میں فلسفہ کے حلقہ میں نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے جن کو فلسفہ کے مدرسہ حلقہ نے محقق طوسی کے لقب سے یاد کیا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاریوں کے حملے اور بغداد کے سقوط نے عالم اسلام کو بے حواس بنا رکھا تھا، اور ایک عام علمی زوال پورے عالم اسلام پر سایہ فگن تھا، اس وقت نصیر الدین طوسی ہی (جو ہلاکو خاں کے مقرب و معتمد تھے) یونانی علم و فلسفہ کے علم بردار تھے، انہی کے شاگردوں نے (جن میں قطب الدین شیرازی اور ان کے ہم نام قطب الدین رازی خاص طور پر نامور ہیں) درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام سنبھالا اور انہی سے ایران کے اس طرز تعلیم کی بنیاد پڑی جس میں فلسفہ و منطق کو مرکزی مقام حاصل تھا، نصیر الدین طوسی اس مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، جو ارسطو کو غلغلہ کا درجہ دیتا تھا، اور اس کی تحقیقات کو حرج و مرج سمجھتا تھا، انھوں نے امام رازی کے مقابلہ میں ارسطو کے فلسفہ کی زور شور سے حمایت و مدافعت کی تھی، اور ارسطو کے فلسفہ میں نئی جان ڈال دی تھی۔

فلسفہ و منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا کارنامہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نصیر الدین طوسی کی وفات سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، ان کی علمی زندگی کا آغاز ہوا تو نصیر الدین طوسی اور ان کے تلامذہ کے اثر سے یونانی فلسفہ و منطق یعنی ارسطو کے فلسفہ و منطق کا طوطی بول رہا تھا، اس کے مسائل و مباحث کے سمجھ لینے ہی کو منتہا کے ذکاوت اور معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا، کسی کو اس کے مقابلہ میں یا اس کی مخالفت میں لب کشائی کی جرأت نہ تھی، محدثین فقہاء اس میدان کے حریف نہیں تھے، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیں، مگر اس سے

لے تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب (مطبع جمعہ) ۱۵۵۷ھ علامہ رشید شریفین جن سے زمانہ مابعد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ نکلا

قطب الدین رازی کے شاگرد تھے، انہی کا سلسلہ ہندوستان پہنچا جس کی ترقی یافتہ یا گہری ہوئی شکل یہاں کا درس نظامی ہے۔

یہ سیلاب رک نہیں سکتا تھا عالم اسلام کے علم و فکر پر اس کا رعب چھایا ہوا تھا اس مرغوبیت سے ایک حلقہ میں (جو فلسفہ سے قریبی اور براہ راست تعلق رکھتا تھا) تشنگی و اربابیت کا دور دورہ تھا، اور سفسطائیت (حقائق اشیاء کا انکار) کا رجحان بھی پایا جاتا تھا، جو حلقہ اس سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا تھا، احساس کہتری اور مرغوبیت کا شکار تھا اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے فلسفہ و منطق کے بے لاگ علمی محاسبے اور جائزے اور اس کی علمی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت تھی، وقت کی یہ ضرورت شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے پوری کی اور اس کو مستقل موضوع بنا کر یونانی فلسفہ و حکمت کی مفصل و مدلل تنقید اور اس کے علمی محاسبے کا کام انجام دیا، اور ایک ایسی شخصیت (ارسطو) سے حریفانہ گفتگو اور علمی مناظرہ کیا جس کو علمائے فلسفہ مافوق البشر ہستی اور تنقید و تردید سے بالاتر سمجھنے لگے تھے۔

ان کے کام کی نوعیت اور ان کے تنقید و محاسبہ کی حیثیت ان کا نقطہ نظر اور بنائے اختلاف کیا تھی؟ بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے ان ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت ان کی تحریروں کے بعض خلاصے اور ان کی کتابوں کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کا نقطہ نظر اور طریق فکر واضح ہو جائے گا۔

طبیعیات و ریاضیات کا اعتراف

اس علمی ذخیرہ کے بارے میں جو فلاسفہ یونان و ارسطو کی طرف منسوب تھا، ان کی رائے بہت معتدل اور متوازن ہے، وہ طبیعیات، ریاضیات اور الہیات میں فرق کرتے ہیں، اور اپنے پیشرو لام عزالی کی طرح طبیعیات اور ریاضیات کے بہت سے مسائل کی صحت و معقولیت کا اقرار اور اس بارے میں علمائے یونان کی ذہانت کا اعتراف کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

نعم لهم في الطبقات كلام غالب مجيد ان فلاسفہ کی طبیعات میں جو گفتگو اور بحث ہے، اہل ہر

وہو کلام کثیر واسع، ولہم عقول
عرفوا بها ذلك وهم قد يقصدون
الحق لا يظہر علیہم العناد۔
بڑا حصہ اچھا ہے اور ان کا یہ کلام خاص وسیع مفصل
ہے ان باتوں کو سمجھنے اور معلوم کرنے کے لئے وہ اچھا
دماغ رکھتے تھے بہت سی مباحث میں دوحق کے جواب اور
طالب نظر آتے ہیں اور خدا اور زبردستی سے کام نہیں لیتے۔

وہ ایک جگہ صاف اعتراض کرتے ہیں کہ طبیعیات و ریاضیات وغیرہ فلاسفہ یونان کا اصل
موضوع اور ان کے غور و فکر کا میدان ہے، فرماتے ہیں:-

لکن لہم معرفة جيدة بالامور
الطبیعیة وهذا الجرح لہم ولہ
تفرغوا وفيہ ضیعا زمانہم۔
امور طبیعیہ سے ان کی واقفیت اچھی خاصی ہے
درحقیقت یہی ان کا دائرہ فکر اور فن خاص ہے اور
اسی میں انہوں نے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کیا۔

یونان کے علم ریاضی کے متعلق وہ الرد علی المنطقیین میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں:-

فہذا الامور امثالہا ما یتکلم فیہ
الحساب امر معقول مقایسترا فیہ
ذو العقول وما من احد من الناس
لا یعرف منہ شیئا فانہ ضروری فی
العلم ضروری فی العمل ولہذا ینزلوا
بہ فی قولہم الولعد نصف الاثنین
ولا یب ان قضایا کلیة واجبة
القبول لا ینقض البتہ۔
ریاضی کے یہ مسائل جن سے اہل حساب بحث کرتے
ہیں ایسے معقول مسائل ہیں جن پر تمام اہل عقول
و اتفاق ہے اور ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت
رکھتا ہے اس لئے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے لئے
ضروری ہے اس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ
الواحد نصف الاثنین اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے
سبب قضایا کلیہ واجب القبول ہیں اور ان پر کوئی
نقض وارد نہیں ہو سکتا۔

رد علی ابکر ص ۱۳۲ ۱۳۳ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵۵ الرد علی المنطقیین ص ۱۳۳

اختلاف کا اصل میدان فلسفۃ الہیات

امام ابن تیمیہ کو فلسفۃ یونان کے جس دائرہ سے اصل اختلاف ہے وہ الہیات کا دائرہ ہے۔ الہیات کے بارے میں وہ فلسفۃ یونان کی بے بضاعتی اور بے مایگی اور فلاسفۃ یونان کی ناکامی و بے حالی اور ان کے جہل مرکب میں مبتلا ہونے پر بار بار زور دیتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ فلاسفۃ یونان کا فن اور ان کے غور و فکر اور بحث و نظر کا میدان نہ تھا، انہوں نے اس دائرہ میں قدم رکھ کر اپنے حدود سے تجاوز کیا ہے اور اپنی تحقیر و تضحیک کا سامان بہم پہنچا لیا ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

للمتفلسفة فی الطبعیات خوض	فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فی طبعیات میں غور و فکر
وتفصیل تمیز وایہ بمختلف الانہیات	اور تفصیل سے کام لیتے ہیں اور ان کا امتیاز نظر آتا ہے
فانہم من اجہل الناس بہا وابعدهم	لیکن الہیات میں وہ جاہل و محض اور حق سے بالکل
عن معرفة الحق فیہا، وکلام اوسطو	نہ ان کا معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں اور سطوے جو کہ
معلمہ فیہا قلیل کثیر الخطا۔	مقول ہے وہ بہت تھوڑا اور غلطی بہت زیادہ ہے۔

ایک دوسری جگہ طبعیات میں ان کی واقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے الہیات میں ان کی نامرادی و تہی دستی کا ذکر کرتے ہیں:-

واما معرفة الله تعالى فخطأهم منها	جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق ہے اس کے
مبغوض جداً واما ملائکته وکتابہ	بارے میں فلاسفہ بڑے محروم اور نامراد نظر آتے ہیں،
ورسلہ فلا یعرفون ذلك التیہ ولم	ہے لاکر، ان کی کتابیں اور اس کے رسول تو اس کا
یتکلموا فیہ لابغی ولا بامثبات وانما	ان کو قطعاً علم نہیں ہے اور اس بارے میں ان سے

لہ مراجع الوصول من مجموعة الرسائل الکبریٰ ص ۱۵۱

تکلموا فی ذلک متأخروہم الداخلون
فی الملأ

نفیاً اور اثباتاً کوئی چیز منقول نہیں ہے اس
بارے میں درحقیقت تاخیرین فلاسفہ نے گنگھوکی

ہے جن کا مذہب ادیان سے تعلق رکھتا ہے۔

امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ فلسفہ یونان کے اصل ارکان واساطین کو خود بھی اس کا اعتراض
ہے کہ ان کو اس علم کے حصول کے ذرائع اور مقدمات و مبادی حاصل نہیں اور اس بارے میں یقین
نہیں پہنچنا ان کے لئے بہت مشکل ہے وہ لکھتے ہیں:-

بل قد صرح اساطین الفلسفة بأن
العلوم الالهية لا سبيل فيها الى
اليقين وانما يتكلم فيها بالاحرى
والاخلاق فليس لهم فيها الا الظن
(وَأَنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)^{۵۲}

ان لوگوں نے جو فلسفہ میں تون کا درجہ رکھتے ہیں اس بارے
میں طریقے سے کہا ہے کہ علوم الہیہ میں یقین تک پہنچنے
کا کوئی راستہ نہیں ان مسائل میں جو کچھ کہا جائے گا،
اس کا حشیت زیادہ سے زیادہ پیچیدگی کر ہی گئی ہوئی
بات ہے یا زیادہ مناسب بات ہے اس سے یہ بات
واضح ہوتی ہے کہ فلاسفہ کے پاس الہیات میں
ظن و تخمین کے سوا کچھ نہیں اور جیسا کہ قرآن مجید
میں کہا گیا ہے کہ ظن تخمین کبھی حق کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

یونانی الہیات اور پیغمبروں کے علوم و تعلیمات کا تقابل

ایک جگہ وہ فلاسفہ یونان کے الہیات کے بارے میں اقوال و قیاسات پر تبصرہ کرتے ہوئے
ان لوگوں پر تعجب کرتے ہیں، جو ان کو انبیاء علیہم السلام کے علوم و حقائق کے سامنے لاتے ہیں اور

۵۲ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵۷ ۵۸ نقض المنطق ص ۱۷

ان سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، وہ بڑے جوش و اثر سے لکھتے ہیں۔

الہیات کے بارے میں جب معلم اول ارسطو کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے، اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراباً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور آتشا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ یونان کی الہیات کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بتا ایسی ہی نظر آتی ہے جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگے، بلکہ اس میں بھی کسی قد علم و عدل کا ثابہ ہے، لیکن جو فلاسفہ کا انبیاء سے مقابلہ کرتے ہیں، وہ تو سخت ظلم و جہل سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ گاؤں کا زمیندار ہر حال گاؤں کا منظم ہے، اور اس میں اس کو بادشاہ کے ساتھ کسی نوع کی مشابہت اور کسی جزو کی شرکت ہے، لیکن فلاسفہ و انبیاء کا حال تو یہ ہے کہ انبیاء جو کچھ لے کر آتے ہیں فلاسفہ کو اس کی مطلق خبر نہیں، بلکہ وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، ادا قہ یہ ہے کہ کفار یہود و نصاریٰ بھی ان فلاسفہ کے مقابلہ میں مور الہیہ سے زیادہ باخبر ہیں، میری مراد اس سے وحی کا وہ علم خاص نہیں ہے، جو صرف انبیاء کی خصوصیت ہے اور دوسروں کو نصیب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ علم تو خارج از بحث ہے، میری مراد ان علوم عقلیہ سے ہے، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اس کے اسماء و صفات کی معرفت، نبوت و رسالت، معاد و ان اعمال سے ہے، جو آخرت میں سعادت کا موجب ہیں، اور جن میں سے اکثر کو انبیاء علیہم السلام نے براہین عقلیہ سے بیان کیا ہے، یہ الہی و دینی و شرعی عقلیات بھی وہ ہیں جن کی ان فلاسفہ کو ہر ابھی نہیں لگی، اور نہ ان کے علوم میں ان کا کوئی پتہ اور نشان ہے، باقی وہ علوم و معارف اور حقائق غیبیہ جو انبیاء کے خصائص میں سے ہیں، ان کے ذکر کا تو اس سلسلہ میں کوئی موقع ہی نہیں، اور فلسفہ اور علوم نبویہ کے مقابلہ میں وہ بحث ہی میں نہیں آتے۔

فلاسفہ یونان کا جہل و انکار

علوم الہیہ میں فلاسفہ کی بے بضاعتی ان کے علم و بیان کی کوتاہی اور بہت سے غیبی حقائق و وجودات کے انکار کی وجہ امام ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں:-

”جس غیب کی انبیاء علیہم السلام خبر دیتے ہیں اور وہ کلیات عقلیہ جو تمام موجودات پر حاوی اور شامل ہوں اور جو موجودات کی صحیح تقسیم کرتی ہیں ان سے فلاسفہ بالکل نا آشنا ہیں اس لئے اس پر اسی کو قدرت ہو سکتی ہے جو موجودات کی تمام انواع کا احاطہ کر سکے اور ان فلاسفہ کا حال یہ ہے کہ یہ صرف حساب اور اس کے بعض لوازم سے واقف ہیں اور یہ بہت تھوڑے وجودات کی واقعیت ہے اس لئے کہ جن موجودات کا انسانوں کو مشاہدہ نہیں ہے وہ ان موجودات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اثر اور وسیع ہیں جن کا ان کو مشاہدہ ہوتا ہے اسی بنا پر جن لوگوں کا علم فلاسفہ کی معلومات تک محدود ہے جب وہ انبیاء، ملائکہ، عرش، کرسی، جنت، جہنم وغیرہ کا ذکر سنتے ہیں اور وہ اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ موجود وہی ہے جو ان کو معلوم ہے اور ان کی معلومات کے دائرہ سے باہر موجودات کا وجود نہیں تو وہ حیران رہ جاتے ہیں اور اپنی معلومات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے کلام کی تاویل کرنے لگتے ہیں اگرچہ یہ سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے اور ان کو ان موجودات کے نہ ہونے کا کوئی ثبوت علم نہیں اس لئے کہ کسی چیز کے وجود کا علم نہ ہونا اللہ چیز ہے اور کسی چیز کے معدوم ہونے کا علم ہونا اللہ چیز ہے یہ ضروری نہیں کہ جو میں معلوم نہیں وہ معدوم بھی ہو، وہ جب ان غیبی حقائق کا انکار کرنے لگتے ہیں تو ان کا انکار ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے کوئی طبیب جنات کے وجود کی اس بنا پر نفی کرے کہ فن طب میں جنات کا کوئی ثبوت..... نہیں ہے حالانکہ فن طب میں جنات کے وجود کا انکار بھی نہیں ہے اسی طرح سے تم دیکھو گے کہ جس شخص کو کوئی فن آتا ہے اور اس میں وہ عوام کے مقابلہ میں کچھ امتیاز رکھتا

تو وہ اپنی ناواقفیت سے ان چیزوں کی نفی کرنے لگتا ہے جو اس کے فن سے خارج ہیں واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے چیزوں کے ماننے اور اقرار کرنے میں اتنی ٹھوکر نہیں کھائی جتنی نہ ماننے میں اور انکار کرنے میں جس چیز کی حقیقت سے انسان پورے طور پر واقف نہیں ہے اس کو جھٹلانے اور اس کے وجود کے انکار کرنے کا رجحان انسانوں میں بہت قدیم اور عام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

بَنَّا كَذِبًا بَعَالًا مَّضْمِيًّا لِّطُغْيَانِهِم وَكَمًا
ان کفار نے ان چیزوں کو جھٹلایا جن کا ان کو پورا علم
یَا تَهْمُ تَأْوِيلُهُ۔
حاصل نہیں تھا، حالانکہ ان کا بھی تکلف پران کی پوری

(سورہ یونس-۳۹) حقیقت منکشف نہیں ہوئی۔

ہٹ پرست و ستارہ پرست یونان

یونان قدیم کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو طبیعیات و ریاضیات اور علوم و ادب کا یہ وسیع اور عظیم سرمایہ عطا کرنے والا ملک جس نے ہزاروں برس تک دنیا کی عقلی و فکری قیادت کی ہے اپنی تاریخ کے بیشتر حصہ میں ہٹ پرست اور ستارہ پرست واقع ہوا تھا اور صد ہا توہمات و خرافات میں گرفتار تھا۔ جدید تاریخ نے یونان کے علم الاصنام اور اس کے قومی دیوتا کو بے نقاب کر دیا ہے اور اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ یونان قدیم میں دیوتاؤں، اور دیویوں اور ستاروں کے جبروت اور سیاکل کا ایک جال بچھا ہوا تھا، یونان کا جو فلسفہ عالم اسلام میں ترجمہ ہو کر آیا اور پھر اس کے ذریعہ یورپ تک پہنچا وہ اسی نام پرستی اور ستارہ پرستی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یونانی فلاسفہ نے اپنے مذہبی اعتقادات اور مشرکانه تصورات کو فلسفہ کی ہیبت اصطلاحات میں منتقل کر دیا اور مسلمان علماء فلسفہ نے جو یونان کی مذہبی تاریخ سے واقف نہیں تھے ان کو علمی حقائق سمجھ کر اپنے غور و فکر کا موضوع بنالیا، اور ان کو ثابت کرنے کے واسطے ہوئے امام ابن تیمیہ کی یہ بڑی ثروت نگاہی اور ذہانت ہے کہ انھوں نے کئی صدی پہلے اس نکتہ کو

شک کیا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

لما قدماء اليونان فكأنوا مشركين من عظم
الناس شركاً وحمراً، يعبدون الكواكب
والاصنام ولهذا عظمت عنايتهم
بعلم الهيئة والكواكب لاجل عبادتها
وكأنوا يسيرون لها الهياكل^۱
جہاں تک قدماے یونان کا معاملہ ہے تو واقعہ یہ ہے کہ
وہ کچے شرک تھے اور ان کو سحرے بھی بڑی کچی تھی۔
وہ ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، علم ہیئت
اور کواکب کی طرف غیر معمولی توجہ کرنے کا یہی راز
ہے اس لئے کہ وہ ان کی پرستش کرنا چاہتے تھے
اور ان کے لئے معبد اور مکمل تعمیر کرتے تھے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ولهذا كان رؤسهم للمتقدمون
وللتأخرون يأمرون بالشرك فلاذنب
يسمون الكواكب لآلهة الصغرى^۲
ويعبدونها باصناف العبادات كذا
كانوا في ملة الاسلام لا يهتدون عن
الشرك ويوجبون التوحيد بل
يسوغون الشرك او يأمرون به
اولاً يوجبون التوحيد^۳
ان کے متقدمین و متاخرین پیشوا شرک کا حکم دیتے ہیں
متقدمین کو اک کواکب صغری (چھوٹے خدام) کے
تعبذ کیے کرتے ہیں اور مختلف طریقوں پر ان کی عبادت
کرتے ہیں، مسلمانوں میں جن لوگوں نے ان کی پیروی اختیار
کی ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ شرک سے نہیں دیکتے،
اللہ توحید کو مزدی قرار نہیں دیتے بلکہ شرک کو یا تو
جائز قرار دیتے ہیں یا کم سے کم توحید کو مزدی
قرار نہیں دیتے۔

منتقدین و متاخرین فلاسفہ یونان کا فرق

امام ابن تیمیہ کی یہ بھی ایک بڑی باریک بینی اور حقیقت شناسی تھی کہ انھوں نے یونان کے

۱۔ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵ ۲۔ نقض المنطق ص ۱۱

فلاسفہ متقدمین اور متاخرین میں فرق کیا، ان کے نزدیک فلاسفہ متقدمین اور ارسطو کے پیرو غیبی حقائق اور دینی مقاصد و تصورات سے زیادہ آشنا اور قریب تھے اور ان کے اندر غیب اور غیر مادی حقائق انکار کا وہ رجحان نہیں پایا جاتا، جو ارسطو میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-
 ”یہ فلاسفہ جو ارسطو کے پیرو ہیں، انھوں نے ان فلاسفہ متقدمین کی پیروی نہیں کی جو فلسفہ کے ستون و ارکان تھے، وہ فلاسفہ متقدمین عالم کے حدوث کے قائل تھے اور اس کے بھی قائل تھے، کہ اس عالم سے اوپر ایک دوسرا عالم ہے اور اس عالم علوی کی بعض ایسی صفتیں بیان کرتے تھے، جو حدیث میں جنت کے متعلق آئی ہیں، اسی طرح وہ حشر و اجساد کے قائل تھے، جیسا کہ سقراط و تالیس وغیرہ اساطین فلسفہ کے کلام میں نظر آتا ہے۔“

ارسطو حقائق دینیہ سے بعید تر ہے

ان کے نزدیک اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدام فلاسفہ کو ان ملکوں میں آنے جانے کا اتفاق ہوا جہاں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے، اور اس طرح وہ دینی حقائق سے واقف ہوئے، لیکن ارسطو کو اس کا اتفاق نہیں ہوا، وہ بعض متقدمین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:-

”جن لوگوں نے فلاسفہ کی تاریخ و تذکرہ مرتب کیا ہے ان کا بیان ہے کہ فلسفہ کے ابتدائی اہلکار (فیثاغورث، سقراط، افلاطون) شام وغیرہ ارض انبیاء کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کے پاس (غیرہ سے اور حضرت داؤد، سلیمان کے اصحاب سے استفادہ کرتے تھے، لیکن ارسطو کو کبھی اس سرزمین کی طرف سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، جو انبیاء کی بعثت سے مشروط تھا، اس کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کوئی حصہ تھا جیسا کہ اس کے پیشروؤں کے پاس تھا، اس کے پاس

تارہ پرستی کے مذہب کا کچھ حصہ تھا اس نے ان قیاسی تعلیمات کی بنیاد ڈالی، اور وہ ایک ایسا قانون بن گیا جس پر اس کے پیرو آنکھ بند کر کے چلتے رہے۔

بدقسمتی سے عالم اسلام میں جو فلسفہ رائج اور مقبول ہوا، وہ ارسطو ہی کا فلسفہ تھا، اور وہی آخری دور میں یونان کا فلسفہ سمجھا جانے لگا، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

وَلَكِنْ هَذِهِ الْفَلَسَفَةُ الَّتِي يَتَّبِعُهَا الْغَدَّارِيُّ	فلسفہ جس کی غارابی ابن سینا، ابن رشد اور مہروردی
وَابْنُ سِينَا وَابْنُ رَشْدٍ وَالشَّهْرُورْدِيُّ	منقول وغیرہ پیروی کرتے ہیں یا پیشائین کا فلسفہ ہے
لِلْمَنْقُولِ وَفِيهِ فِلَسَفَةُ الْمَشَائِينِ وَهِيَ الْمَنْقُولَةُ	اور یہ تمام تر ارسطو سے منقول ہے جس کو معلم اول
عَنِ اَرِسْطُو الَّذِي يَمُونُ بِهِ الْمُعَلِّمُ الْاَوَّلُ	کے نام سے فلاسفہ یاد کرتے ہیں۔

یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت

ارسطو کے اس فلسفہ میں خدا کی ہستی اور اس کا تصور محض وجود ذہنی بن کر رہ جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

فَاِذَا تَصَوَّرَ الْعَاقِلُ اقْوَالَ الْمَهْمُورِ	جب ایک صاحب عقل ان کے اقوال پر غور کرتا
تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّ هَذَا الْوَاحِدَ الَّذِي اثْبَتُوْهُ	ہے جو خدا کی ہستی کے متعلق ہیں تو اس پر یہ بات
لَا تَتَصَوَّرُ وُجُودَهُ اِلَّا فِي الْاَذْهَانِ	واضح ہو جاتی ہے کہ جس واحد کو ان فلاسفہ نے بتایا
لَا فِي الْاَحْيَاءِ	کیا ہے اس کے وجود کا تصور صرف ذہن میں ہو سکتا

ہے خارج میں کہیں اس کا وجود نہیں۔

فلاسفہ نے خدا کے افعال و صفات کی نفی و انکار میں جس مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کو جس طرح صفات کمالیہ اور ان تمام محاسن اور اختیارات سے محروم ثابت کیا ہے جو ادنی مخلوقات

لہ نقض المنطق ص ۱۱۱ ۲۰۶ رد علی البکری ص ۲۰۶ تفسیر سورة الاخلاص ص ۲۰۶

میں پائے جاتے ہیں اس کی بنا پر ان کا خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر خدا کی توہین ممکن نہیں، وہ کسی کا قول نقل کرتے ہوئے اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

لقد احسن بعض الفضلاء اذ قال
 کسی کا مقولہ ہے کہ فلاسفہ کی توحید سے تو تھپڑ
 الصفع احسن من توحید الفلاسفة
 مار دینا ہی بہتر ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کہنے
 بل قصتر فیما قال
 والے نے بھی رعایت سے کام لیا۔

فلاسفہ اسلام یونان کے متقلد محض ہیں

ان کے نزدیک فلاسفہ متاخرین جو اسلامی عہد میں پیدا ہوئے اس فلسفہ یونانی کے لکیر کے فقیر ہیں اور ارسطو کے متقلد محض ہیں اور اسی تقلید کی پابندی کی وجہ سے ان کے یہاں فاش غلطیاں اور سخت نقص پایا جاتا ہے ان کو اس بات کی سخت شکایت اور رنج و غصہ ہے کہ ان مسلمان فلاسفہ نے اس نعمت کی بالکل قدر نہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان تک پہنچی تھی اور اس بڑی و ہدایت کچھ فائدہ نہیں اٹھایا جو ان کی دسترس میں تھی، بلکہ انھوں نے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی، وہ لکھتے ہیں:-

ان هؤلاء المتفلسفة المتأخرین فی الاسلام
 یہ پچھلے دور کے مسلمان فلسفی ہیں، ایمان کے نزدیک
 من اجهل الخلق عند اهل العلم والایمان
 جاں ترین مخلوق نظر آتے ہیں، ان کی گویا تضاد ایمان
 وفیہم من الضلال والتناقض مالا یحصى
 ایک کھل ہوا ہے کہ ذرا ہوشیار رہے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں
 علی اذکیاء الصبیان لانہم لما التزموا
 انھوں نے جیساں بات کہنے کی کہ ان کو اپنے پیشروں
 ان لا یسلكوا الا سبیل سلفہم الضالین
 اور شیواہد کے راستے پر چلتا ہے، جن کو خود راستہ نہیں تھا
 وان لا یقتروا الا بما ینونہ علی ثلاث
 تھا اور ان کے قوانین پر استدلال کی جو عادت تھی

لہذا رد علی المنطقیین ص ۲۲۱

القوانین وقد جاءهم من النور والهدى
والبيان ماملأ القلوب والالسة والآذان
صاروا بمنزلة من يريد ان يطفى
نور الشمس بالنغم في الهباء او يغطي
ضوءها بالعباء
ہوتی ہے اسی کو تسلیم کرنا ہے اور اس روشنی اور ہدایت
کوئی نائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے جس نے دلوں اور کانوں
کے پرے اٹھا دیئے تو ابدان کی مثال ایسی ہے جیسے
کوئی شخص آفتاب کی روشنی کو پھونک مار کر بھگانا
یا اپنے دامن کے نیچے چھپانا چاہے۔

ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے نا آشنا ہے

عہد اسلامی کے جن فلاسفہ نے فلسفہ کی تقلید اور ارسطو کے اتباع میں دینی حقائق اور عقائد کی تشریح کی
کوشش کی، اور فلسفہ کی روشنی اور اس کے سہارے سے ان حقیقتوں کو سمجھنا اور سمجھانا چاہا، امام ابن تیمیہ
فلاسفہ پر بھی جو حکمائے اسلام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں سخت تنقید کرتے ہیں ان کے نزدیک ان غبی حقائق اور
علوم کو فلسفہ یونان کی تنہا مدد اور اس کے اصول و ضوابط سے نہیں سمجھا جاسکتا، اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی
تنقید ابن سینا پر ہے جو اسلامی مشرق میں ارسطو کے فلسفہ کا سب سے بڑا شراح اور ترجمان سمجھا جاتا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں:
ابن سینا نے ثابت کیا ہے کہ منصب نبوت بھی نفس کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے اور نفوس کی
قوتیں باہم بہت متفاوت ہیں یہ بات ایک ایسا ہی شخص کہہ سکتا ہے جو نبوت کی حقیقت سے محض
نا آشنا اور اس سے بعید حایات ایسی ہے جیسے کوئی شخص صوفی شعراء کے طبقوں اور ان کے گروہ
سے واقف ہو اور وہ یہ ثابت کرنا چاہے کہ دنیا میں فقہاء اور اطباء کا بھی ایک گروہ ہے اور وہ شعراء
کے وجود سے فقہاء اور اطباء کے وجود پر دلیل دے بلکہ یہ مثال بھی پوری پوری چپاں نہیں ہوتی اس لئے کہ
نبی اور غیر نبی میں اس سے بھی زیادہ تفاوت اور بُعد ہے جتنا کہ فقیہ و طبیب و شاعر کے درمیان میں لیکن فلاسفہ

لے اردو علی ابکری مدظلہ

نبوت کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں جب انبیائے کرام کا پرچا ہوا تو ان کے قبعین نے اس کو بھی ان غلامی
کے اصول سے ثابت کرنا چاہا جس کو نبوت کا کوئی اندازہ اور انبیائے کرام سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

ان گروہوں میں نبوت کے مفہوم و حقیقت سے سب سے زیادہ بعید فلسفہ یونان کے پیرو (مفسر) اور
باطنیہ اور ملا صدہ ہیں ان کے نزدیک نبوت کی بنیاد وہ قدر مشترک ہے جو تمام انسانوں کے درمیان پایا جاتا
ہے اور وہ خواب ہے حقیقتہً ارسطو اور اس کے قبعین کے یہاں نبوت پر کوئی بحث نہیں ملتی، فارابی نے
نبوت کو محض خواب کی ایک قسم قرار دیا ہے اس لئے وہ اور اس کے ہم خیال فلسفی کو نبی پر ترجیح دیتے ہیں
ابن سینا کے نزدیک نبوت کا پایا اس سے کچھ بلند ہے اس نے نبی کی تین خصوصیتیں قرار دی ہیں ایک یہ کہ
اس کو علم بغیر تعلم کے حاصل ہوتا ہے اس کا نام اس کے نزدیک قوت قدسیہ ہے اور اس کی حقیقت اس کے
نزدیک وہی ہے حقیقت صدسیہ کی ہے دوسرے یہ کہ وہ اپنے نفس میں کسی معلوم چیز کا تحلیل قائم کرتا ہے
اور اس کو اپنے اندرون میں کچھ نورانی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور وہ اپنے باطن میں کچھ آدیں سننے لگتا ہے
جیسے کوئی سونے والا غندر کی حالت میں کچھ صورتیں دیکھتا ہے جو اس سے ہم کلام ہوتی ہیں اور ان کا کلام
سنتا ہے اور اس سب کا وجود صرف اس کے اندر ہوتا ہے خارج میں کوئی وجود نہیں اس طرح ان سب
لوگوں کے نزدیک ایک نبی جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اور لوگ اس کے وید و فتویٰ میں اس کے شریک
نہیں ہوتے یہ سب اس کے اندرون یا پیش آتا ہے اور اس کے باطنی مشاہدات موجودات میں جتنا
خارج میں کوئی وجود نہیں یہی بات ایسے شخص کو پیش آسکتی ہے جس کے خارج پر کوئی اثر ہو یا صغیر و کبیر
کا غلبہ ہو ان کے نزدیک نبی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے جس کے
ذریعے سے وہ عالم کے ہر ہوائی میں تصرف کرتا ہے اور زینب امرا اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک

یہی انبیاء کے معجزات ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک عالم میں جو حادثہ بھی پیش آتا ہے وہ قوتِ نفسانیہ یا قوتِ ملکیہ یا قوتِ طبعیہ کا نتیجہ ہوتا ہے.....

ان متفلسفہ کے نزدیک انبیاء کے نفوس میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ سب عقلِ قتال کا فیضان ہے۔ پھر جب انھوں نے انبیاء علیہم السلام کا کلام سنا تو انھوں نے ان کے اور اپنے اقوال کے درمیان جمع و تطبیق کی کوشش کی اس کے لئے وہ یہ کرتے تھے کہ الفاظ تو انبیاء علیہم السلام کے لیتے تھے اور اس کی تشریح اپنے اصول کے مطابق کرتے تھے اور اپنے مفہوم و معانی کو انبیاء علیہم السلام کے الفاظ میں ادا کرتے تھے اس طرح وہ بحث کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے حال کئے ہوئے الفاظ اور اصطلاحات میں کتابیہ تصنیف کرتے ہیں جس شخص کو اس کی خبر نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی مراد کیا ہے اور ان فلاسفہ کی مراد کیا ہے اور دونوں کے مفہوم میں کتنا بڑا فرق ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان فلاسفہ کی مراد وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تھی اس طرح بہت گروہ اور جماعتیں گمراہ ہوئیں، ابن سینا اور اس کے تبعین کے کلام میں سیات صاف نظر آئے گی!

علمِ کلام کا نقص متکلمین کا تذبذب

امام ابن تیمیہ کی تنقید صرف فلاسفہ یونان اور ان کے تقلیدین متفلسفہ اسلام ہی پر نہیں ہے بلکہ ان متکلمین پر بھی ہے جنھوں نے اگرچہ اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے کی کوشش کی لیکن دینی اور غیبی حقائق کو ثابت کرنے کے لئے فلسفہ ہی کے طرز استدلال و مقدمات اور اس کی محدود اور ناقص اصطلاحات کو اختیار کیا جانا خاص مفہوم رکھتے تھے اور جن کے ساتھ خاص روایات اور تاثرات وابستہ تھے وہ کتاب النبوات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”ان متکلمین کا کلام خلق و بعث، مبدأ و معاد اور صانع کے اثبات میں نہ عقلی طور پر محققانہ اور

تشی بخش ہے، نہ نقلی طور پر اعدان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے، لام رازی نے آخر عمر میں کھلے طریقہ پر اعتراف کیا ہے کہ میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر بہت غور کیا آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان سے نہ کسی بیمار کی شفا ہوتی ہے نہ کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے، میں نے سب سے قریب تر راستہ قرآن کے راستہ کو پایا، نفی کے بارے میں ذرا اس آیت کو پڑھو لَئْسَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّشْتَبٰهٍ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اَوْ اٰیٰتِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ الْمُنْتَوٰی ؕ اِلَیْہِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیْبُ ؕ اُفٍّ اُفٍّ اُفٍّ فِی السَّمَآءِ اٰخِرِیْنَ وہ کہتے ہیں کہ جو میری طرح تجربہ کرے گا وہ میری ہی طرح اس نتیجہ پر پہنچے گا، اسی طرح سے غزالی اور ابن حقیل نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں اور یہی حقیقت ہے ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”تکلیفین نہ تو فطرت عقل کے راستہ پر ٹھیک ٹھیک چلے اور نہ شریعت نبوی کے راستہ پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو سلامت فطرت ہی اور نہ شریعت کی استقامت عقلیات میں مضبوطی کی حد تک پہنچ گئے اور سمعیات میں انتہائی باریک بینی اور بجا تعمق کی سرحد تک پہنچ گئے۔“
وہ بعض تکلیفین کی اس کمزوری کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے سوالات و شبہات بڑے طاقتور اور جوابات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے ان لوگوں کو بعض اوقات بڑا نقصان پہنچتا ہے، جو ان کو اسلام کا وکیل و ترجمان سمجھتے ہیں، اور جن کا مطالعہ انہی کی کتابوں تک محدود ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب یہ تکلیفین نبوت کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو اس پر ایسے سوالات وارد کرتے ہیں جو بڑے قوی اور عام فہم ہوتے ہیں اور جب جواب دینے پر آتے ہیں تو جوابات کمزور نظر آتے ہیں، ہم اس کی مثالیں بھی دے چکے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں سے علم ایمان اور ہدایت

حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی اسلام کے حامی اور اس کی طرف سے دلیل اور مناظر ہیں اور انہی نے اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے پھر اس کو نبوت کے ثبوت میں ان کی کتابوں میں تشفی بخش دلائل نہیں ملتے تو اس کے عقیدہ میں کچھ تذبذب اور تزلزل ہی پیدا ہوتا ہے اس سے ایمان و علم کا راستہ بند ہو گیا اور نفاق و جہل کا راستہ کھل گیا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے معلومات تکلمین ہی کے دلائل تک محدود ہیں۔

متکلمین و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری

ان کے نزدیک متکلمین و فلاسفہ نے ایک ہی طرح کی غلطی کا ارتکاب کیا اور تمام اختلافات کے باوجود ان کا طریقہ کار ایک ہے ان دونوں گروہوں کی غلطی اور کمزوری یہ ہے کہ انھوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی اور فطرت و نبوت دونوں سے کشمکش اور زور آزمائی کی اس لئے ان دونوں کی تحقیقات میں غلطیاں زیادہ اور نفع کم ہے۔

تطویل و تکلفات

متکلمین و فلاسفہ کے طرز استدلال اور دلائل کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری تطویل اور تکلفات ہیں جن حقائق اور مقاصد کو ان متکلمین نے ان طول طویل دلائل و مقدمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ اس سے زیادہ آسانی سے اختصار اور فطرت کے مطابق ثابت کئے جاسکتے ہیں فلاسفہ و متکلمین نے ان کے ثابت کرنے کے لئے ناحق طول طویل اور پیچیدہ راستہ اختیار کیا وہ اپنے کسی مشرک کا مقولہ لکھتے ہوئے اس کی مثال دیتے ہیں کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تمہارے کان کہاں ہیں اس نے اپنا

دایاں ہاتھ سر پر سے اٹھا کر بائیں کان تک شکل پہنچایا، اور کہا کہ یہ حالانکہ سیدھے طریقے پر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں کان یا بائیں کان طرف اشارہ کر سکتا تھا اس موقع پر انھوں نے کسی شاعر کا شعر لکھا ہے۔

اقام یعمل ایاماً رویتہ وشبہ الماء بعد الجهد بالماء

”بہت دن تک آدمی غور کرتا رہا، اور اپنے دماغ پر زور دیتا رہا، بڑی محنت کے بعد پھر پانی کی تعریف یہ کی کہ وہ پانی ہے۔“

متکلمین کے دلائل پر انحصار نہیں

ان کو متکلمین کی اس بات سے اختلاف ہے کہ ان مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے وہی طریقہ استدلال اور وہی مقدمات ہیں جو ان متکلمین نے اختیار کئے ہیں اور ان کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات یہ طریقہ استدلال اور یہ مقدمات تو صحیح ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ استدلال اور دوسرے مقدمات نہیں ہیں اس لئے کہ مطالعہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا علم انسانوں کے لئے زیادہ ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دلائل اور اس کی ثبوت کو بھی اسی طرح آسان اور عام بنا دیتا ہے اس بنا پر صالح کے اثبات اور اس کی توحید کے دلائل اور نبوت کے علامات و دلائل بہت کثیر ہیں اور لوگوں کے لئے ان کی سہولت کے ذرائع اور راستے بھی بہت کثیر ہیں ان متکلمانہ دلائل اور مقدمات کی اکثر لوگوں کو سرے سے ضرورت ہی نہیں اور ضرورت بھی عام طور پر ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جو ان کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے یا دوسرے طریقوں سے اعراض کیے ہیں۔

ایک طبقہ کو فائدہ

اس کے باوجود ان کو اعتراض ہے کہ بعض لوگوں کی ذہنی ساخت اور افتاد طبع ایسی ہوتی ہے کہ

لہ ارد علی المتکلمین ص ۲۵۵

نہ کہ اس طرز استدلال اور ان مقدمات کلامیہ اور منطقیہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس کے بغیر ان کی تشفی نہیں ہوتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم و یقین ان طریقوں پر منحصر ہے بلکہ یہ ایک ماعنی کیفیت ہے جو خاص ماحول و تربیت اور نفسیاتی احوال کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

• بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ طریقہ استدلال اس قدر دقیق و خفی ہوتا ہے، اور اس کے مقدمات جتنے کثیر اور طویل ہوتے ہیں، اسی قدر اس کے لئے نفع بخش ہوتے ہیں، اس لئے کہ اس کو باریک اور میں طویل غور و فکر کی عادت پڑ چکی ہوتی ہے، جب کوئی دلیل قلیل المقدما ہوتی ہے، یا بہت واضح اور جلی ہوتی ہے تو اس کے نفس کو اس سے خوشی اور تسکین نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کلامی اور منطقی طریقہ استدلال کو استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں، اس لئے نہیں کہ مطلوب کا علم اس پر موقوف ہے، بلکہ اس لئے کہ یہ اس کے حال کے مناسب ہے، کیونکہ اس طرح کے لوگوں کو جب ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو وہ معلوم ہیں اور غیر ذہین لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں، تو ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی، اور ان کو کوئی علمی امتیاز محال نہیں ہوا، وہ طبعی طور پر ایسے دقیق اور غامض مسائل کو جاننا چاہتے ہیں جو کثیر المقدما ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ محض یہ راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین اور یقین آفرین ہے

وہ اپنی کتابوں میں بڑے قند و مد سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مقاصد شریعت، حقائق غیبیہ اور حقائق دنیویہ کے اثبات کے لئے سب سے بہتر اور طاقتور اور دلنشین اسلوب طرز استدلال قرآن مجید کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

• اہل کلام و فلسفہ نے مطالبہ نہیں پر جو دلائل عقلی قائم کئے ہیں ان کے مقابلہ میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل اور بلیغ و موثر ہیں، پھر اس کے ساتھ وہ ان بڑے بڑے مغالطوں سے بھی پاک و صاف

ہیں جو ان فلاسفہ و متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں:

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”قرآن مجید میں جو عقلی اور برہانی قیاسات اور یوہیت الہیت اور وحدانیت خدا کے علم و قدرت امکان معاد وغیرہ جیسے مطالب عالیہ اور معارف الہیہ کے جو دلائل مذکور ہیں وہ شریف ترین علوم و معارف ہیں جن سے نفوس انسانی کی تکمیل ہوتی ہے۔“

ذات صفا کے بارے میں قرآن اور فلسفہ کا بنیادی و اصولی فرق

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ذات و صفات کے بارے میں قرآن مجید اور فلسفہ کا ایک اصولی فرق بیان کرتے ہوئے انھوں نے یہ اہم علمی نکتہ لکھا ہے کہ:-

”قرآن مجید جہاں صفات الہی ثابت کرتا ہے وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تشبیہ کی نفی پر اکتفا کرتا ہے (لیس کمنہ شیئ) اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے اس کے برخلاف ان کے حریفوں اور مخالفین (فلاسفہ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر صرف ہوتا ہے اور اثبات سے وہ سب سے دور پر گتہ جاتے ہیں۔“

نفی صفات کا اثر پوری زندگی پر

فلسفہ یونان کا پورا دفتر ابن تیمیہ کے اس نکتہ کی تصدیق کرتا ہے، فلاسفہ نے نفی میں مبالغہ اور اہتمام سے کام لیا ہے اس نے خدا کے وجود کو محض ایک ذہنی تصور اور ایک عقول مجہول و مجبور ہستی بنا کر رکھ دیا ہے لیکن خدا کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس بارے میں ان کے یہاں چند عقول و فلسفیانہ

لہ الرد علی المنطقیین ص ۳۲۱ ۲۲۲ ایضاً ص ۳۲۳ النبوات ص ۱۵۳

اصطلاحات زیادہ کچھ نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کے فلسفہ کے زیر اثر رہے ہیں خدا سے کوئی حقیقی زندہ اور علی تعلق نہیں رہا ہے اس لئے کہ اس حقیقی اور علی قلبی اور جذباتی تعلق کے لئے اسماء و صفات و افعال کی ضرورت ہے اور فلسفہ کو ان کی نفی پر اصرار ہے دنیا کی پوری عقلی تاریخ میں کبھی انسان کو کسی ایسی ہستی سے قلبی تعلق اور وابستگی نہیں رہی ہے جس کی صفت و فعل کا اس کو کوئی علم نہ ہو، محبت، خوف، امید و رجاء، طلب و سوال سب کے لئے صفا کی ضرورت ہے اور وہ فلسفہ یونان میں بالکل منافی ہیں اس لئے مورخین اخلاق و ادیان کا بیان ہے کہ اہل یونان کا تعلق نہ صرف خدا کے ساتھ بلکہ مذہب کے ساتھ بالکل سطحی اور برائے نام تھا، اور اس میں کوئی روح اور گہرائی نہیں تھی امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ پر صحیح لکھا ہے کہ لاکھوں نفی یا یکا ثبات کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفی محض پر کسی مذہب اور زندگی کی عمارت نہیں کھڑی ہو سکتی، اور غالباً مغرب میں فلسفہ یونان اور مشرق میں بودھ مذہب اسی وجہ سے ایک ایسی انسانی سوسائٹی کے پیدا کرنے میں ناکام رہے جس کی عمارت خدا کے تصور اور عقیدہ پر قائم ہو اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان دونوں فلسفہ کے حلقہ اثر میں ایک طرف بت پرستی اور دوسری طرف اکھاڑ اور انکار خدا کا رجحان بہت جلدی دبے پاؤں چلا آیا، اس لئے کہ عوام کی تشفی (جن کی نظر میں عبادت اور خدا پرستی کے جذبات و دلیت ہوتے ہیں) ایسے فلسفہ سے نہیں ہو سکتی، جس میں مارا زور دماغی ورزش اور فلسفیانہ تصورات پر ہوا اور قلب و مایہ کے لئے معرفت و محبت کی کوئی غذا فراہم نہ کی جائے۔

صحابہ کرام کا امتیاز

ان کے نزدیک اس کا نتیجہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو نبوت کے فیض یافتہ تھے، جو معرفت و علوم حاصل ہوئے وہ بڑے کمبل اور گہرے ہیں، اور ان میں تکلف کا نام و نشان نہیں ہے، وہ صحابہ کرام فی حق مہتمم اور متاخرین کا جو فلسفہ اور علم کلام سے متاثر تھے، مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام باوجود اس کے کہ علم نافع اور عمل صالح
 كانوا مع انهم اكبر الناس علماً نافعا کے اعتبار سے کمال ترین خلائق تھے تکلفات سے بالکل
 وعملاً صالحاً اقل الناس تكلفاً يصدر پاک بری تھے کسی صحابی کی زبان ایک یاد و نغظ
 من احدثهم الكلمة والكلمات من حکمت معارف کے نکل جاتے ہیں اور ان لغظوں کے اثر و
 الحكمة او من المعارف ما يهدي الله برکت پوری کی پوری قوم کو ہدایت نصیب ہو جاتی
 بهامة وهذا من من الله على هذا ہے اس امت پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کے
 الامة، وتجد غيرهم محشون الاوراق مقابلہ میں دوسرے لوگ صفحے کے صفحے ان تکلفات
 من التكلفات والشهادات ما هو من دشمنان کے بھڑکتے ہیں جو محض غیر ضروری باتیں
 اعظم الفضول المبتدعة والآداء المختصرة اور نواہی و آیات و نظریات ہیں۔

منطق یونانی کا سحر اور عرب عالم اسلام پر

امام ابن تیمیہ نے فلسفہ پر اجمالی و تفصیلی تنقید کی ہے اور اس کے بکثرت مسائل و مباحث کو
 خالص عقلی و استدلالی طریقہ پر رد کرنے اور ان کو کمزور و بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد یونان کے ایہ تان
 علم منطق پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی ہے علماء اسلام پر منطق کا سحر فلسفہ سے کچھ لایا نہیں تھا اور اس کے
 ستر پا مستقول و مدلل اور محکم و مبسوط ہونے پر عام طور پر اتفاق تھا، ساعد قرطبی کے بیان کے مطابق تیسری
 ہی صدی میں منطق کی کتابوں کا عام رواج ہو گیا تھا اپنا پچیسویں صدی میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منطق کو
 بڑی اہمیت دی اور اس کو تمام علوم کا مقدمہ قرار دیا، اپنی مکتبہ الارکات المستصفی کے مقدمہ میں لکھتے
 ہیں: مقدمة العلوم كلها ومن لا يحيط بها فلا ثقة بعلومه اصلاً (منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے اور جس کو

لہ نقض المنطق ص ۱۱۴

جس پر عبور نہیں، اس کو اپنے علوم پر مطلقاً اعتبار نہیں کرنا چاہئے) اپنی دوسری کتاب (مقاصد الفلاسفہ) میں لکھتے ہیں:-

انما المنطقیات فاکتھا علی منہج الصواب	جہاں تک منطقی مسائل و مباحث کا تعلق ہے تو واقعہ
والغطاء نادر فیہا وانما یخالفون اہل الحق	یہ ہے کہ ان میں اکثر درست اور ثابت ہیں اور ان میں غلطی
فیہا بالاصطلاحات والایرادات دون	شاذ و نادر ہے اگر ان یونانی علمائے منطق کا اہل حق
المنعانی والمقاصد، اذ غرضہا تہذیب	سے کوئی اختلاف بھی ہے تو بعض اصطلاحات اور استنتاجات
طرق الاستدلالات وذلك معايشترہ	کا ہے معانی اور مقاصد کا نہیں اس لئے کہ اس فن کی
فیہ النظر	غرض طرق استدلال کی دہنگی اور اصلاح ہے اور

اس بارے میں تمام اہل نظر متفق ہیں۔

ساتویں صدی کے مشہور حکیم و فلسفی ابن رشد کو منطق کے بارے میں اتنا غلو اور اعتماد تھا کہ وہ اس کو انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھتا تھا، اور اس کے بغیر حقیقت تک پہنچنا اس کے نزدیک ناممکن تھا اس کا سولہ جہ نگار لکھتا ہے:-

كان متھوياً بمنطق ارسطو وقال عنه	ابن رشد کو ارسطو کی منطق بے مشق تھا، اس کے بارے
انه مصدر السعادة للناس وان سعادة	میں اس کا قول ہے کہ وہ انسانوں کے لئے سعادت کا
الانسان تقاس بعلمه بالمنطق والمنطق	منبع ہے کسی انسان کی سعادت کے لئے صحیح پیمانہ ہے کہ
أدراة تسهل الطريق الشاقة في الاصول	وہ منطق کتنی جانتا ہے منطق ایک لایا آلہ اور ذریعہ ہے
الى الحقيقة التي لا یصل اليها العامة	ہمارے حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے
بل بعض الخاصة بفضل المنطق	جس تک عوام کو کیا بعض خاص بھی نہیں پہنچ سکتے۔

۱۔ المستصفی جزء اول ص ۷۷ ۲۔ مقاصد الفلاسفہ ص ۱۲۱ ۳۔ تاریخ فلاسفہ اسلام محمد لطیف جلد ۱ ص ۱۲۱

یونان کی اس منطق کے دفتر کو علمائے اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں کیا اور وہ اس دعاوی و مقدمات اور اصول و کلیات سے مرعوب کئے گئے، فلسفہ پر تنقید اور اس کی تشریح (جیر بچاؤ) کا کام تو طول طویل وقفوں کے بعد کسی حد تک ہوا لیکن ہمارے علم میں کسی نے مستقل طور پر منطق یونانی کے علمی محابے و محاکمے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اس موضوع پر کوئی بڑی محققانہ اور مفصل کتاب نہیں ملتی۔

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں!

ابن تیمیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ اور مجتہدانہ تبصرہ اور تنقید کی اس موضوع پر ان کی ایک مختصر اور محل کتاب "نقض المنطق" اور دوسری مفصل کتاب "الرد علی المنطقیین" ہے، آخر الذکر کتاب میں انہوں نے فنی اور علمی طور پر منطق کے قضایا، دعاوی اور حدود و تعریفات اور جزئیات و کلیات سے بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اس فن کو علمائے اسلام نے جتنی اہمیت دی ہے اور اس کو جس قدر مسلم الثبوت اور حکم سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، ان کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ علوم عقلیہ کی میزان ہے اور اس پر استدلال و استنتاج کا اور علم یقین تک پہنچنے کا انحصار ہے، وہ لکھتے ہیں:-

یہ لوگ کہتے ہیں کہ منطق علوم عقلیہ کی میزان ہے اور اس کی رعایت و پابندی اذہن کو فکری غلطی سے بچالیتی ہے جیسے فن عروض شعر کے لئے اور نحو و تصریف عربی کے مرکب مفرد الفاظ کے لئے میزان کا درجہ رکھتے ہیں اور جس طرح آلات ہریت اوقات کے لئے میزان ہیں۔
لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اس لئے کہ عقلی علوم ان اسباب احوال کے ذریعے سے حاصل کئے جاسکتے

لے یہ کتاب حال میں مطبوعہ قیمہ کی طرف سے شائع ہو گئی ہے جس پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ ہے اس کتاب کی ضخامت ۴۵ صفحات ہے، علمائے فن کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کئے ہیں، ان کا کسی شخص معین کے وضع کئے ہوئے میزان پر انحصار نہیں اور جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں اس لئے کہ وہ ایک قوم کی عادت ہے جو صرف علم سے معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقرار ہے اس طرح عقائد میں تقلید نہیں ملتی اس طرح سے کہل اذن عدد و شمار اور زراعت وغیرہ میں پیانوں وغیرہ کی ضرورت ہے۔

منطق یونانی کی وضع و ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقائق اشیاء کو جانتی تھیں اور اس کی وضع و ایجاد کے بعد بھی اکثر قومیں ہیں جو منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اکثر عقلاء و ارسطو کے ان اصول و قواعد کو یکے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں اور یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت چھوڑیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے؟

بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور کمزور ہیں

ان کو اس سے بھی انکار ہے کہ منطقی حدود و تعریفات پورے طور پر جامع و مانع اور فنی طور پر مکمل ہیں اور ان پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وصاروا یعظمون امر الحدود و حدیثہ	اہل منطق حدود منطقہ کی اہمیت میں بڑا بیان
انہم هم المحققون لذلك وانما یذکر	کرنے والے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس فن کے محقق ہیں
غیرهم من الحدود و انما ہی لفظیة	اور یہ کہ ان کے علاوہ دوسرے علماء جو حدود بیان کرتے
لا یفید تعریف الماہیة والحقیة	ہیں وہ لفظی ہوتی ہیں اور باریت اور حقیقت کو پورے
بمخلاف حدودهم ویسکون الطرق	طور پر بیان نہیں کرتیں بخلاف ان کے حدود کے اور
الصعبۃ الطویلة والعبارة المتکلفة	اہل منطق بڑے دشوار اور طویل رائے اختیار کرتے ہیں

اعمال و عملی المنطقیین ص ۲۷

الہائے ولیس لذلك فائدة الا تضیع النعمان
 اور بڑی پر تکلف اور مرعوب کرنے والی مہارتیں
 واتعاب الالذہان وکثرة الہذیان ودرغی
 استعمال کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سوائے احمق
 التحقیق بالکذب والبهتان وشغل النفوس
 وقت نامی تھکان کثرت ہذیان اور تحقیق کے دروغ
 بما لا ینفعہا بل قد یضلہا عما لا ینبغی لہا
 اور لذت زنی کے اس کا کوئی فائدہ نہیں یہ نفوس کہ
 منہ واثبات الجہل الذی ہو اصل
 ایسی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں جو کچھ مفید نہیں
 التفاق فی القلوب وان ادعوا الیہ
 بلکہ بعض اوقات گمراہی اور مہالت آفرینی کے سوا
 اصل المعرفة والتحقیق
 جو قلوب کا نفاق کا ذریعہ ہے کچھ اور حال نہیں
 اگر جان کا دروغ ہے کہ یہ معرفت اور تحقیق کی بنیاد

کوہ کندن و کاہ بر آوردن

ایک جگہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ منطق در حقیقت ایک کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کا معاملہ ہے کہ
 محنت اور بحث بہت زیادہ اور حاصل محمول بہت کم نقص المنطق میں فرماتے ہیں۔
 یہ بات واضح ہے کہ منطق کو واجب قرار دینا محض ان لوگوں کا قول ہے جو غالی اور حقیقت
 سے نا آشنا ہیں، خود ماہرین فن بھی اپنے تمام علوم میں منطق کے قوانین کی پابندی نہیں
 کرتے، بلکہ بعض اوقات کہیں تو ان کی طوالت کی وجہ کہیں غیر مفید ہونے کی بنا پر اور کہیں
 بعض قوانین کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور کہیں ان کے اجمال اور اشتباہ کی وجہ سے
 وہ ان سے خود اعراض کرتے ہیں، اس میں متعدد ایسے مقامات ہیں جو کوہ کندن اور
 کاہ بر آوردن کا مصداق ہیں۔

لے الرد علی المنطقیین ص ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیان پر

ان کے نزدیک منطق سے اکثر اوقات یہ نقصان بھی پہنچا ہے کہ طبیعت کی جولانی اور زبان و خیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ جو لوگ قواعد منطقیہ اور منطقی اسلوب کی بڑی پابندی کرتے ہیں ان میں ثرولیدہ بیانی، مشکل پسندی و اغلاق اور ایک طرح کی ذہنی کمی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ متاخرین کے متون اور کچھ دوسری نصابی کتابیں اس کا واضح نمونہ ہیں، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

وما زال نظار المسلمین يعيبون طريق	مسلمان اپنی نظر و مناظرہ شروع سے اہل منطق پر کڑی
اهل المنطق ويبتنون ما فيها من العي	تنقید کرتے رہے کہ اس سے اشتغال کرنے والوں میں
واللكنة وقصور العقل وعجز المنطق	اکثر عیب پیدا ہو جاتا ہے کہ بے کلفت اظہار خیال
ويبينون انها الى افساد المنطق العقلي	نہیں کر سکتے، ان کی زبان و قلم میں ایک طرح کی بندش اور
واللاني اقرب منها الى تعويم ذلك	رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ذہن اپنا پورا کام نہیں
	کرنا اور زبان ساتھ نہیں دیتی اور وہ اس بنا کو
	واضح کرتے رہے کہ بجائے ذہن اور زبان کی ترقی
	اور تقویت کے اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ذہن اور
	زبان کو اس نے نقصان ہی پہنچایا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

اذا اتعت العقول وتموراتها	قاعدہ یہ ہے کہ جب عقول و تصورات میں وسعت
اتعت عباراتها واذا ضاقت العقول	ہوتی ہے تو عبارتوں میں بھی وسعت ہوتی ہے اور

لہ الروایۃ المنطقیۃ ص ۱۹۴

والتصورات بقى صاحبها كان محبوبا
العقل واللسان كما يصيب اهل المنطق
اليوناني تجمدة من اصدق الناس علما
وبيانا، واعجزهم تصونا وتعبيرا، ولهذا
من كان منهم ذكيا اذا تصرف في العلوم
وسلك سلك اهل المنطق طوق وصيق
وتكلف وتعتقت وغاية بيان البين
وايضاح الواضح من العي وقد يوقعه
ذالك في انواع من السفطة التي عاني
الله بها من يملك طريقه.

مبالغ تنگہ در تصور احمد ہوتے ہیں تو انسان ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا وہ عقلی اورسانی طور پر محسوس ہے
جیسے کہ منطق یونانی سے اشتغال کرنے والوں کو اکثر
پیش آتا ہے، تم دیکھو گے کہ وہ اپنے علم و بیان میں بڑے
تنگ اس اور اپنے تصور و تعبیر میں بڑے مابز نظر آتے
ہیں اسی لئے ان میں سے جو ذکی بھی ہوتا ہے جب علوم
میں تعین کرتا ہے اور اہل منطق کا راستہ اختیار کرتا ہے
تو تطویل و تضییق اور تکلف و مشقت سے کام لیتا
ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا زائمر یہ ہوتا ہے کہ
ایک علوم چیز کو بیان اور ایک اشخ چیز کو زیادہ واضح
کرنے اور اس کا نتیجہ ہے کہ منطق کے اشتغال سے
اس کے ذہن زبان پر عقل سے بڑھتا ہے بعض اوقات
وہ مضطرب اور حائل اشیاء کے اکل کے مرض میں مبتلا
ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ مضطرب ہیں، جنہوں نے
ان اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

بعض مستثنیات

امام ابن تیمیہ کے سامنے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جو یونانی علم حکمت میں راہنما رکھنے اور علم

لغات و علی المنطقیین ص ۱۶۷

میں درجہ امامت تک پہنچنے کے باوجود بڑے شگفتہ قلم، خوش تحریر اور ادیب تھے، مثلاً ابن سینا جس کا قصیدہ
 بروج عربیت کا بڑا عمدہ نمونہ اور جس کی تحریروں میں اہل حکمت کے برخلاف حلاوت و بلاغت پائی جاتی ہے،
 ان کے نزدیک یہ اسلامی اور عربی ادب و لطیفیچر سے اشتغال اور علوم اسلامیہ کا فیض ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ
 ابن سینا کے حالات و سوانح سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ومن وجد فی بعض کلامہ فصاحة و بلاغة	ان فلاسفہ و اہل منطق میں سے جس شخص کے کلام میں کچھ
کما یوجد فی بعض کلام ابن سینا و غیرہ فلما	فصاحت یا بلاغت محسوس ہوتی ہے جیسے کہ ابن سینا
استفاد من المسلمین من عقولہم	کی بعض تحریروں میں نظر آتی ہے تو یہ مسلمانوں کے
والسلف و الافلوکی علی طریقہ سلفہ	عقول و آداب کے قائمہ اٹھانے کا نتیجہ ہے ورنہ اگر
و اعرض عما تعلمہ من المسلمین کان	وہ اپنے پیروؤں کے راستہ پر چلتا رہتا اور اس نے
عقلہ و لسانہ یشہ عقولہم و السلف	مسلمانوں سے جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے اعراض
	کرتا تو اس کی عقل و زبان بھی ان ہی کے عقل و زبان
	کی طرح کوتاہ و قاصر نظر آتی۔

منطق کے متعلق اجمالی رائے

ان تنقیدات اور تبصروں کے بعد اس فن کے متعلق ان کی اجمالی رائے خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

فحق النافع فطری لا یحتاج الیہ	منطق کا جتنا ضرورت اور مفید ہے وہ فطری ہے
وما یحتاج الیہ لیس فیہ منفعة	جس کا اکیلے علم الفطرت کی ضرورت نہیں لگتی ہے
الاعرفۃ اصطلاحیہ و طریقہ ہم	کی ضرورت ہے اس کا بھی فائدہ صرف اتنا ہے کہ لاپرواہی

اصطلاحات ان کا طریقہ استدلال یا ان کی غلطیاں
معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

الی کنت دائماً أعلم ان المنطق اليونانی
لا يحتاج الیہ الذکی ولا یتفع بہ
البلید۔
میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے
فطری ذکاوت عطا فرمائی ہے اس کو تو اس یونانی منطق
کی ضرورت نہیں اور جو اس ذکاوت سے محروم ہے اس کو
اس منطق سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

منطق کا صحیح مقام اور فائدہ

منطق یونانی کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے ان آراء و خیالات میں خواہ کسی قدر انتہا پسندی اور
غلو کا رنگ نظر آئے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منطق کی عظمت و تقدیس کے اس طسم پر جو تمام عالم اسلام پر
پانچویں صدی کے بعد سے چھایا رہا ہے ابن تیمیہ کی تنقیدوں کا ایک ضرب لگی اور ایسا ہونا ضروری تھا اس کے
بارے میں ہمارے درسی اور علمی حلقوں میں جس قدر خیالیانہ اور مبالغہ آمیز حقیقت قائم رہی ہے اس کا اندازہ
اس سے ہو سکتا ہے کہ جو منطق سے نا آشنا ہو اس کو اس کے تمام علوم و کمالات اور فطری ذکاوت کے باوجود
جاہل اور احمق سمجھا جاتا رہا ہے اور عرصہ تک ہندوستان میں منطق و فلسفہ کو دانشمندی اور ان کی کتابوں کو
کتب دانشمندی کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے اس غلو اور عقیدت کے خلاف رد عمل بھی قدرتی امر ہے
اور اسی رد عمل سے اس بات کا امکان ہے کہ اس کے بارے میں معتدل رائے قائم کی جائے گی اور اس کو
اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، منطق ایک طرح کی ذہنی ورزش اور مافیہ ریاضت ہے اور اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ اس سے تشبیذ ذہن کا کام لیا جاسکتا ہے اور اگر اس کو اسی حد تک رکھا جائے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا خود امام ابن تیمیہ کو اس کا اعتراف ہے الرّد علی المنطقیین میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وایضاً فان النظر فی العلم الذی فیہ
یفتق الذہن ویدریہ با ویقویہ
علی العلم فیضیر مثل کثرۃ الرمی بالنشأ
وہکوب الخیل تعین علی قوۃ الرمی
والرکوب وان لم یکن ذلک وقت
قتال، وهذا مقصد حسن۔

یہ بات بھی ہے کہ علوم و قیقہ میں غور و مطالعہ سے
ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے اور علم کی
طاقت حاصل ہوتی ہے بالکل جس طرح سے تیر اندازی
اور شہسواری کی مشق سے نشانہ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے
کی سواری آسان ہو جاتی ہے اور لوگ جنگ سے پہلے بھی
ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں یہ اکیلا چھا مقصد ہے۔

لیکن لوگوں نے جس طرح اس کو بجائے وسیلہ کے مقصود اور بجائے مقدمہ کے اصل علم سمجھ لیا ہے اس سے ہر منصف اور بالغ نظر کو اختلاف ہوگا۔

دینی والہی حقائق کے بارے میں منطق کی بے بسی

منطق و فلسفہ کے بارے میں ایک غلو شروع سے یہ چلا آ رہا ہے کہ جس طرح اس کے قواعد و اصول کو علوم عقلیہ میں فیصلہ کن اور حکم سمجھا جاتا ہے، اس طرح سے دینی والہی حقائق کے بارے میں بھی ان سے بے تکلف کام لیا جاتا ہے اور ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا جاتا ہے امام ابن تیمیہ اس بات کو پوری طاقت سے واضح کرتے ہیں کہ اگر منطق کو ایک میزان و ترازو کا بھی درجہ دیا جائے تو اس ترازو کا کام اور اس کا دائرہ عمل بہر حال محدود رہے گا، اس ترازو پر حقائق دنیویہ کو تولنا ایسا ہی ہے جیسے لکڑی، سیسہ اور پتھر تولنے کی ترازو پر سونے چاندی اور جواہرات کو تولنا جائے، نقض المنطق میں لکھتے ہیں:-

لہ الرّد علی المنطقیین ص ۲۵۵

۱۰ اتنی بات مسلم ہے کہ لکڑی اور سیسہ اور پتھر کو تولنے کے لئے جو ترازو بنائے گئے ہیں ان پر سونے چاندی کو نہیں تولاجا سکتا، نبوت کا معاملہ اور انبیاء علیہم السلام جن حقائق کو لے کر آئے ہیں، وہ علوم میں اس سے کہیں زیادہ رفیع اور نازک ہیں، جتنا کہ سونا مایات میں ہے، تمہاری منطق اس کے لئے کوئی میزان نہیں بن سکتی، اس لئے کہ اس میزان میں جہل و ظلم دونوں جمع ہیں یا تو وہ ان کے وزن و درجہ سے واقف نہیں اور ان کو وزن کرنے اور ان کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں اس لئے جاہل ہے یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اور اس کو قبول نہیں کرتی ہے اس لئے ظالم ہے، حالانکہ وہ حق ہے جس کا طبائع انسانی کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اور اسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے۔

اس موقع پر نامناسب نہ ہو گا کہ نویں صدی کے ایک دوسرے سلیم الطبع اور نقاد عالم ابن خلدون کا ایک قباس بھی پیش کر دیا جائے جو بالکل اس مفہوم و معنی کو ادا کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف اور متعدد سلیم الطبع انسان محض اپنی سلامت طبع سے کس طرح ایک حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان میں خیالات و افکار کا کیسا اتوار دھوتا ہے عقل کے محدود ہونے اور حقائق دینیہ و غیبیہ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۱۱ عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں لیکن اس ترازو میں امواد توحید امور آخرت، نبوت، صفات الہی اور وہ تمام امواد حقائق جو مادہ عقل میں تول نہیں سکتے، یہ لا حاصل کو شمش ہوگی اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرج نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے

لے نقص المنطق ص ۱۶۴

اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اثر اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔

منطق پر تفصیلی وقتی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہادات و اضافات

امام ابن تیمیہ نے فن منطق پر بعض اجمالی تبصرہ اور اصولی اعتراضات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ پورے فن پر ایک ناقدانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالی اور اس کا علمی احتساب کیا، انھوں نے اس کے بہت سے اصول و مسائل کے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور ان پر خالص عقلی اور فنی حیثیت سے بحث کی، اس کی بہت سی تعریفات و حدود کو مخدوش و کمزور ثابت کیا، اور ان سے بہتر تعریفات و حدود پیش کئے، اس کے بہت سے قضایا اور ان کی ترتیب سے اختلاف کیا، قیاس کے مقابلے میں جو ارسطو کے منطق کی اساس ہے، استقرار کی ترجیح ثابت کی اور اس کو حصول علم و یقین کا زیادہ ہی سہل اور محفوظ طریقہ بتلایا، اسی کے ساتھ انھوں نے منطق و فلسفہ میں کئی جدید نظریات پیش کئے، اور فن میں اضافے کئے، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم الزم علی المنطقیین کے مقدمہ میں ان کی اس خدمت و عظمت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اگر تم اس کتاب کا غور و فکر سے مطالعہ کرو گے تو تم کو متعدد ایسے منطقی اور فلسفی مسائل ملیں گے جن کے ابن تیمیہ موجود ہیں اور وہ اس وقت کے مغربی فلاسفہ کی تصنیفات و نظریات بالکل مطابق رکھتے ہیں مثلاً تمام مسلمان علماء نے منطق نے اس بارے میں ارسطو کی پیروی کی ہے کہ کلیات علم کی بنیاد ہیں اور اس بنا پر انھوں نے برائیات کو ترجیح دی ہے اور اصول استقرار کی تحقیر کی ہے، اس بنا پر بعض علماء نے فرنگ نے یہاں تک لکھا کہ مشہور انگریز منطقی عالم مل (Mill) پہلا شخص ہے جس نے استقرار کے اصول کو مرتب کیا، اور منطق جدید کی بنیاد رکھی (حالا کہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے

لے مقدمہ ابن خلدون ص ۴۷

کئی صدی پہلے امام ابن تیمیہ اس پر زور دے چکے ہیں۔

اسی طرح سے انھوں نے حقیقتِ حد، جنس، فصل، لزوم، حقیقت، علت، قیاس، استقرار، استدلال، المشہورات، قیاس میں ایک مقدمہ پر اکتفا وغیرہ جیسے اہم اور پیچیدہ مباحث کو جس طرح حل کیا ہے اور محکم دلائل سے اپنے نظریات ثابت کئے ہیں وہ ان کی ذکاوت و اجتہاد پر گواہ ہے، علت و لزوم کے بارہ میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، بعینہ وہی نظریہ ہے جس کو مشہور فلسفی ہوم (HUME) نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے، اہل علم کو معلوم ہے کہ لزوم و علت ان دشوار ترین مسائل میں سے ہے، جن میں دماغوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور اسی سے طبائعیین (نیچر کو ماننے والے) اور محدین کی بہت سی گمراہیاں نکلی ہیں، اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی بہت سی جدید تحقیقات اور جدید نظریات ہیں، جو ان کی علمی عظمت اور غیر معمولی ذکاوت کی دلیل ہے۔

علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے

امام ابن تیمیہ کو اس بات کا احساس ہے کہ لوگ ان کے ان اعتراضات اور احتکانات کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ یونانی علوم ایک بڑا قدیم علمی ذخیرہ ہے جس کی ترقی و تہذیب میں کئی نسلوں کے بہترین اہل علم نے حصہ لیا ہے، اور ان کو ترقی و کمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے، اس لئے اب ان میں عقلی کا بہت کم احتمال رہ گیا ہے، اور ان پر پچھلے دور کے کسی ناقد کا تنقید اور اعتراض کرنا ایک بڑی علمی جسارت اور احمقانہ وقت ہے، امام ابن تیمیہ اس مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ جب یہ علوم محض عقلی ہیں، اور ان کی بنیاد غور و فکر اور مطالعہ پر ہے تو ان میں محض تقلید کا کیا جواز ہے، خود اس کے ناقل اس کو کسی وحی والہام پر مبنی نہیں بتاتے بلکہ اس کی بنیاد عقل پر رکھتے ہیں اس لئے ہر زمانہ کے اہل عقل کو یہ حق ہے کہ ان پر ناقدانہ

لے مقدمہ ارد علی المنطقین مق

مردا لے اور عقل کے ترازو پر تولے اور جو چیز خلاف عقل ہو اس کو بے تکلف رد کر دے، وہ الر دلی المنطقیین
 میں ایک جگہ بعض شیوخ منطق کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ علوم وہ ہیں جن کو ہزار برس تک بہترین دماغوں
 نے صقل کیا ہے، اور ہر زمانہ کے اہل فضل نے ان کو قبول کیا ہے، پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

هـ ب ان الامر كذا فلهذا العلوم	فرض کرو کہ باتیں ہی ہے لیکن یہ علوم تو خاص
عقلية محضة ليس فيها تقليد لقائل	عقل علوم ہیں جن میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں
وانما تعلم بمجرد العقل فلا يجوز ان	یہ تو مجرد عقل سے معلوم کئے جاتے ہیں اور اس لئے
تصحح بالنقل بل ولا يتكلم فيها الا بالعقول	نقل کے ذریعہ ان کی تصحیح درست نہیں اور ان میں
المجرد فاذا دل المعقول الصريح على	خالص مقولات کی بنا پر کلام کیا جاتا ہے تو جب
بطلان الباطل منها لم يجزده فان	معقول صریح ان میں سے کسی باطل کے بطلان پر
اهلها لم يرد عوا انهما مأخوذة عن	دلائل کرے تو اس کا مسترد کرنا جائز نہیں اس لئے
يجب تصديق بل عن عقل محض	کہ خود علماء منطق نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ کسی
فيجب التحاكم فيها الى موجب	ایسی ہستی یا ذریعہ سے ماخوذ ہے جس کی تصدیق واجبہ
العقل الصريح	وہ خود کہتے ہیں کہ ان کا تعلق عقل محض سے ہے اس لئے

ان کے بارے میں عقل صریح کے وجہاً ہی کی طرف رجوع
 کرنا صحیح اور اس کے فیصلہ کو قبول کرنا ضروری ہوگا۔

عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود و انحطاط اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت
 واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے، منقول نہیں بننا چاہئے، لیکن عالم اسلام

الر دلی المنطقیین مشہور

پر جب علمی و فکری زوال طاری ہوا اور دماغوں اور قوتِ فکریہ نے اپنا کام آزادی سے کرنا چھوڑ دیا تو
 تو تمام علمائے حکمت و فلسفہ بھی اپنے پشیر وٹوں کی لکیر کے فقیر بن گئے اور ان کی تحقیقات و تصنیفات
 کے ناقل و شارح بن کر رہ گئے اور مقولات اور منقولات میں کوئی فرق نہیں رہ گیا، متاخرین کی
 بڑی سے بڑی پہمازیہ تھی کہ وہ متقدمین کے کلام کی شرح کر دیں اور ان کے مطالب کو کم سے کم
 الفاظ میں ادا کر دیں، یہی مشرق کا وہ دور انحطاط ہے جب علم و حکمت میں اضافہ، تجدید و اجتہاد
 اور تخلیق کام کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، یورپ میں (جس نے یونان کے منطق و فلسفہ کو مسلمانوں کے
 واسطے سے حاصل کیا تھا، اور حکماء یونان کے افکار و فلسفہ کو ابن سینا اور ابن رشد کے ذریعہ
 سمجھا تھا) کچھ عرصہ تک اس علمی میراث پر قناعت کرنے کے بعد فکر و نظر اور تحقیق و تجربہ کا کام
 آزادانہ طریقہ پر شروع ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں کی منطق و فلسفہ کی بساط الٹ گئی، قیاسی
 کے بجائے استقرائے منطق کی بنیاد رکھی گئی، ابعداً طبیعیات اور انبیات کے بجائے جن کا علمی و فکری
 زعم کی میں کچھ حاصل نہ تھا، طبیعیات پر زور دیا گیا اور اس فکری انقلاب نے نہ صرف یورپ
 کی دنیا کو بلکہ سارے عالم انسانی کو متاثر کیا، اس کے برخلاف پہلے قدیم علوم و فہم کی عقلیت
 میں یونانی علوم اور ان کے مشرقی شاگردوں میں آخر میں ایرانی مصنفین کی کتابوں کا شرح و
 حاشی کو اس مضبوطی سے پکڑ لیا کہ گویا وہ مہرہ و لا یشکک و فکر کا مسدود اختیار تھا، یہ
 عقلی جمود و تقلید کے دشت بے نشان میں امام ابن تیمیہ کا یہ جہاد کا شمار اور فلسفہ و منطق
 یونانی کی عقلی عقیدہ و ماسیک سنگیل اور پورے فلسفہ کا شیشہ کاٹنا ہے، فلسفہ کا یہ
 سکر کا دور و فترہ کھو گیا ہے۔



غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

اور

ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے یوں تو تقریباً تمام غیر اسلامی مذاہب و عقائد کی تنقید و تردید مدت انجام دی اور ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس علمی جہاد کی نذر ہوا، مشکل سے ان کی کوئی تصنیف سنا نہ بحث و مناظرہ سے خالی ہوگی، لیکن ہم یہاں ان مذاہب و فرق میں جن کا ابن تیمیہ نے بلکہ کیا، صرف دو (عیسائیت اور شیعیت) کو انتخاب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان دونوں پر دینی و علمی و معرکہ الآراء تصانیف (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح اور منهاج منة النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ) یادگار ہیں، نیز ان دونوں میں ایک لطیف نسبت اور قدر مشترک بھی ہے، جس کا اظہار اس حدیث میں ہوا ہے، جس میں حضرت علیؓ کو اب کر کے فرمایا گیا ہے: **یہلك فیک اثنان محب خال ومبغض** (اے علی! تمہارے سے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہوں گے، ایک خالی محب اور ایک مبغض رکھنے والے) اور لے بھی کہ شیخ الاسلام کے زمانہ میں مذاہب میں سے صرف مسیحیت اور فرقوں میں سے یون شیعیت (اپنی مختلف شاخوں اور اقسام کے ساتھ) دوزندہ تھریں اور طاقتور مذاہب تھے اور شاید اسی لئے امام ابن تیمیہ نے ان دونوں کو اپنی مستقل اور منفرد تصانیف کا موضوع بنایا۔

ردِ عیسائیت

عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ اسلامی ملکوں میں دوسرے مذاہبِ ادیان نے کروٹ لی ان مذاہبِ ادیان میں سب سے زیادہ جرأت و مستعدی کا اظہار مسیحیت نے کیا جس کے ماننے والے بڑی تعداد اسلامی ممالک بالخصوص مصر و شام میں موجود تھی، خصوصیت کے ساتھ شام متصل عیسائی ممالک کا سلسلہ تھا، اور ان کی عظیم الشان عیسائی سلطنت (سلطنت قسطنطنیہ) کی سرحدیں اس ملتی تھیں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں یورپ نے شام و فلسطین پر حملوں کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کا نام جنگ صلیبی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے، شام کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور نوٹھے برس تک بیت المقدس عیسائیوں کے اقتدار و ولایت میں رہا، سلطان صلاح الدین ایوبی نے اگرچہ حلیں کے میدان میں عیسائیوں کو فیصلہ کن شکست دی تھی، اور بیت المقدس کو بازیاب کیا تھا، لیکن شام کے ساحل پر اب بھی ان کی ایک ریاست باقی تھی، اور عیسائی مبلغین اور علماء اس حوصلے اس فتح سے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ وہ شام کو دوبارہ مسیحیت کے جھنڈے کے نیچے اور صلیب کے سایہ میں لینے کے خواب دیکھتے تھے، تاتاریوں کے حملے نے ایک طرف مسلمانوں کو نیم جان کر دیا تھا، دوسری طرف عیسائیوں کو بڑا سہارا دیا تھا، کتاب کے پہلے حصہ میں مذکور ہے کہ ۱۲۵۰ء میں جب تاتاری دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا، ان کو تحائف پیش کئے، وہ صلیب کو سروں پر بلند کئے ہوئے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے دین برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول صفحہ ۲۵۰ دوسرا ایڈیشن۔

وہی قدیم اور اصطلاحی دلائل نہیں پیش کئے ہیں، جو علم کلام اور مناظرہ فرق کی کتابوں کا قدیم شعار ہے بلکہ ایسے نئے وجوہ و دلائل پیش کئے ہیں جو زیادہ دل نشیں اور ایمان آفریں ہیں، ایک منصف مزاج اور معقولیت پسند انسان کو تسلیم و اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں، پھر اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ، علم کلام، اور سچی علماء کی موٹگافیوں اور تاویلات کا اتنا مواد نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتوں اور آپ کے دلائل نبوت اور آپ کی پیشین گوئیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ پیش کر دیا ہے، جو تنہا کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتا اور جس کے لئے بہت بڑا کتب خانہ کھنگالنے کا ضرورت ہوگی، ہمیں شہور مصری فاضل شیخ محمد البزہرہ کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے۔

وان هذا الكتاب أهدأ ما لكتب ابن تيمية امام ابن تيمية کی مناظرہ تصنیفات یہ کتاب ہے

فی الجدل، وهو واحد، جدید بیان یکتا زیادہ ٹھنڈی اور پر سکون ہے، یہ کتاب تنہا ان کو

ابن تيمية في سجل العلماء العاملين والآفة باطل علماء، مجاہد اثر اور غیر خالی مفکرین کا ترہ

المجاهدين والمفكرين المخالدين۔ دہلے کے لئے کافی ہے۔

پیش نظر مضمون میں اس کتاب پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنی ہے اور اقتباسات کی مدد سے اس کا ایک یا خلاصہ پیش کرنا ہے جس سے ان کا نقطہ نظر اور اس کتاب کی روح سامنے آجائے۔

مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیم اور دوی بت پرستی کا مجموعہ ہے

جن سلمان علماء و مصنفین نے مسیحیت کی تردید و تنقید پر قلم اٹھایا، ان میں سے اکثر خود مسیحیت کی تاریخ سے ناواقف تھے، انھوں نے مسیحیت کو حضرت مسیح کے اقوال و حالات کا مجموعہ سمجھ کر اور ایک آسان مذہب کا درجہ دے کر بحث کی اور اس طرح اس کو ایسا اعزاز بخشا جس کی وہ مستحق نہیں تھی، امام ابن تيمية

لہ ابن تيمية، ص ۱۹۰

”رومی اور یونانی وغیرہ مشرک و بت پرست تھے، وہ ہیاکل علوی اور اصنام ارضی کی پرستش کرتے تھے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے سفراء و مبلغین کو ان کی طرف امر الہی کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، ان میں سے بعض آپ کی زندگی میں ان ملکوں میں گئے، اور بعض آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے ان کو الشر کے دین کی دعوت دی، کچھ لوگوں نے الشر کے دین کو قبول کیا، اور ایک مدت تک اس پر قائم رہے، پھر شیطان نے ان میں سے کچھ لوگوں کو یہ نئی ڈھالی کر دی، حضرت مسیح کے دین کو بدل دیں، انہوں نے لیکر یا دین ایجاد کیا، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے دین اور مشرکین کے دین کا مجموعہ تھا۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

• عیسائیوں نے دودنیوں کو ملاکر ایک دین بنایا، ایک انبیاء موجدین کا دین، ایک شرکین کا دین۔
ان کے دین میں ایک حصہ تو انبیاء کی تعلیمات کا ہے اور ایک حصہ ان نئے اقوال و افعال کا ہے جو
انھوں نے مشرکین کے دین میں سے لے کر مثال کئے ہیں، اس طرح سے انھوں نے اقامت کے الفاظ دیئے
کئے، جن کا انبیاء طہیم اسلام کے کلام میں یہ نہیں ملتا، اس طرح سے انھوں نے جہنم اور سایہ اذیت کی
جگہ پر وہ بت ایجاد کئے جن کا سایہ نہیں، اس طرح آتش چاند اور کواکب کی طرح نماز پڑھنے، ہوس
بہار میں رونے، کھنے کو دین میں داخل کیا، تاکہ دین شرعی اور امر طہیم دونوں کو وہ جمع کر لیں؛

موجودہ مسیحیت عہد قسطنطنین کی تصنیف ہے

وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہتے ہیں کہ مسیحیت کی ابتدائی تحریف و تبدیلی کے علاوہ جو مسیحیت کے ابتدائی عہد اور پال (پولس) کے زمانہ میں ہو گئی تھی دوسری بڑی تحریف اور تبدیلی قسطنطنین کے زمانہ میں ہوئی، جو پچھلی صدی مسیحی کا مشہور رومی بادشاہ ہے اور جو پہلی مسیحی سلطنت کا بانی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”عیسائیوں کے عقائد اور شریعت و احکام ان کے علماء و اکابر برابر تصنیف کرتے رہے جیسے بادشاہ

قسطنطنین کے زمانہ میں ۳۱۸ آدمیوں نے وہ عیسائی محض تیار کیا جس پر مختلف مسیحی فرقوں نے اتفاق کیا اور

ایسی وغیرہ جو اس کے مخالف تھے ان پر لعنت کی اس محض وہ مسائل ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب میں

نشان نہیں ملتا بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کے مخالف اور عقل و معنی کے معارض ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”اس مذہبی سمجھوتے میں انھوں نے حضرت مسیح اور انبیاء کی پیروی نہیں کی، بلکہ ایک نیا عقائد

تیار کیا جس کا انبیاء علیہم السلام کے کلام میں کوئی سرخ نہیں ملتا انبیاء علیہم السلام کے کلام

نیز حضرت مسیح اور دوسرے انبیاء کے کلام میں کہیں اللہ کے اقامت کا ذکر نہیں، نہ تین کا نہ زیادہ

کا، نہ کہیں صفات ثلاثہ کا ثبوت ہے، نہ کہیں کسی صفت الہی کو ابن اللہ یا رب کے لفظ سے تعبیر

کیا گیا ہے، نہ اللہ کی حیات کو روح کہا گیا ہے، اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ خدا کا ایک فرزند ہے جو لاحق

ہے اور الٰہ حق سے وجود میں آیا ہے، وہ اپنے باپ کے جوہر سے ہے، اور وہ بھی اسی طرح خالق ہے

جیسے کہ اللہ خالق ہے اسی طرح ہے اور وہ دوسرے اقوال جو مختلف اقسام کفر و شرقت ہیں اس طرح

کے اقوال کسی نبی سے بھی منقول نہیں۔

اناجیل کی صحیح حیثیت

بعض علمائے اسلام سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے انجیل کو قرآن مجید اور دوسرے صحیفہ سماوی کے درجہ میں رکھ کر بحث کی ہے اور عیسائی علماء یسوعین کے دعوے اور شہرت عام سے متاثر ہو کر یہ تسلیم کر لیا کہ وہ بھی اسی طرح کی ایک آسمانی کتاب ہے جیسے کہ دوسری آسمانی کتابیں یہ ایک بنیادی غلطی تھی جو محض عہد جدید کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے امام ابن تیمیہ انجیل کو وہی مقام دیتے ہیں جس کی وہ مستحق ہے ان کے نزدیک انجیل کے ان چار صحیفوں کی حیثیت سیرت اور حدیث کی عام کتابوں کی طرح زائد نہیں وہ لکھتے ہیں:-

”ان اناجیل اربعہ میں بعض راویوں نے کچھ حضرت یسوع کے اقوال اور کچھ ان کے افعال و معجزات نقل کئے ہیں انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضرت یسوع سے جو کچھ سنا اور دیکھا سب نقل نہیں کیا پس جیسے محدثین اور اصحاب سیر و مخازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نقل کرتے ہیں اور کوئی ان کو قرآن کا درجہ نہیں دیتا اسی طرح سے ان راویوں نے حضرت یسوع کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں اور اور ان کی حیثیت بھی وہی ہے جو ہمارے یہاں سیرت اور حدیث کی کتابوں کی ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”تبع جانا انجیل عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے اس کے متعلق ان کو خود اعتراف ہے کہ وہ حضرت یسوع کی لکھی ہوئی ہے نہ ان کی لکھوائی ہوئی ہے حضرت یسوع کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد متی اور یوحنا نے (جو حضرت یسوع کے حامی تھے) اور ان کو آپ کی صحبت حاصل ہوئی اور مرقس اور لوقا نے (جنھوں نے حضرت یسوع کو نہیں دیکھا) لکھوایا اس کو اتنے آدمیوں نے یاد نہیں کیا جو تو اترکی حد تک پہنچ جائے ہیں چاروں مصنفین کا بھی یہ بیان ہے کہ انھوں نے حضرت یسوع کے اقوال و اعمال کا

لے جواب صحیح حد دوم ص ۱۷

کچھ حصہ نقل کیا ہے، انہوں نے پورے اقوال و افعال کا استیعاب بھی نہیں کیا، دو تین چار کے نقل کرنے میں غلطی کی گنجائش ہے خصوصیت کے ساتھ اس لئے اور بھی کہ خود حضرت مسیح کے بارے میں ان کو غلطی ہوئی، اور یہ بات مشتبہ ہو گئی کہ کون مصلوب ہے؟ وہ نہ صرف انجیل بلکہ تورات کے متعلق بھی لکھتے ہیں:-

”تورات کی نقل و روایت میں بھی انقطاع واقع ہوا جب بیت المقدس ویران کیا گیا اور بنی اسرائیل وہاں سے جلا وطن کئے گئے، یہودیوں کی روایت ہے کہ اس کے بعد ایک شخص نے تورات قلمبند کر دالی جس کا نام عاذر بتلاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے، ان کا بیان ہے کہ اس نسخہ کا ایک دوسرے پرانے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا، ایک روایت یہ ہے کہ ایک نسخہ جو مغرب میں تھا لایا گیا، اس سے مقابلہ ہوا، اس سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے الفاظ متواتر نہیں ہیں، اور ان میں بعض مقامات میں غلطی کا وقوع ناممکن نہیں، جیسے ان تمام کتابوں میں پیش آیا ہے جس کو دو چار آدمی نقل کرتے ہیں، اور ان کا مقابلہ کرتے ہیں، اور حفظ کرتے ہیں، آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں:-

”عیسائیوں کے پاس ان انجیلوں کے الفاظ کی حضرت مسیح سے کوئی متواتر روایت نہیں، اور نہ احکام و عقائد کی کوئی متواتر نقل ہے، جن پر وہ قائم ہیں، نہ یہودیوں کے پاس تورات کے الفاظ اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کی کوئی متواتر نقل ہے، جیسی مسلمانوں کے یہاں قرآن اور احکام و شریعت کی متواتر نقل موجود ہے، جو عوام و خواص سب کو معلوم ہے؟ وہ قرآن مجید اور تورات و انجیل کا فرق دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”قرآن مجید کے الفاظ و معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر چلے آئے ہیں، اور ان پر

اجماع ہے اسی طرح سے سنت متواترہ اسی طرح مسلمانوں کے پاس اپنے نبی کے بہت سے حالات اور واقعات ہیں جن کا صحیح ہونا مختلف طریقوں سے معلوم ہے مثلاً امت کی تصدیق، عادات کی دلالت وغیرہ یہ قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، اس کا حفظ کسی لکھی ہوئی کتاب پر موقوف نہیں، اگر مصاحف خدا نخواستہ دنیا سے ناپید ہو جائیں تو اس سے ان کے حفظ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بخلاف اہل کتاب کے کہ اگر بائبل کے نسخے معدوم ہو جائیں تو ان کے پاس اس کے الفاظ کی کوئی متواتر نقل نہیں ہے اس لئے کہ کتابوں کے معدومے چند حافظ ہیں جن کے حفظ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے عہد نبوت کے بعد ان کتابوں میں برابر تبدیلی (معنوی یا لفظی) واقع ہوتی رہی اور اسی لئے ان میں اس منکر رواج نہیں جس کا مسلمانوں میں رواج ہے اور نہ جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کا وہ علم ہے جو مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔

اناجیل میں تحریف

امام ابن تیمیہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ تورات و انجیل میں تحریف لفظی کے قائل نہیں لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی تردید ہوتی ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ اس پر بار بار زور دیتے ہیں کہ تحریف معنوی پر اتفاق ہے اور چونکہ ان کے نزدیک علمائے یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں کہ تحریف معنوی ہوئی ہے اس لئے وہ اس سے زیادہ استدلال کرتے ہیں اور علمائے یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اس کو پیش کرتے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

واذا عرف ان جميع الطوائف من المسلمين

جب یہ بات مسلم ہے کہ مسلمان یہود اور عیسائی سب

والیہود والنصارى يشهدون انه قد وقع

اس بات کے قائل ہیں کہ ان کتابوں (توراة و انجیل)

لہ اجماع صحیح حصہ دوم ص ۱۳۳

فی هذا الكتب تحريف وتبديل فی معانیها
کے معانی و تفسیر احکام میں تحریف واقع ہوئی ہے
وتفاسیرھا وشرائعھا فھذا القدر کافی ہے۔
تو اتنی بات بھی کافی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

وکن علماء المسلمین وعلماء اهل الکتاب
مسلمان علماء اور علماء اہل کتاب اس بات پر متفق

متفقون علی وقوع التحریف فی المعانی والتفسیر
ہیں کہ تورات و انجیل کے معانی و تفسیر میں تحریف ہوئی ہے

لیکن کیا تورات و انجیل کے الفاظ میں بھی تحریف ہوئی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں ان کو اس سے تو
اتفاق نہیں ہے کہ یہ کتابیں سرتاپا محرف ہو گئی ہیں اور ان میں کہیں بھی اصل الفاظ نہیں ہیں لکھتے ہیں کہ اس
قول کی نسبت مسلمانوں کی طرف صحیح نہیں کہ ان کتابوں کے تمام الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے
بعد تاربانوں میں بدل دیئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کسی کوئی اس کا قائل نہیں ہے
البتہ وہ اس کے قائل ہیں کہ ان کتابوں میں جزوی تحریف ضرور ہوئی ہے اور بہت سے مقامات
پر اس کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں وہ اسی کو جمہور کا مسلک بتلاتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

فجمہور المسلمین یمنعون هذا
جمہور کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ لاخر میں لفظ

ویقولون ان بعض الفاظھا تبدل
علیہ وسلم نے تورات و انجیل کے تمام الفاظ کی تصدیق

کامی (ہے) اور ان کا مسلک ہے کہ ان کتابوں کے بعض
لما قد تبدل کثیر من معانیہا۔

الفاظ تو ضرور بدل دیئے گئے ہیں جیسے کہ اس کے

بہت سے مطالب و تشریحات بدل دی گئی ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

والصواب لذی علیہ الجمہور رانہ
صحیح مسلک جس پر جمہور میں وہ یہ کہ ان کتابوں کے

لہ اجماع صحیح جہاں اول منہ ۳۷ ایضاً ۳۸ ایضاً ۳۹ ایضاً

بذل بعض الفاظہم۔

بعض الفاظ میں ضرورت تبدیلی ہوئی ہے۔

نصاری الفاظ انبیاء کو سمجھے نہیں

وہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی اور عقیدہ تثلیث اور شرکانہ خیالات کا بڑا سبب اور فساد کا سرچشمہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کے بہت سے الفاظ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا، اور بہت سے الفاظ کے مفہوم کی تحریف کر دی، وہ کہتے ہیں اس لحاظ سے یہودیوں کو عیسائیوں پر کسی درجہ میں فوقیت حاصل ہے اگرچہ وہ ضد تکبر اور انکار حق میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی زبان اور الفاظ سے اتنے نا آشنا نہیں ہیں۔

وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ان آسمانی کتابوں کے سمجھنے اور ان سے صحیح طور پر تعلیم کو اخذ کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اصطلاحات کا سمجھنا بہت ضروری ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ان معرفة اللغة التي خاطبنا بها الانبياء
وجعل كلامهم عليها امر واجب متعين
ومن ملك غير هذا الملك فقد
حرف كلامهم عن مواضعه وكتب
عليهم واخترى۔

اس زبان کا سمجھنا جس پر انبیاء علیہم السلام نے
ہم سے خطاب کیا اور ان کے الفاظ کا وہی مطلب لینا
جو ان کی زبان کا ضروری حصہ ہے یعنی چینیچہ جو اس کے
طور و سیراۃ استاختیار کے ساتھ وہ ان کے کلام
اصل مفہوم سے ہٹا دے گا اور ان پر چھوڑا جائے

لہذا ضرورت پڑے گی کہ جو کلام مرکب ہوگا۔

اسی زبان اور اصطلاحات کو نہ سمجھے گا نتیجہ یہ ہے کہ ابن اور روح القدس کے مستحق غلط

سمجھ لے گا اور حقیقت کا مفہوم پیدا ہو گیا۔

الحاجون صبحي حصدومنا تہ ایضامنا تہ ایضاحومنا

الفاظ کے صحیح معنی

وہ لکھتے ہیں :-

”اہل کتاب نے انبیاء علیہم السلام سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اب (باپ) اور ابن (فرزند) کے الفاظ استعمال کئے، ان کی خود مراد اب سے رب اور ابن سے منتخب اور محبوب تھی کسی نے بھی ان سے یہ نقل نہیں کیا کہ انھوں نے صفات الہی میں کسی صفت کو لفظ ابن سے تعبیر کیا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے متعلق یہ کہا ہو کہ اس کا اس سے تعلق ہو، یا وہ اس کی مولود ہے پس اگر حضرت مسیح کے کلام میں یہ آتا ہے کہ لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے پسمند و تو لفظ ابن کی تفسیر کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم اور ازلی صفت ہے، حضرت مسیح پر محض افتراء ہے اس لئے کہ ان کی زبان میں ابن سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدیم ازلی صفت نہیں تھی اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی صفت حیات کو روح القدس کے لفظ سے بھی تعبیر نہیں کیا گیا، ان کی زبان اور اصطلاح میں روح القدس سے مراد وہ ہستی یا شے تھی جس کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین پر نازل فرماتا تھا، اور اس سے ان کی تائید فرماتا تھا:

دوسری جگہ عیسائیوں کو خطاب کر کے لکھتے ہیں :-

”تمہاری گمراہی کا سبب یہ ہے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے صریح اذعان کلام کو چھوڑ کر وہ تاویلیں اختیار کیں جن پر انبیاء علیہم السلام کا کلام نصاً اور ظاہراً دلالت نہیں کرتا، تم نے حکم کو چھوڑ دیا، اور فتنہ اور تاویل کی جستجو میں تشابہ کی پیروی کی، اگر تم اس کلام کے ظاہر کو پرکھتے تو گمراہ نہ ہوتے اس لئے کہ ابن کا لفظ جہاں انبیاء علیہم السلام کے کلام میں آتا ہے وہاں اس سے کوئی صفت مراد نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا دوست اور اس کا محبوب مراد ہوتا ہے روح القدس

۱۸۱-۱۸۲

سے بھی کوئی صفت مراد نہیں ہوتی، بلکہ وحی اور فرشتہ مراد ہوتا ہے، تم نے ظاہر لفظ اور اس کے مفہوم کو چھوڑ کر ایسے معنی مراد لئے، جن پر لفظ مطلقاً دلالت نہیں کرتے۔

الفاظ ابن اور روح القدس مشترک و عام ہیں

پھر وہ توراۃ و انجیل کی عبارتوں اور نصوص سے ثابت کرتے ہیں کہ ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بکثرت دوسروں کے لئے استعمال ہوئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

• ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے حق میں خود تہا کے نزدیک آئے ہیں، تم خود بیان کرتے ہو کہ حواریوں نے کہا کہ حضرت مسیح نے ان سے فرمایا بیشک اشریر اور تہارا باپ ہے اور میرا اور تہارا معبود ہے، وہ خود کہتے ہیں کہ روح القدس ان میں حلول کرتا ہے، تہا کے پاس جو تورات ہے اس کے اندر یہ عبادت موجود ہے کہ رب نے حضرت موسیٰ سے کہا فرعون کی طرف جا، اور اس سے کہہ رب کہتا ہے اسرائیل میرا پونٹھی کا لڑکا ہے، اس کو چھوڑ دے تاکہ وہ میری عبادت کرے، اگر تو نے میرے پونٹھی کے بیٹے کو چھوڑنا منظور نہ کیا تو میں تیرے پونٹھی کے بیٹے کو قتل کر دوں گا جب فرعون نے بنی اسرائیل کو نہ چھوڑا تو جیسے خدا نے کہا تھا تو خدا نے فرعون کے اور فرعون کی قوم کے پونٹھی کے بیٹوں کو قتل کر دیا، اس فرعون کے بیٹے سے لے کر جو تخت پر بیٹھا تھا، دوسرے آدمیوں اور ان کے جانوروں کے پونٹھی کے بیٹوں تک، تو یہ تورات تمام بنی اسرائیل کو اشر کے بیٹے اور اس کی پونٹھی کی اولاد کہہ رہی ہے، اور اہل مصر کے بیٹوں کو فرعون کے بیٹے بتلا رہی ہے، اور اس سے بھی زیادہ وسعت سے کام لیتی ہے، اور جانوروں کے بچوں کو جانوروں کے مالک کا بچہ کہتی ہے، اسی طرح سے مزامیر داؤد میں ہے تو میرا بیٹا ہے تو مجھ سے سوال کریں دوں گا، انجیل میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل

۱۵۵

کیا گیا ہے، میں اپنے اور تمہارے باپ اور اپنے اور تمہارے معبود کے پاس جانے والا ہوں اور انھوں نے فرمایا جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے باپ جو آسمان میں ہے، 'قدوس تیرا نام ہے،' ہمیں فلاں فلاں نصیب عطا کر، اسی طرح روح القدس کے حلول کرنے کا تذکرہ صرف حضرت مسیح ہی کے بارے میں نہیں آتا بلکہ اور انسانوں کے بارے میں بھی آتا ہے:

غرض انھوں نے مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ جن الفاظ سے نصاریٰ حضرت مسیح کی انبیت، حلول و اتحاد اور الوہیت کے لئے استدلال کرتے ہیں، وہ الفاظ تورات و انجیل میں کبریات و مرات غیر مسیح کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، اور وہ سب کنایات، مجازات و محاورات ہیں، آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

• خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ پیشین گوئیوں اور تورات و انجیل و زبور عیسیٰ آسمانی کتابوں کا دوسرے انبیاء کی پیشین گوئیوں میں کوئی بات ایسی نہیں کی گئی ہے جس سے حضرت مسیح کے متعلق خصوصیت سے یہ ثابت ہو کہ ان کو الوہیت کا اتحاد و حلول حاصل تھا، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، ان کی خصوصیت بس اتنی ہی بیان کی گئی ہے جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں بیان کر دی ہے: **إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَ اللَّهُ قَلْبَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَقُلَّحَ قَلْبَهَا** واقعہ یہ ہے کہ انبیاء کے صحف سابقہ اور تمام پیشین گوئیاں اس کے بالکل مطابق ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی اور ان میں سے ایک سے دوسرے کی تصدیق ہوتی ہے، عیسائی بالآخر جن الفاظ سے حضرت مسیح کی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں، یہ تمام الفاظ و کلمات حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے متعلق بھی آئے ہیں تو حضرت مسیح کو الوہیت کے ساتھ مخصوص کرنے پر اصل بات ہے، مثلاً ابن مسیح، روح القدس کا آپ میں حلول کرنا یا آپ کو الہ کے لفظ سے یاد کرنا یا آپ کے اندر رب کا ظہور یا حلول کرنا، یا ساکن ہونا یا اس کی جگہ پر ساکن ہونا

۱۔ اجواب الصبح حصہ سوم ۱۸۹۱ء ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اجواب الصبح حصہ دوم ص ۱۱۹-۱۳۲

یہ سب الفاظ دوسروں کے لئے بھی موجود ہیں اور اس سے وہ ثابت نہیں ہوتے۔
 مسیحی کبھی ان مقولات سے ہٹ کر اقا نیم و حلول و اتحاد عقلی بحث کرتے ہیں اور اس کو ایک فلسفیانہ
 یا متصوفانہ بحث بنا دیتے ہیں امام ابن تیمیہ نے اس پر خالص اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے سیر حاصل بحث
 کی ہے چونکہ یہ ان کا خاص موضوع ہے اور علم کلام و عقائد اور وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں وہ اس پر بار بار
 بحث کر چکے ہیں اس لئے وہ دل کھول کر اس پر بحث کرتے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ بالکل خلاف
 عقل باتیں ہیں اور ایک خود ساختہ فلسفہ ہے جس کا حقائق و مقولات سے کوئی تعلق نہیں۔

منافی عقل باتیں

جب عقل حثیت سے عیسائیوں پر گرفت کی جاتی ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ
 بالکل خلاف عقل اور ناقابل فہم عقیدہ ہے اور عام انسانی عقل اس کی تائید نہیں کرتی تو وہ پھر مقولات
 کی طرف پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا جامعے آسمانی کتابوں میں اسی طرح سے آیا ہے اور یہ امور و عقائد
 عقل و قیاس سے بالاتر حقیقتیں ہیں جن میں ایمان و تقلید ہی سے کام لینا پڑتا ہے اس کو عقلی حثیت سے
 سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے امام ابن تیمیہ اول تو اسی بات سے انکار کرتے ہیں کہ عقائد
 و تعلیمات آسمانی کتابوں میں آئی ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں ان کے خلاف تعلیمات ہیں پھر
 وہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک وہ جو عقلی حثیت سے محال یا د باطل ہے اور سب جانتے ہیں
 کہ وہ چیزیں ناممکن ہیں اور ایک وہ جس سے عقل قاصر ہے وہ اس کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتی اور
 اس میں نفی و اثبات کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتی وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور
 کلام میں صرف دوسری قسم پائی جاتی ہے گویا ان کے کلام میں مخالف عقل چیزیں نہیں ہیں اور اے عقل

ماہنامہ اشاعتی ص ۱۹۰-۱۹۱ ملاحظہ ہو بحوالہ تصحیح حصہ سوم ص ۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱

چیزیں ہیں اور مخالف عقل اور رائے عقل میں بڑا فرق ہے، وہ لکھتے ہیں:-

لا یميزون بین ما یجلیہ العقل ویبطلہ
وہی علمانہ معتنع و بین ما یجزعہ العقل
فلا یعرفہ ولا یعلم فیہ بنفی ولا اثبات
وان الوصل اخبرت بالنوع الثانی ولا
یجوز ان تمخیر بالنوع الاول فلم یفرقا
بین محالات العقول ومحالات العقول
وقد ضاهوا فی ظلمہ من قبلہم من
المشکین الذین جعلوا لله ولدا و
شریکاً

یہ عیالی علماء ان چیزوں میں جن کو عقل بحال بتلاتی
ہے اور باطل ٹھہراتی ہے اور ان سے معلوم ہے کہ وہ
معتنع ہیں اور ان چیزوں میں جن کے بارے میں عقل
عاجز ہے وہ اس کی حقیقت نہیں معلوم کر سکتی اور
نفی و اثبات کا فیصلہ نہیں کر سکتی، کچھ فرق نہیں کرتے
حالانکہ انبیاء نے صرت دوسری قسم کا اطلاع دیا ہے
پہلی قسم کا اطلاع ان کے کلام میں ممکن نہیں ہے، یہ تو
علم محالات ہیں اور ان مسائل و حقائق میں جن میں
عقل سرگماں ہو جاتا ہے، تیسرے قسم کے،
انہوں نے اس بارہ میں مشرکین کا مقابلہ کیا ہے،
جنہوں نے اللہ کے لئے بیٹا اور شریک ٹھہرایا۔

وہ بڑے شدد و مد سے ثابت کرتے ہیں اور ان کی تمام کتابیں اس بیان سے بھری ہوئی ہیں کہ وہ
صحیح عقل صریح کے خلاف نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں اس مقابلہ پر دو جماعتوں نے غور کر رکھا ہے، بعض لوگوں نے
معقولات میں ریا غلو کیا کہ جو معقول نہیں تھا، اس کو بھی معقول بنا دیا، اور اس کو حیات اور انبیاء کے
نصوص پر ترجیح دی، ایک گروہ نے یہ بے اعتدائی کی کہ صریح معقولات کو رد کر دیا اور اپنے خیالی سمیٹا
اور حیات کو ان پر مقدم رکھا، یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک حق دوسرے حق کا مخالف اور کتنا
نہیں ہوتا، بلکہ ان میں سے ایک کی دوسرے سے تصدیق ہوتی ہے، بخلاف باطل کے کہ وہ مختلف

لہ جواب الصبح حصہ دوم ص ۵۹

اور متناقض ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مخالفین انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَالشَّعَاءُ ذَاتِ الْعُلُكِ ۝ إِنَّكُمْ تَقْتُلُونَ
آسمان جالی دانک قسم ہے البتہ تم پیڑیاں میں

لْمُخْتَلِفِ ۝ يُؤَفِّكُ عَنْهُ مِنَ الْفَلَاحِ ۝
پڑے ہوئے ہو قرآن سے وہی روکا جاتا ہے

(الناریات۔ ۹۸، ۹۹) جو ازل سے گمراہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو چیز عقل صریح سے ثابت ہو جائے، اس کی مخالفت نہ تو خبر صحیح ہوتی ہے،
حس صحیح اور جو چیز نقل صحیح سے ثابت ہو جائے، اس کی معارض نہ عقل ہوتی ہے، نہ جس اسی طرح
جو چیز حس صحیح سے معلوم ہو جائے اس کے مناقض نہ خبر ہوتی ہے نہ معقول۔

اور یہی عیسائیت اور اسلام کا فرق ہے کہ اسلام میں عقل و نقل کی پوری مطابقت ہے اس میں
قائل غیبیہ ضرور ہیں جو اورائے عقل ہیں، لیکن مخالف عقل نہیں، بخلاف مسیحیت کے جس میں بہت سے
سائل اور عقائد مخالف عقل ہیں، اور بہت سے مسیحی علماء بھی ان کو مخالف عقل مانتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ
پروردگار عقل کے بعد کی چیزیں ہیں، اور ان کو آنکھ بند کر کے ماننا ہی پڑے گا۔

نوحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل مسیحی علماء

اس کتاب میں امام ابن تیمیہ نے ایک بڑا مفید کام یہ کر دیا ہے کہ ان علماء مسیحیت اور پیشوایان مذاہب
مختلفہ احوال اور ان کا کلام نقل کر دیا ہے، جو نوحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل تھے، لیکن ان کو مختلف
باب کی بنا پر مسیحی دنیا میں قبول عام حاصل نہ ہو سکا، اس سلسلہ میں انھوں نے فرق نصاریٰ کی تفصیل
مختلف مذہب کا تذکرہ اور اس کی تشریح کی ہے، جس سے ان کی گہری واقفیت، وسیع مطالعہ اور باریک بینی
ظاہر ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک نو مسلم عالم حسن بن ایوب کا ایک طویل رسالہ نقل کر دیا ہے،

مباحثات المسیح حدیث سوم ص ۱۳۳

جس میں اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے اسباب اور دین اسلام کی ترجیح کے دلائل تفصیل سے نقل کیے ہیں یہ رسالہ گرانقدر معلومات پر مشتمل ہے۔

تورات و صحف سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

اس سب سے فارغ ہو کر امام ابن تیمیہ نے وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں نقل کی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اطلاع اور بعثت کی خبر دی گئی ہے ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے تذکرے میں خواہ بڑے استقصاء اور استیعاب کے کام لیا ہے اور اشعیاء نبی، حقوق، دانیال اور حضرت یسح کے کلام سے وہ تمام جملے اور عبارتیں نقل کر دی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اس سلسلہ میں جتنا مواد اس کتاب میں آگیا ہے وہ مشکل سے کسی اور کتاب میں مل سکتا ہے انھوں نے ان پیشین گوئیوں کی تشریح بھی کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔

ان پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی انجیل یوحنا کی پیشین گوئی ہے کہ حضرت یسح نے فرمایا کہ ان اربعہ ارکان العالمیاتی ولیس لی شئی (ارکان کے معنی عبرانی میں عظیم الشان اور جلیل القدر کے ہیں اور عطاء و اکرام کو اراکنہ کہتے ہیں) امام ابن تیمیہ یہ ثابت کرتے ہوئے کہ اس پیشین گوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لکھتے ہیں۔

تمام اہل زمین کا اس پر اتفاق ہے اور یہ بات بالکل برہنہ اور یقینی ہے کہ حضرت یسح کے بعد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی تھی جن کی باطنی اور ظاہری ریاست تمام عالم پر قائم ہوئی مگر ان اجسام ان کے فرمانبردار تھے اور اپنی زندگی اور اپنی وفات کے بعد تمام نانون میں اور مشرق و مغرب کے تمام اقوالیم معتدلیں آپ کی ظاہر اور باطنی اطاعت کی گئی بادشاہوں کی صرف ظاہری

لے غلط ہو حصہ دوم ص ۱۱۱ تا حصہ سوم ص ۱۱۲ حصہ سوم ص ۱۱۳ تا حصہ چارم ص ۱۱۴

طور پر اطاعت کی جاتی ہے اور موت کے بعد کوئی ان کی فرمانبرداری نہیں کرتا، اور اہل مذہب کے ان کی ایسی اطاعت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جس سے کہ ان کو آخرت میں اجر کی امید اور سزا کا خوف ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی یہی شان ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین کے دین کو ظاہر کیا، ان کی تصدیق فرمائی ان کے نام کا چرچا کیا، اور ان کا مرتبہ بلند کیا، آپ ہی کی بدولت وہ بڑی قومیں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء اور مرسلین پر ایمان لائیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ان پر ایمان نہ لائیں اہل کتاب ان میں سے جن کے نام سے آشنا بھی تھے ان کے بارے میں بھی ان کو اختلاف تھا، وہ حضرت داؤد سلیمان وغیرہ پر اعتراض کرتے تھے اور ان پر طعن کرتے تھے، ان کے علاوہ اور بہت سے پیغمبر مثلاً ہود، صالح، شعیب وغیرہ ہیں جن کو جانتے بھی نہ تھے!

معجزات و دلائل نبوت

اس سے فارغ ہونے کے بعد امام ابن تیمیہ نے معجزات نبوی (حن کے متعلق ان کو اصرار ہے کہ آیات کا لفظ اصل قرآنی اصطلاح اور زیادہ صحیح تعبیر ہے) کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنی عادت کے موافق اس سلسلہ میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے جو آسانی کے ساتھ ایک جگہ نہیں مل سکتا، اس سلسلہ میں معجزات کی تعریف ان کے ثبوت کا طریقہ اور بہت سے اصولی اور کلامی مباحث اور لطیف نکتے آگئے ہیں۔

ان معجزات و آیات کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے صرف ان ہی مشہور و معروف معجزات پر اکتفا نہیں کیا ہے جو عام طور پر سیرت و کلام کی کتابوں میں ذکر ہوتے چلے آ رہے ہیں، بلکہ آیات و دلائل نبوت کے دائرہ کو اتنا وسیع کیا ہے کہ اس میں آپ کی پوری سیرت و شمائل کو شامل کر لیا ہے جو نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور

اہل انصاف اور اہل نظر کے لئے نبوتِ محمدی پر سب سے بڑی حجت اور برہان ہے گویا وہ مولانا روم سے اس بات پر اتفاق کرتے ہیں۔

دردِ ہر کس کہ دانشِ رامزہ است
روئے و آوازِ پیمبرِ معجزہ است

اس سلسلہ میں انھوں نے سیرت و شمائلِ نبوی کا بہت اچھا خلاصہ پیش کر دیا ہے، وہ اس دائرہ میں اود و سعت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کے اخلاق اور اقوال و افعال بھی آپ کا معجزہ ہیں آپ کی شریعت بھی آپ کا ایک مستقل معجزہ ہے، اور آپ کی امت اور آپ کی امت کا علم اور ان کی دینداری اور زندگی بھی آپ کا ایک معجزہ ہے، اور آپ کی امت کے صاحبین کی کرامات بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔

اسلامی انقلاب اور امتِ محمدی مستقل معجزہ ہے

پھر حیاتِ طیبہ کا ایک خلاصہ پیش کرنے کے بعد جس کو پڑھ کر یہ اذعان پیدا ہو جاتا ہے کہ آپ پیغمبرِ صادق و مؤید من اللہ اور رسولِ برحق تھے، لکھتے ہیں:-

• اسلام کی دعوت تمام سرزمینِ عرب پر چھا گئی وہ اس سے پیشتر جو لوگ مشرک و کافر تھے ان کی اصلاح، خالق کے انکار اور مخلوق کی اطاعت، خونریزی اور قطع رحمی سے منور تھے، ان کے کواکبِ کائنات کا علم، زندگی بعد موت کا ہوش، یہ جاہل و کندہ، اناراش آپ کی تعلیم کے فیض سے رونے زمین کے سب سے بڑے عالم سے بڑے دیندار سب سے بڑے عابد اور سب سے بڑے فاضل بن گئے، عیسائیوں نے ان سے کہا کہ اگر ان کو جنت ملیں دیکھا تو انھوں نے کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ یہ سچ کے عبادی ان لوگوں سے افضل نہ تھے یہ ان کے علم اور عمل کی

۱۔ ملاحظہ ہو حصہ چہارم ص ۲۷ تا ۲۹ ۲۔ حصہ چہارم ص ۲۹

یاد گاریں ہیں، جو تمام دنیا میں روشن و درخشاں ہیں، ان کے مقابلہ میں دوسری قوموں کی یاد گاریں، اور آثار دیکھو! اہل عقل کو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے!

آپ کی امت ہر فضیلت میں تمام امتوں سے زیادہ مکمل ہے، اگر تمام دنیا کی قوموں کے علم کا ان کے علم سے مقابلہ کیا جائے تو ان کے علم کی برتری ثابت ہوگی، اگر ان کے دین و عبادت اور طاعت الہی کو ان کے دین و عبادت و طاعت الہی کے مقابلہ میں لایا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ دیندار ہیں، اگر شجاعت و جہاد فی سبیل اللہ، الشہداء، الشہداء کے راستہ میں صبر علی المکارہ اور جفاکشی کو دیکھا جائے تو ان کا پتہ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے، اگر سخاوت و انفاق اور فراخ دلی اور بلند جوہر صلی کو دیکھا جائے تو ان ہی میں زیادہ سخاوت و کرم نظر آتا ہے، یہ تمام فضائل و کمالات اخلاق ان مسلمانوں کو آپ ہی سے حاصل ہوئے اور آپ ہی کی ذات سے انہوں نے اخذ کئے اور آپ ہی نے ان کو ان کا حکم دیا، آپ کی بعثت و نبوت پہلے کسی کتاب کے پیروں تھے جس کی آپ نے تکمیل فرمائی ہوتی جیسے کہ حضرت مسیح توہرات کی شریعت کی تکمیل کے لئے تشریف لائے تو حضرت مسیح کے پیروں کے فضائل و علوم کچھ توہرات سے اخذ کئے، کچھ زبور سے، کچھ اور تعلیمات انبیاء سے اور کچھ حضرت مسیح سے اور کچھ حصہ حارلوں کے بعد بعض دوسری تعلیموں اور فلاسفہ و غیرہ کے کلام سے اخذ ہیں، لیکن امت محمدی میں آپ سے پہلے کسی کتاب و دھرم و تہذیب نہ کسی نبی کی تعلیم تھی بلکہ ان میں سے اکثر تو موسیٰ و عیسیٰ اور داؤد اور تورات اور زبور پر بھی آپ ہی کے ذریعہ سے ایمان لائے آپ ہی نے ان کو تمام انبیاء پر ایمان لانے اور تمام کتب منزل کے اقرا کا حکم دیا اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے کی ممانعت کی!

شریعت محمدی کا اعجاز

شریعت محمدی کی کاملیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

آپ کی شریعت مکمل ترین شریعت ہے، کوئی ایسی معقول اور بھلی بات نہیں جو عقلی طور پر معقول و متعین ہو، اور آپ نے حکم نہ دیا ہو اور کوئی ایسی نامناسب اور قبیح بات نہیں جس کو عقل نامناسب اور قبیح سمجھتی ہو اور آپ نے اس سے نہ روکا ہو، آپ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جس کے متعلق آج یہ کہنے کا موقع ہو کہ کاش آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کسی ایسی چیز کی ممانعت کی کہ آج یہ کہا جاسکے کہ کاش آپ اس کی ممانعت نہ کرتے، آپ نے تمام پاکیزہ صاف ستھری چیزوں کو حلال کیا اور ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں کیا، جیسا کہ بعض شریعتوں میں حرام کیا گیا تھا، اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کیا، ان میں سے کسی چیز کو حلال نہیں کیا جیسے کہ بعض شریعتوں میں حلال ہوئیں، دنیا کی تمام قوموں کے پاس ملتی خوبیاں اور محاسن ہیں، اس شریعت میں وہ سب جمع ہیں، تورات و انجیل و زبور میں اور اس کے فرشتوں اور لوہم آخرت کے متعلق جو اطلاعات ہیں، وہ مکمل ترین طریقہ پر قرآن میں اور آپ کی شریعت میں آگئی ہیں، اور کچھ ایسی چیزوں کی بھی اطلاع دی گئی ہے، جن کا ان کتابوں میں تذکرہ نہیں، ان کتابوں میں عدل کی ضرورت، صحیح فیصلہ، فضائل کی دعوت اور حسنات کا پوکھ ترغیب آئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اس پر اضافہ کیا، اگر کوئی معقلانہ عبادت کے بارے میں غور کرے گا، جو اسلام میں شروع میں اور دوسری قوموں کی عبادتوں پر بھی غور کرے گا، تو اسلامی عبادات کی برتری اور فوقیت ظاہر ہوگی، یہی حال تمام حدود و احکام اور شریعت کے مسائل و قوانین کا ہے۔

اس سلسلہ میں انھوں نے عبادات کا مقصد اور اس کے بارے میں مختلف گروہوں کے مذاہب اور نقطہ نظر کا ذکر کرنے کے بعد اسلامی عبادات کے مقاصد و اسرار اور فوائد و آثار پر پوری حکیمانہ بحث کی ہے، پھر ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدق و عدل کا نمونہ، کامل تھے، اللہ آپ کے خلفائے راشدین

۱۰۰ بیضا ۱۰۰

۱۰۰ ابواب صحیح حدیث

اور صحابہ کرام نے اپنی زندگی اور حکومت و خلافت اور معاملہ و سیاست میں اس صدق و عدل کا اظہار کیا اور ایسے زہد و ورع کی زندگی گزاری جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

نبوتِ محمدی کا اقرار ہر مقرر نبوت کے لئے ضروری ہے

امام ابن تیمیہ بڑے واضح اور مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبوت کے مفہوم سے آشنا نبوت کا قائل اور کسی ایک نبی کا بھی کلمہ گو ہے اس کے لئے نبوتِ محمدی کا انکار ممکن نہیں، اس لئے کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے جو بھی دلائل اور ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں انہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ان انبیاء کی نبوت معجزات سے ثابت ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کہیں زیادہ عظیم اور ایسے تو اترے ثابت ہیں جس تو اترے کسی نبی کا معجزہ ثابت نہیں، اسی طرح آپ کی لائی ہوئی کتاب دوسرے صحیفوں سے زیادہ مکمل آپ کی امت دوسرے پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ بہتر و برتر آپ کے دین کے احکام و قوانین فائق و اعلیٰ ہیں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب سے تمام نبوتوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور کسی ایک کا ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے ثبوت پر اصرار کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی فن کے علماء کی عظمت و امامت کا اقرار کیا جائے اور اس فن کے اتاذ الاساتذہ اور امام الائمہ کا انکار کیا جائے، وہ اس کی متعدد دھچپ مثالیں دیتے ہیں، فرماتے ہیں:-

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے زقرآن القاسم، مرئی اور اترم تو بڑے فقیہ تھے، لیکن ابوحنیفہ، شافعی اور مالک فقیر نہیں تھے، یا کوئی شخص کہے کہ اخفش ابن الانباری اور ربیعہ تو ضرور نحوی تھے، لیکن خلیل سیبویہ اور فرخو نحوی نہیں تھے، یا کہے کہ لکھنوی اور سبکی وغیرہ طب کے مصنفین تو بیشک اطباء تھے، لیکن

۱۔ ابواب الصحیح ص ۱۱۱ ۲۔ الفیاض الاول ص ۱۳۱ ۳۔ یہ آثار اربعہ کے تلامذہ اودان کی فقہ کے مرتبین میں یہ مشہور علمائے خود لغت ۴۔ مشہور آثار خود۔

بقراہ و جالینوس وغیرہ طبیب نہیں تھے، یا کہے کہ کوشیار اور خلفی تو علم ہیئت سے واقف تھے، لیکن
 بطلمیوس وغیرہ کو ہیئت کا کوئی علم نہیں تھا، یا کوئی کہے کہ داؤد سلیمان و یحییٰ و عاقص اور دانیال تو
 ضرور پیغمبر تھے اور محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں تھے، اس شخص کا تناقض اور اس کے
 قول کی نامعقولیت اوپر کے تمام اقوال سے زیادہ روشن ہے، بلکہ جو شخص یہ کہے کہ موسیٰ عیسیٰ علیہما السلام
 تو بیشک اللہ کے رسول اور تورات و انجیل تو ضرور آسمانی کتابیں تھیں، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
 رسول نہیں، اور قرآن آسمانی کتاب نہیں، جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور آیت
 سے پہلے آئے ہوئے ادیان و صحف پر غور کرے گا، اور اس کو نبوت محمدی کے دلائل و آیات اور
 انبیائے سابقین کی نبوت کے دلائل و آیات اور شرع محمدی اور شرائع سابقہ پر غور کرنے کا
 موقع ملے گا وہ اس قول کو بالکل باطل اور مہمل سمجھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

آخر میں مسیحیوں کے اس دعویٰ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب
 میں سب سے پہلے جگہ دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب جاہلیت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور
 انہی لوگوں سے ایمان کا مطالبہ تھا، اور یہی آپ پر ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں ہیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو
 ان سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہ عقیدہ اس زمانہ کے عرب عیسائیوں اور یہی علماء میں بھی پایا جاتا ہے
 خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی کچھ دنوں سے بعض حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا ہے کہ ادیان
 سابقہ کی مکمل پیروی نجات کے لئے کافی ہے، نبوت محمدی پر ایمان لانا ایک مکمل و صادق سیما یہودی
 یا غیر مسلم کے لئے ضروری نہیں، چونکہ یہ عقیدہ اسلام کی دعوت عامہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

لے ابواب الصبح حصہ اول ص ۱۸۱

۱۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ" (پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مخصوص بھیجے جاتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللَّهِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا الَّذِیْ لَهُ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جس کی آسمانوں اور زمین پر سلطنت ہے) نیز ارشاد ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا قَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا" (ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر) قرآن مجید کی جن آیتوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ مشرکین اور بت پرستوں اور تمام انسانوں اور جنات کو دعوت دی گئی ہے ان کا بڑی مشکل و تکلف ہی سے شمار ہو سکتا ہے یہ ایک بدیہی اور یقینی مسئلہ اور اسلامی عقیدہ ہے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے خود عربوں کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے مبعوث ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کے واقعات یہ آپ کے سفراء اور داعیان اسلام کے حالات ہیں یہ یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے علاوہ مشرکین کے) جہاد کے تذکرے ہیں اور یہ آپ کی سیرت ہمارے سامنے ہے پھر وہ کتاب مقدس جو تو اترے آپ سے ہم تک پہنچی ہے اس میں جا بجا اہل کتاب کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے!

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان دلائل سے کئی گنا دلائل ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے خود اس بات کی اطلاع دی کہ آپ نصاریٰ اور دوسرے اہل کتاب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور یہ کہ آپ نے ان کو دعوت دی ان سے جہاد کیا، اور ان کو دعوت دینے اور ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا، اور یہ کوئی ایسا فعل نہیں جو آپ کی امت آپ کے بعد اپنی طرف سے کیا ہو، اور اس کی کوئی زندہ ہو جیسے کہ عیسائیوں کی حضرت یسوع کے بعد ہیبت نئے کام کئے، اس لئے کہ مسلمان کسی کے لئے بھی اس کو جائز نہیں قرار دیتے کہ وہ آپ کے بعد آپ کی شریعت میں تغیر کرے اور کسی حرام فعل کو حلال اور کسی حلال کو حرام بتائے ان کے نزدیک امت میں کسی کو کسی غیر واجب اور کسی واجب کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں ان کے نزدیک حلال وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حلال کیا، اور حرام وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا، اور دین وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے مشروع کیا۔“

رد شیعیت

یوں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں شیعیت کا جابجا رد کیا ہے اور سنت و عقائد اہل سنت، خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی طرف سے پرزور مدافعت کی ہے لیکن رد شیعیت میں ان کی ایک ہی مستقل اور منفرد تصنیف منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریہ ہے اس تصنیف کی تحریر تقریباً بیسویں صدی کے ایک معاصر شیعہ عالم ابن المظہر احمادی نے اپنے ولی نعمت اور مخدوم تاجاری بادشاہ اولیما خدا بندہ خاں کے لئے جس نے عالم مذکورہ کی تبلیغ و تحریک سے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا ایک ضخیم کتاب اثبات شیعیت و امامت و رد شیعیت و خلافت میں منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامارۃ کے نام سے لکھی

لے بجواب الصحیح حصہ اول ص ۱۱۸

یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ شام پہنچی اور شیخ الاسلام کے مطالعہ میں بھی آئی، شیعوں کو اس کتاب پر بڑا ناز تھا، وہ اس کو ناقابلِ تردید اور لا جواب تصنیف سمجھتے تھے، اس کتاب کا بڑا حصہ حضرت علی کرم الشروہ اور اہل بیت کی امامت و عصمت کے ثبوت اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تردید اور ان کے اور صحابہ کرام کے مطاعن پر مشتمل تھی، سیدنا علیؑ اور ائمہ اثنا عشر کے فضائل اور ان کی امامت و عصمت کو آیات و نصوص قرآنی اور احادیث و روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اسی طرح سے خلفائے ثلاثہ و صحابہ کرام کے مطاعن کو آیات و احادیث اور تاریخ و سیر سے ثابت کیا گیا تھا، اور مصنف نے اپنی ذہانت، قوت استدلال اور علمی تبحر کا پورا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی، اور اپنے نزدیک اہل سنت پر اتمامِ حجت کیا تھا، مصنف چونکہ عام متاخرین شیعہ کی طرح اصول و عقائد میں معتزلی العقیدہ ہے، اس لئے ذات و صفات اور اہل سنت کے اصول و عقائد پر بھی تنکنا اور فلسفیانہ بحث کی ہے، اہل سنت نے امام ابن تیمیہ سے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا، چونکہ اس کتاب میں علم کلام، عقائد، فلسفہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، اور آثار کے بکثرت مباحث آگئے تھے، اس لئے اس کتاب کا جواب دینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا، جو ان تمام علوم و مضامین پر نہایت وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو، اور ان علوم کا صاحبِ نظر و بھری و نقاد ہو، اور چونکہ بدقسمتی سے شیعہ مصنفین احادیث کے وضع کرنے میں اور ان کا غلط حوالہ دینے میں نہایت مشاق اور جری واقع ہوئے ہیں، ان حدیث نے اتنی وسعت اختیار کر لی تھی، اور اس کے اتنے مجوے اور دفاتر تیار ہو گئے تھے، کہ ان سب میں ان احادیث و روایات کی چھان بین کرنا اور جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے اصول پر ان کو جانچنا نہایت دشوار کام تھا، اس لئے یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا تھا جس کو حدیث و رجال کے ذخیرہ پر پورا عبور ہو، اور حدیث کے کتب خانہ کا ایک ایک ورق اس کے سامنے ہو، اور کسی روایت کی راوی اور کسی حوالہ کے بارے میں اس کو دھوکا نہ دیا جاسکے، اسی کے ساتھ تاریخ اسلام پر بھی اس کی ایسی نظر ہو کہ وہ ایک نظر میں مصنف کی تاریخی غلطی پکڑ لے، اور کوئی غلط بیانی یا فرضی روایت اس کے سامنے چل نہ سکے۔

یہ بات مسلم ہے کہ کسی تاریخی شخصیت پر اعتراض کرنا اور اس میں عیب نکالنا تاریخ کے وسیع ذخیرہ میں آسان ہے، لیکن صفائی پیش کرنا اور مدافعت کرنا مشکل ہے اور مطاعن صحابہ اہل تشیع کا پسندیدہ موضوع اور ان کی جولانی طبع کا خاص میدان ہے، علم دین کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کے زمانہ تصنیف ہی میں ایک ایسے عالم اہل سنت نے اس کے جواب کی طرف توجہ کی جو اپنے زمانہ کا امیر المؤمنین فی الحدیث تھا جس کی آنکھوں کے سامنے حدیث و رجال کا پورا کتب خانہ کھلا ہوا تھا، اور اس کے متعلق اہل نظر کا مقولہ ہے کہ جس حدیث کو امام ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں انھوں نے مطاعن صحابہ کے باب میں امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا اور وہ کام کر دیا جو ان کے زمانہ کے بعد کسی دوسرے عالم کے لئے بہت مشکل تھا، اس باب میں ان کے بعد کے تمام علماء ان ہی کے خوشہ چیں ہیں گے۔ ابن المطہر الحلی کی کتاب منہاج الکرامۃ کے جواب میں انھوں نے منہاج السنۃ کے نام سے جو کتاب لکھی وہ ان کی تمام تصانیف میں یکا امتیازی شان رکھتی ہے، ابن تیمیہ کے علمی تجر و وسعت نظر حاضر دماغی حفظ و استحضار پختگی اور اتقان اور ذہانت و طباعی کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہو تو اس کتاب کو دیکھنا چاہئے، منہاج الکرامۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد جہان کے علم و محبت دینی کو جوش آتا ہے اور ان کے علم کے سنڈ میں طوفان اٹھتا ہے اور تفسیر و حدیث تاریخ و سیر کے معلومات کا لشکر امداد ہے تو بے اختیار ان کے فریق مقابل سے کہنے کو جی چاہتا ہے کہ یَا أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا مَسْجِدَكُمْ لَا يُحِيطُ بِكُمْ سُبْحَانَ وَبِحَمْدِهِ لَا تَأْتُوا بِلَاہُتُمْ وَلَا شُرُوفِهِ۔

کتاب کا محرک اور اندرونی باعث

امام ابن تیمیہ کے لئے اس کتاب (منہاج السنۃ) کی تصنیف کا اصل محرک اور اندرونی باعث یہ ہے کہ کتاب بڑے سائز کی چار جلدوں میں ہے کتاب کے مجموعی صفحات ۱۲۱۴ میں ۳۲۲ میں شیخ مصطفیٰ ابوالابی علی کے اہتمام میں مطبعہ امیر مصر میں شائع ہوئی، علامہ ذہبی نے اس کا خلاصہ المنتقى کے نام سے کیا تھا حال میں وہ شیخ محمد نصیب کی توجہ اور عالی ہمتی سے اور استاد محب الدین الخطیب کے اہتمام سے مصر میں شائع ہوا ہے۔ ۱۸۰

یہ ہے کہ مصنف منہاج الکرامہؒ نے خلفائے راشدین اور سابقین اولین پر جو امام ابن تیمیہ اور اہل سنت کے عقیدہ میں انبیاء کرام کے بعد افضل خلایق اور صالح ترین افراد انسانی ہیں، عایانہ اور یوقیانہ طریقہ پر زبان طعن درازی اور ان کو شرار خلق اور ارذل مخلوقات ثابت کیا، اور یہ بات ان کے نزدیک اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے اور نبوت محمدی پر اعتراض و طعن اور اتحاد و زندہ کا دروازہ کھولنے کے مراد ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اگر اس شکر حد سے بڑھنے والے شخص نے ان لوگوں پر دست درازی نہ کی ہوتی جو سرخیل اولیاء اللہ اہل زمین کے سردار و پیشوا اور انبیاء کرام کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، اور دست درازی بھی ایسی جو دین میں رخنہ ڈالتی ہے اور کفار و منافقین کو دلیل اور حجت فراہم کرتی ہے اور بہت سے اہل ایمان کے دلوں میں صحت و شبہ پیدا کرتی ہے تو ہمیں اس شخص کی تنقید و تردید کی اور اس کی قلعی کھولنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اللہ تعالیٰ اس شخص سے اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں سے انصاف کرے۔“

شیعوں کے نزدیک خیر الامم سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں

ایک دوسری جگہ شیعوں کے مطابق اور صحابہ کرام کی تنقیص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”انت محمدی خیر الامم ہے اور اس امت محمدی میں سب سے بہتر قرن اول کے لوگ تھے، قرن اول کے لوگ علم نافع اور عمل صالح میں سب سے اعلیٰ تھے، لیکن ان افسر پر دازوں نے اس کے خلاف نقشہ کش دیا ہے ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کو حق کا علم تھا، اور نہ وہ حق کی پیروی کرتے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر حق کی جان بوجھ کر مخالفت کرتے تھے، جیسے کہ ان کا غلام ثلثہ اور جمہور صحابہ امت کے متعلق بیان ہے اور ان کے نزدیک ان میں سے بہت سے حق سے آشنا نہیں تھے، بلکہ انھوں نے ظالموں کی تقلید کی اس لئے کہ ان کو غور و فکر حاصل نہیں تھا، جو علم تک پہنچ سکے اور جس نے غور و فکر سے کام

نہیں لیا، اس نے خواہش نفسانی یا دنیا طلبی میں کیا ہوگا یا اپنے قصور اور ادراک میں کمی کی وجہ سے ان کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض استحقاقاً اپنے لئے خلافت کے طالب تھے اس سبب یہ لازم آتا ہے کہ امت اپنے نبی کے بعد ساری کی ساری گمراہ تھی اس میں سے کوئی ہدایت کے راستہ پر نہیں تھا، اسی طرح یہود و نصاریٰ (یہودیت و مسیحیت کے نسخ و تبدیلی کے بعد) ان مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے: "وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنٍ آمَنَ وَهُدًى وَنَبَأٌ بَالِغٌ" (اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ یہود و نصاریٰ میں ستر سے زائد فرقے ہو جائیں گے ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا لیکن اگر ان شیعوں کی بات مان لی جائے تو ان مسلمانوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک گروہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا، جو حق پر قائم ہو، اور انصاف کا علمبردار ہو، اور جب ان کے بہترین دور میں بھی ایسا نہیں تھا تو اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہوگا، اس یہ لازم آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نسخ و تبدیلی کے بعد بھی اس امت سے بہتر ہیں، جن کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"۔

شیعوں نے خیار امت کو شرار امت بنا دیا

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"ان شیعوں نے ان اخیار امت کو جو انبیاء و مرسلین کے بعد اولین و آخرین میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے اور جن کی شان میں: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" آیا ہے شرار اناس ثابت کیا، اور ان پر بڑے بڑے قبائح کا الزام لگایا، اور ان کے حسنات کو بھی میثات بنا دیا، اور اس کے بالعابل اسلام

لے الاعراف: ۱۵۹۔ ۱۶۰ ص ۱۵۲

کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں میں جواہل اہوا تھے اور جن سے بڑھ کر جاہل کاذب ظالم کفر و فسق و معاصی سے قریب اور خالق ایمانی سے دور کوئی نہیں ان کو انھوں نے برگزیدہ ترین خلائق ثابت کیا اور اس طرح ساری امت کی تکفیر کی یا اس کو گمراہ ثابت کیا، سوائے اپنی چھوٹی سی ٹولی کے جس کے متعلق ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی برحق ہے۔

ایک مثال

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بھیڑ بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ میں جائے اس سے کہا جائے کہ اس ریوڑ میں سب سے اچھی بھیڑ بکری چھانٹ دو، تاکہ ہم اس کی قربانی کریں، وہ ان میں سے ایک کالی بگڑی لاغر، مرل، بکری چھانٹ دے، جس میں نہ گوشت نہ گودا، اور کہے یہ اس ریوڑ کی سب سے اچھی بکری ہے، اور قربانی اسی کی جائز ہے، باقی جتنی بھیڑ بکریاں ہیں، یہ سب بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، بلکہ سور ہیں، ان کا قتل واجب اور قربانی ناجائز ہے۔

امام شعبی کا قول

وہ امام شعبی کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ روافض کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کے زیادہ مرتبہ شناس اور قدرداں ہیں، یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں انھوں نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور ان کے اصحاب عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون ہے انھوں نے کہا حضرت عیسیٰ کے حواری اور روافض سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بدتر کون ہے انھوں نے کہا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان نیک بختوں کو حکم دیا گیا تھا اصحاب کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا انھوں نے ان کو سب شتم کیا۔

جلد سوم صفحہ ۲۸۹

سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت

”روافض کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ جماعت سلیمین کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود و نصاریٰ اور شرکین کا ساتھ دیتے ہیں اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں ان لوگوں سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو مہاجرین و انصاریں سے سابقین اولین سے عداوت رکھیں اور منافقین و کفار سے دوستی کریں؟“

پھر وہ شیعوں کے کفار کا ساتھ دینے اور ان کی مدد کرنے کے واقعات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”ان میں سے اکثر تیرہ دل سے کفار سے دوستی رکھتے ہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ چنانچہ جب تاتاری مشرق کی طرف سے آئے اور انھوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور خراسان، عراق و شام اور جزیرہ میں ان کے خون کے دریا بہائے تو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے حامی و مددگار تھے اسی طرح جو خیمہ شام و حلب وغیرہ میں تھے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنان اسلام کے بہت زیادہ مدد کرنے والے تھے اسی طرح سے جب عیسائیوں نے شام میں مسلمانوں سے جنگ کی تو روافض ان کی کمک پر تھے اسی طرح اگر یہودیوں کی عراق میں یا کہیں اور حکومت قائم ہو جائے تو یہ روافض ان کے سب سے بڑے مددگار ثابت ہوں گے تو وہ ہمیشہ کفار و شرکین یہود و نصاریٰ کی مدد کے لئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں؟“

تعصب و بے انصافی

ایک جگہ ابن المطہر اکملی نے خواجہ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی تعظیم و تقدیس سے ان کا نام لیا ہے اور شیخنا الامام الاعظم خواجہ نصیر الملتہ و الحق والدین محمد بن الحسن الطوسی قدس الشہ و رحمہ کے الفاظ

۱۰ حصہ دوم ص ۸۳ ۱۱ حصہ دوم ص ۸۴ ۱۲ نہج السنتہ ج ۲ ص ۹۹

ہیں اس پر ابن تیمیہ کی حمیت ایسا ہی کو جوش آگیا ہے، وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے فضاخ اور خلیفہ عباسی بغداد کے قتل عام کے کارنامہ اور ان کے مجدد عقائد و خیالات کا ذکر کرتے ہوئے بڑے تعجب سے لکھتے ہیں:-

”حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ مصنف ابو بکر و عمر و عثمان اور سابقین اولیں اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین اور اہل علم و دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ان کی طرف بڑے بڑے قبائح کا انتساب کرتا ہے اور ان کا یہ مدعی منہ نام نہیں لیتا، اور جس شخص کی اسلام دشمنی عالم آشکار ہے اس کو شیخنا الاعظم اور قدس الشریعہ لکھتا ہے حالانکہ خود یہ ان عقائد پر تکفیر کا فتویٰ دے چکا ہے جن کا یہ شخص (نصیر الدین طوسی) اور اس کے پیرو قائل میں حقیقت میں یہ بے انصاف اس آیت قرآنی کا مصداق ہے۔

الْمَرَّةَ إِلَى الَّذِينَ أَوْلَوْا الصِّيَامِينَ الْكَلْبِ	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ
يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ	حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُودًا أَوْ نَصَارًا أَوْ يَهُودًا أَوْ نَصَارًا	کافروں کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے
أَمَّا سَبِيلُهُ أَوْلِيَاءُ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ	زیادہ راہ راست پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر
اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فْلَنْ يَجِدْكَ	اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت
نَصِيرًا (النساء - ۵۱-۵۲)	کرے تو اس کا کوئی مددگار نہیں۔

یسوع کی بوالعجبیاں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ وہ انبیاء سے نسب تعلق رکھنے والے راہ اصول (روح) یعنی ان کے والدین اور ان کی اولاد کی تو بڑی تعظیم کرتے ہیں لیکن ان کی شریک زندگی اور رفیقہ حیات یوں کی شان میں گستاخی اور طعن و تشنیع کرتے ہیں، یہ سب تعصب و خواہش نفسانی کا کرشمہ ہے چنانچہ حضرت فاطمہ

اور حضرت حسن و حسینؑ کی تو تعظیم کرتے ہیں اور حضرت عائشہ ام المومنینؓ کی توہین اور ان پر اعتراض کرتے ہیں ایک دوسری بوالہبھی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں تو بڑا غلو اور مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں بے ادبی امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

مروافض محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں بڑے غلو سے کام لیتے ہیں اور یہ ان کی قدیم عادت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا ان کی مدح کرتے ہیں، اسی طرح سے جنہوں نے حضرت علیؓ کی معیت میں جنگ کی تھی ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں یہاں تک کہ محمد بن ابی بکرؓ کو ان کے والد حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں طرفہ تماشایہ ہے کہ جو شخص پوری امت میں نبیؐ کے بزرگوار و افضل ہے اس پر تو لعنت کرتے ہیں اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے نہ سبقت نہ فضیلت اس کی مدح کرتے ہیں اور انساب کی تعظیم میں ان سے عجیب قسم کا تضاد و تناقض ظاہر ہوتا ہے۔

صحابہ کرام سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاکی ہے
وہ لکھتے ہیں:-

”دلوں کی سب سے بڑی ناپاکی اور مرض یہ ہے کہ انسان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کھوٹ ہو جو اختیار مومنین اور انبیاءؑ کے کرام کے بعد اولیاء اللہ کے سرگروہ اور سرتاج تھے اسی لئے مال غنیمت (فئی) میں ان ہی لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے، جو مہاجرین و انصار اور سابقین و امین کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعا و استغفار کرتے ہوں:-

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا
اٰفْرِزْنَا وَاٰخِرُنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاٰمَانِ
اور ان کے لئے بھی جو مہاجرین کے بعد آئے دلمانگا
کرتے ہیں کراے پائے بے! ہیں اور پائے ان بھائیوں

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ
بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں
میں ایمان داروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے
اے رب ہمارے! بیشک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
(المحشر: ۱۰)

شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر دوسری طرح کے آدمی طعن کر سکتے ہیں ایک منافق زندیق، اسلام کا دشمن
جس کو ان دونوں پر طعن و اعتراض کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین اسلام پر
اعتراض و طعن مقصود ہوا اور روافض کے معلم اول کا یہی حال تھا، اور ائمہ باطنیہ کا بھی یہی حال
ہے، دوسرے وہ جاہل شخص جو جہالت اور خواہش کی پیروی میں بہت بڑھا ہوا اور شیعوں میں
عوام کا حال یہی ہے، اگر وہ اندر سے مسلمان ہیں:

رسالت پر الزام

میری بات تو اتر سے عوام و خواص کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا، اور ان تینوں حضرات کو آپ کا قرب و اختصا ص حاصل
تھا، اور ان تینوں کے آپ کے ساتھ رشتے ہیں، دو کی صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں تھیں، اور ایک کے
نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں، اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ ان کی خدمت کرتے تھے،
یا ان پر لعنت کرتے تھے، بلکہ معروف یہی ہے کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے، اور ان کی تعریف فرماتے تھے،
اب دو حال سے خالی نہیں یا تو یہاں نا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات

لے منہاج السنہ

کے بعد ظاہر و باطن، صراح، وفادار، سلیم العقیدہ اور صحیح العمل تھے، یا یہ کہ وہ قینوں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد انتقامت پر نہیں تھے، اور (معاذ اللہ) دین سے منحرف تھے، دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ کا یہ تقرب حاصل تھا تو دوسری سے ایک بات ماننی پڑے گی، یا تو آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، یا علم تھا، لیکن آپ معاذ اللہ اہانت کرتے تھے، ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر بڑا دھبہ اور بہت بڑا اعتراض ہے، یہ تو وہی بات ہوگی جو شاعر نے کہی ہے۔

فان كنت لاتدري قتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی زندگی تک تو وہ راہِ راست پر تھے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکا اور ناکامی ہوئی جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعیں دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اخق خواص اس طرح منحرف ہو جائیں گے اور اعتقاد کا تو یہی تقاضا تھا کہ امت کو آپ اس کی خبر دے جاتے، تاکہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا، اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں، حضرت امام مالک نے صحیح فرمایا کہ دراصل روافض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو مطعون کرنا چاہا، تاکہ لوگ کہیں کہ برے آدمی تھے، اس لئے ان کے بڑے ساتھی تھے، مگر اچھے آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے، اسی لئے اہل علم کا قول ہے کہ رخص زندہ تو کی ایک سادش ہے۔

فضائل صحابہ قطعی و متواتر ہیں

امام ابن تیمیہ صحابہ کرام کی عدالت کو اسلام کی ایک ہم بنیاد مانتے ہیں اور ان کو ان کی صداقت و ثقاہت پر بڑا یقین ہے۔ وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحابہ کرام کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب و شاذ حدیث سے مشکوک نہیں ہو سکتے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب کتاب و سنت اور نقل متواتر سے صحابہ کرام کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی مقولات سے رد ہو جائیں، جن میں سے بعض منقطع بعض محرق ہیں اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ یقین، شک سے زائل نہیں ہو کر تا ہم کو کتاب و سنت اور اپنے پیشروں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور عقلی دلائل سے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الخلق تھے، اس یقینی و متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مشتبہ ہیں، یہ جاشیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔“

صحابہ کرام معصوم نہیں تھے

امام ابن تیمیہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم تھے ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن وہ اس کے ضرور قائل ہیں کہ امت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل و خداترس صادق القول، امین اور راست باز تھے، اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو

لے منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۰۰

اس کے مقابلہ میں ان سے ایسے اعمال حسنہ اور خدا و رسولؐ کو راضی کرنے والے کام ہوئے جو ان سیئات کا کفار و
بن گئے اور بہر حال ان کے حسنات اور اعمال کا پلہ ان کی تفصیلات پر بھاری ہے، وہ لکھتے ہیں:-
”ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے
قائل نہیں، یہ جائیکہ خطا و فی الاجتراد کے بھی قائل نہ ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُنْتَفَعُونَ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ
ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۚ يَكْفُرُ اللَّهُ عَنْهُمْ
أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَنَجَّيْنَاهُمْ لِمَجْرَمِهِمْ
يَا خَيْرَ الَّذِينَ كَانُوا ۚ يَسْتَلُوقُ ۙ (السر ۲۵۵)

اور جو کچھ بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پیر گڑھا
ہیں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے اس کے رب کے پاس
موجود ہے، ان کو کاروں کا یہی بدلہ ہے، مگر اللہ ان سے وہ
برائیاں دور کر دے جو انھوں نے کیں اور انھوں کو ان کا
جو حصہ ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو دیا کرتے تھے

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنُ مَعَالٍ
وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنَّا يَتَذَكَّرُ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ
وَقَدْ صَدَّقَ الَّذِي كَانُوا يُوْعَدُونَ
(الاحقاف ۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جو سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں
جو انھوں نے کئے اور ہم انھیں اس میں نجات دلاتے ہیں
انھیں سے ہم کہتے ہیں یہ اس جہنم کے
مقام ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔

صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے
انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام سے بہتر نہ ہو سکتی کہ ان

۱۔ نہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۳۸

کی نظر نہیں آتی، اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، یہ عیب چینیوں کا تصور ہے کہ ان کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا، اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامہ اعمال سیاہ نظر آتا ہے کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”صحابہ کرام اختیار امت ہیں، امت محمدی میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے، جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفرق و اختلاف سے دور ہو، ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات و زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے اور سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی، یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے، اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہو جائیگی، یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنائے یا کوئی معیار جو بزرگ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کر لیتا ہے، ایک شخص ایک وراہیہ امام کا تصور قائم کر لے رہا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا، اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو یا سیاہی ہونا چاہئے اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دیندار صاحب محاسن ہو اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل اعلم ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے، وہ بشریت کے لوازم و خصائص سے پاک ہو، کبھی اس کو غصہ نہ آتا ہو، تو اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں، جو انبیاء و تک کے لئے تجویز نہیں کرتے ہیں۔“

امام ابن تیمیہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہوگی اور اس نے مختلف امتوں، قوموں اور ملتوں کے حالات پڑھے ہوں گے اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہوگا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام سے زیادہ متحضر و حق کا پیروا فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت و دنیا دار کی دور کوئی جماعت نہیں گزری، وہ لکھتے ہیں:-

فمن استقرأ اخبار العالم في جميع الفرق	جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات و واقعات کا
تبين له انه لم يكن قط طائفة اعظم اتفاقاً	اس بات سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا تبصہ کیا ہے وہ
على الهدى والرشد وابتعد عن الفتنه	جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گذر جو ہدایت و رشید پر
والتفرق والاختلاف من اصحاب	صحابہ کرام سے زیادہ مجتمع اور تفرق و اختلاف سے آگے
رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين هم	زیادہ دور ہو ان صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت
خير الخلق بشهادة الله لهم بذلك اذ يقول	دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں وہ فرماتا
تعالى لَكُمْ خَيْرَاتٍ اَخْرَجْتُ النَّاسَ مِنْكُمْ	ہے تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے تم
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَكُمْ مِّنْهُ	نیک حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرام کی برکت ہے

امام ابن تیمیہ یہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے، شعار اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے اور سچ پوچھئے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آرہی ہے وہ سب صحابہ کرام کی جاں فشانیوں، اخلاص و علویت، ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے، امام ابن تیمیہ بڑے

جوش سے لکھتے ہیں:-

واما الخلفاء والصحابۃ فکل خیر فیہ السلام
 الی یوم القیامۃ من الایمان والاسلام والقرآن
 والعلم والمعارف والعبادات ودخول الجنة
 والنجاة من النار وانتصارهم علی الکفار و
 علو کلمۃ اللہ فانما ہو ببرکۃ ما فعلہ العتمة
 الذین یلغوا الذین وجاہدوا فی سبیل اللہ
 وکل مؤمن امن باللہ فللمصحابۃ رضی اللہ
 عنہم علیہ فضل الی یوم القیامۃ وکل خیر فیہ
 الشیعۃ وغیرہم فہو ببرکۃ الصحابۃ وخیر
 الصحابۃ تبع لخییر الخلفاء الراشدین فہم کافوا
 اقوم بکل خیر فی الذین والدنیام سائر الصحابۃ

اس وقت سے کہ قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ
 خیر ہے مثلاً ایمان و اسلام، قرآن، علوم و معارف، عبادت
 دخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ، اللہ کے نام کی
 بلندی، وہ سب صحابہ کرام کی کوششوں کی برکت
 ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے
 راستہ میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا
 اس پر صحابہ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا،
 اور شیعوہ وغیرہ کو بھی جو کچھ خیر حاصل ہے وہ صحابہ کرام
 کی برکت سے اور صحابہ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی
 خیر کی تابع ہے اس لئے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر
 کے ذمہ دار و سر حشر تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت دلیل نبوت و صداقت ہے

امام ابن تیمیہ نے یہ بات بھی بڑے کام کی لکھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی جانشینی و خلافت آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے کمال کی ایک دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رسول برحق تھے اور
 آپ کا مزاج، مزاج نبوت تھا، مزاج سیاست نہ تھا، اور آپ کو دنیا کے بادشاہوں اور سلاطین عالم سے کوئی
 مناسبت نہیں جو ہمیشہ اپنے بیٹے یا اپنے خاندانی آدمی کو اپنا جانشین بناتے ہیں اگر آپ میں بھی معاذ اللہ سلطنت

لہ نہاج السنۃ ص ۲۴۵

اور خاندان پرستی کا کوئی شائبہ ہوتا تو حضرت علیؑ اور عباسؑ کے علاوہ بنی ہاشم کے اور بھی بہت سے افراد تھے جن کو اپنا جانشین بنا کر ایک خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھی جاسکتی تھی اور اس اثر و اقتدار کو جو آپ کو من جانب الشر حاصل تھا، اپنے خاندان میں محفوظ کیا جاسکتا تھا، وہ لکھتے ہیں:-

”یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا کمال ہے اور جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ رسولِ برحق تھے، کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں تھے اس لئے کہ بادشاہوں کی عادتِ قدیمہ ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو ترجیح دیتے ہیں اور انہی کو حکومتیں سپرد کرتے ہیں اور اس سے وہ اپنے نزدیک اپنی سلطنت کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اطراف و نواح کے والیوں اور حکمرانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا بھی یہی دستور ہے بنو بویہ، بنی سلجوق (سلاجقہ) اور مشرق و مغرب اور شام و یمن کے تمام سلاطین و ملوک اپنے ہی عزیزوں کو اور اپنے خاندانی لوگوں کو حکومت حوالہ کرتے ہیں اسی طرح سے عیسائی اور مشرکین بادشاہوں کا بھی یہی معمول ہے، قرنگی بادشاہ اور چنگیز خاں کے خاندان کے بادشاہوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ سلطنت بادشاہ کے خاندان میں باقی رہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ شاہی خاندان میں سے ہے، یہ شاہی خاندان میں سے نہیں ہے، یہ بڑی کا ہے، یہ بڑی کا نہیں ہے، اس بنا پر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی تولیت اور اپنے چچا حضرت عباسؑ اور اپنے چچا زاد بھائی علیؑ، عقیل، ربیعہ ابن امیارت بن عبد المطلب، ابوسفیان بن امیہ بن عبد المطلب وغیرہ کا خلیفہ نہ بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ہی شاہی آئین کے پابند نہیں تھے، ان کے علاوہ بنی عبد شمس میں حضرت عثمان بن عفان، خالد بن سعید بن العاص، ابان بن سعید بن العاص وغیرہ موجود تھے اور بنو عبد مناف کا خاندان قریش میں سب سے جلیل القدر اور نسب میں آپ سے قریب تر تھا، یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں اور وہ کوئی بادشاہ نہیں ہیں، کیونکہ انھوں نے خلافت کے بارہ میں کسی کو محض قرب نسب یا خاندانی شرف کی وجہ سے آگے نہیں کیا،

بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت آپ کے بعد اللہ ہی کی عبادت کرے گی اور اللہ ہی کے حکم پر چلے گی، قومی یا خاندانی یا ذاتی سر بلندی اور علوی الارض اس کا مقصود نہیں، یہاں تک کہ بعض انبیاء کے لئے جس سلطنت کی اجازت دی گئی اس تک کو اختیار نہیں کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ آپ عبد رسول رہیں یا پیغمبر بادشاہ، آپ نے اسی کو اختیار کیا کہ آپ عبد رسول رہیں درحقیقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تولیت اسی کا متمم تھا، اس لئے کہ اگر آپ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بناتے تو ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ نے مال اپنے ورثا کے لئے جمع کیا ہے!

جاہلیت کی نسب پرستی

درحقیقت ان تمام فرقوں میں جو حضرت علیؑ کے وصی ہونے کے مدعی ہیں اور جن کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد کے ہوتے کوئی دوسرا شخص خلیفہ ہو سکتا ہے، جاہلیت کی بو اور اہل جاہلیت کی نسب پرستی کی رگ پائی جاتی ہے جو اس بات کے تصور سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں کہ مناصب و مراتب محض نسب و قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ استعداد و قابلیت اور فضائل پر عطا ہوتے ہیں عرب، ایران، ہندوستان اور اسلام سے پہلے تمام ملکوں کا یہی ذہن اور مزاج تھا جن لوگوں نے یہ فیصلہ صادر کیا، اور قطعی طور پر یہ رائے قائم کر لی کہ حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ ہونا چاہئے تھا، انھوں نے دراصل اپنی قومی عادات اور اپنی طبیعتوں پر قیاس کیا اور انھوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ اور مذاق و مزاج اور ان کا طرز و حوصلہ نہیں سمجھا۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

لے منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۲۷

ہوتا ہے کہ تعصب انسان کو کہاں تک پہنچا سکتا ہے ان آیات میں بیشتر یا تقریباً تمام تر حصہ وہ ہے جس کا اہل بیت سے یا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں یا وہ بھی عامہ مسلمین کے ساتھ شامل ہیں احادیث و روایات میں سے اکثر موضوع ضعیف ہیں اور بقول امام ابن تیمیہ کے "الروایات المسمیة التي لازمام لها ولاخطام" یعنی وہ احادیث جن کا کوئی سرسیر نہیں اس سلسلہ میں شیخ مصنف نے ایسی جرأت و بے باکی سے کام لیا ہے کہ بہت سی احادیث کو صحیحین کی طرف اور بہت سی احادیث کو مسند احمد ابن حنبل کی طرف منسوب کیا ہے اور امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ان کا کہیں صحیحین و مسند میں وجود نہیں بعض احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ احادیث کے کسی مجموعہ اور دواوین اسلام میں کہیں ان کو نہیں دکھایا جاسکتا شیخ چونکہ قرآن و حدیث سے بہت ناواقف ہیں اس لئے وہ معمولی اصطلاحات ہی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات بے تکلف غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

آیات کے سلسلہ میں مصنف نے بڑے بڑے لطیفے کئے ہیں ان کی تفسیر کو دیکھ کر وہ مشہور لطیفہ یاد آجاتا ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا دو دو کتنے ہوتے ہیں اس نے کہا چار روٹیاں مصنف نے چالیس آیتیں لکھی ہیں جو اس کے نزدیک حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئیں یہاں پر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمَسْتُ عَلَيْكُمْ بِنِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا مصنف ابو نعیم کی ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے خطبہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ اکبر علی لکال الدین و اتمام النعمة و رضا التوب بریالتی و بالولاية لعلی من بعدی؟

امام ابن تیمیہ پہلے تو محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث باتفاق اہل فن موضوع ہے اور کتب حدیث میں کسی قابل اعتماد کتاب میں نہیں پائی جاتی پھر مفسرانہ اور مودخانہ طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ صحاح، مسانید اور تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن وقوف کی حالت میں نازل ہوئی ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ ایک آیت آپ کے قرآن میں ایسی ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا کونسی اس نے کہا الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمَسْتُ عَلَيْكُمْ بِنِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ کس دن نازل ہوئی تھی اور کس جگہ نازل ہوئی ہے یہ عرفہ کے دن عرفات میں ایسی حالت میں نازل ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوف میں تھے، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ بات شہرت اور تواثر کو پہنچ گئی ہے اور یہ مسلمانوں کی تمام کتابوں میں موجود ہے یہ یوم جمعہ ۹ ذی الحجہ یوم خم سے ۹ دن پہلے کا واقعہ ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی، دوسرے اس روایت میں یہ الفاظ جو نقل کئے گئے ہیں: **اللَّهُمَّ وَالِ مِنْ وَالِهِ وَعَادِ مِنْ عَادَاتِهِ وَالْأَصْرَمِ** نصہ واخذل من خذله" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر سب اب الدعوات کون ہو سکتا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس دعا کا تحقق ہوتا، لیکن تاریخ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ آیت: **مَرْجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ** بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ سے مراد علی وفاطمة اور بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ سے مراد حسن حسین ہیں امام ابن تیمیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان هذا وامثاله يقول من لا يقل ما	اس طرح کا باتیں نہی کہہ سکتا ہے جو بے کلمات
يقول وهذا بالهذيان اشارة منه بتفسير	کرنے کا مادی ہے اور یہ تفسیر کے بجائے الہی ہے بے ربط
القران وهو من تفسير الملاحة	اور ہل یا تیر ہیں، جیسے وہاں کہتے ہیں عرض کیا زب
والقراطة الباطنية للقران بل هو	نئے نکلے یا اس سے اس کا تفسیر ہے جیسا کہ قرآن
شوم كثير منهم	اور باطنیہ کے مادی ہیں بلکہ یہ اس سے بھی بدتر ہے۔

امام ابن تیمیہ نے پھر اس تفسیر کے غلط ہونے کے چھ وجوہ لکھے ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت سورہ فرقان کی ہے اور وہ بالاتفاق مکی ہے اور حضرت حسن بن علیؓ مدینہ طیبہ میں اس کے نزول کے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں دوسرے اس آیت کی تفسیر سورہ فرقان کی آیت سے ہوتی ہے: **وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ وَهُمَا لَا يَلْتَقِيَانِ**

لہٰذا ترجمہ اس نے دو سمندر ملا دیئے جو باہم ملتے ہیں ان دونوں میں پردہ ہے کہ وہ صاف تہاؤ نہیں کر سکتی (سورہ فرقان: ۱۸-۱۹)

وَهَذَا امْلُحْ الْحَاجَّ" اگر اس سے مراد علی وفاطمہ ہیں تو ان میں سے ایک کو مانع اجاج (کرنا وانگین) قرار دینا پڑے گا۔
 تیسرے اگر بزخ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ مانع و حجاب ہوئے اور یہ مدح نہیں بلکہ ذم ہے۔
 اسی طرح سے یہ صمد عجائب و لطائف سے بھرا ہوا ہے اور شیخ الاسلام نے مفسرانہ اور محدثانہ، فقیہانہ
 و مورخانہ اور ناقدانہ جوابات دیئے ہیں، جو ان کی ذہانت و فور علم اور قوت مناظرہ کا روشن ثبوت ہیں انھوں نے
 تمام دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت و ولایت اور علوم و تربت ایسے صحیح اور
 مسلم طریقوں سے ثابت ہے جس سے یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے ان چیزوں کی موجودگی میں دروغ بانی،
 غلط بیانی اور مشکوک روایات و بیانات کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب کا دوسرا معرکہ الاراحصہ وہ ہے جس میں منہاج الکرامتہ کے اس صمد پر بحث ہے جس میں مصنف نے
 صحابہ کرام پر بالعموم اور تخمین پر بالخصوص اور صدیق اکبرؑ پر بالخصوص مطاعن اور اعتراض جمع کئے ہیں،
 یہ اعتراضات بزعیم مصنف قرآن مجید سے بھی ماخوذ ہیں، احادیث و سیر سے بھی اور تاریخ سے بھی یہ مطاعن
 و اعتراضات اس بات کا ثبوت ہیں کہ عداوت ایک پڑھے لکھے انسان کو بھی کہاں تک لے جاسکتی ہے،
 یہاں پر اس کے صرف دو نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی مشہور آیت جو صدیق اکبرؑ کی خصوصیت کی سب سے بڑی دلیل اور ان کی وہ فضیلت و
 مقبوت ہے جس میں امت کا کوئی فرد ان کا شریک و ہم نہیں وہ یہ آیت ہے "إِنَّمَا تَتَّبِعُونَ خَلْقَهُ تَتَّبِعُونَ اللَّهَ
 ذَا خُرُوجٍ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّمَا اتَّخَذُوا لَكُمْ آيَاتٍ لِّتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَنَا" منہاج الکرامتہ کا
 مصنف لکھتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکرؓ کے لئے فضیلت کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم اور وہ جس نے دو دنیاؤں کو آپس میں ملا دیا، یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے (الفرقان ۵۴) ۱۸۶ ص ۶۷

۱۸۶ ص ۶۷ ترجمہ: اگر تم رسول کی مدد نہ کر گے تو اس کی اللہ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ وہ

وہ جس سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو ہم نہ کاہنیک شریکے ساتھ ہے (التوبہ ۴۰)

علیہ وسلم نے آپ کو صرف اس لئے ساتھ لیا ہو کہ وہ آپ کے روانہ ہو جانے کے بعد کہیں بخبری نہ کر دیں اس لئے کہ ان کے متعلق اس بات کا اطمینان نہ تھا، دوسرے اس آیت کے اندر خود ان کی ہجو موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا "لا تخوف" اس سے معلوم ہوا کہ آپ (معاذ اللہ) بہت ڈرنے والے اور بے صبر تھے، اور آپ کو اللہ پر یقین اور اس کے فیصلہ پر اطمینان نہیں تھا، تیسرے یہ کہ قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں نزول سکینہ کا ذکر کرتا ہے وہاں مومنین کو ضرور شریک کرتا ہے لیکن یہاں تنہا رسول کا ذکر کیا ہے۔
حضرت ابو بکرؓ کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ سکینہ کا نزول ان پر نہیں ہوا۔

امام ابن تیمیہ نے اول تو ثابت کیا ہے کہ اس آیت نے ابو بکرؓ کے لئے کیسے کیسے فضائل و مناقب جمع کر دیے ہیں، اور یہ معیت کیسی خصوصی تھی، باقی مصنف کا یہ کہنا کہ ان کو اس لئے ساتھ لے لیا تھا تاکہ وہ دشمنوں کو خبر نہ کر دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناقابل اعتماد تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، تو دنیا کا ضعیف العقل سے ضعیف العقل انسان ایسے نازک اور خطرناک سفر میں ایسے ناقابل اعتماد آدمی کو ساتھ نہیں لے سکتا، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

فقیر اللہ من نسب رسولہ الذی
الشیخہ اس شخص سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو عقل و علم و تجربہ میں کامل ترین انسان تھے ایسی جہالت و غیبت کی نسبت کی۔
الی مثل هذه الجہالة والغباطۃ۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ خربندہ جس کے لئے مصنف نے یہ کتاب تصنیف کی ہے جیساں سے یہ کہا گیا کہ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے تھے، اور آپ کے دشمن تھے، اور اس کے باوجود آپ نے ان کو سفر ہجرت میں ساتھ لیا جو سب سے زیادہ خوفناک سفر تھا، تو اس

۱۔ منہاج السنۃ ۲/۲۸۵ ۲۔ ایضاً حصہ چہارم ص ۲۵۵ ۳۔ منہاج السنۃ۔ اور بعض نامیہ کی اور کتاب

میں بھی اس نامیہ بادشاہ کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے۔

سننے ہی وہ بات کہی جو ایسے موقع پر کہی جاسکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس سے بالکل منزہ ہے، یعنی یہ کسی عقل و آدمی کا فعل نہیں ہو سکتا۔ پھر تفصیل کے ساتھ ایک ایک بات کا جواب دیا ہے، اور بتایا ہے کہ قرآن مجید میں رزن و غوث کا ذکر کہاں کہاں آیا ہے، کیسے کیسے انبیاء و اولوالعزم اور صلحاء و مومنین اور افراد اہل بیت سے طبعی طور پر غوث اور رزن ثابت ہوتا ہے، باقی مصنف کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں نزول سکینہ کا ذکر ہے، وہاں مومنین کا ہمیشہ تذکرہ آتا ہے تو اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسا ہوا ہے، حالانکہ صرف ایک ہی آیت ایسی ہے، جہاں نزول سکینہ کے موقع پر رسول کے ساتھ مومنین کا بھی ذکر ہے، اور وہ آیت یہ ہے: **وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مَذْيَبَ بَرٍّ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا**۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر مومنین کے ذکر کا خاص موقع تھا، اس لئے کہ **ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مَذْيَبَ بَرٍّ**۔ اچکلے، اس کے برخلاف قرآن مجید میں کسی جگہ صرف مومنین ہی کا تذکرہ نزول سکینہ کے موقع پر آیا ہے، پھر امام نے اس کے لطائف اور وجوہ تفصیل سے لکھے ہیں۔

اس تعصب کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ روایات و سیر میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں عرش کے نیچے تھے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے، مصنف لکھتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کو جنگ کا حکم دیا جائے گا تو کھیل بگڑ جائے گا، اس لئے کہ آپ کے غزوات میں کئی دفعہ بھاگ چکے تھے، امام ابن تیمیہ کو اس موقع پر علمی و ایمانی جوش آگیا ہے،

منہاج السنہ ج ۴ ص ۴۱۴ ۴۱۵ ایضاً ص ۴۱۵ ۴۱۶ ایک دوسری آیت بھی ہے: **إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ**

مُومِنَةً خَبِيَّةً مُجَافِيَةً فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ الخ (سورۃ الفتح - ۲۶) ۴۱۵ التوبہ -

منہاج السنہ ج ۴ ص ۴۱۴ ۴۱۵ میدان بدر میں ایک پھر ڈال دیا گیا تھا، اس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

موجود و مشغول دعا تھے، اس وقت تھا حضرت ابوبکرؓ آپ کے ساتھ تھے ملاحظہ ہو کتب سیرت و احادیث۔

وہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے یہ جو کہا ہے کہ وہ غزوات نبوی میں کئی دفعہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف غزوات نبوی کے بارے میں بالکل جاہل واقع ہوا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ جس گروہ سے اس کا تعلق ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات سے نہ کوئی واقفیت ہے نہ کوئی دیکھی اس کو یہ خبر نہیں کہ بدر کی جنگ پہلی جنگ تھی جس میں لڑائی ہوئی، اس سے پہلے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ شریک ہوئے ہو۔ اس پر تمام اہل سیر حدیث و معاذی، فقہ و تواریخ کا اتفاق ہے کہ بدر پہلی جنگ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل فرمایا، اس سے پہلے کوئی غزوہ یا سر یتہ ایسا پیش نہیں آیا جس میں جنگ کی نوبت آئی۔ سوائے ابن المحضری کے واقعہ کے جس میں حضرت ابوبکرؓ شریک ہی نہیں تھے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ اس سے پہلے کئی بار میدان جنگ سے فرار اختیار کر چکے تھے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا کس جنگ سے بھاگنا ثابت نہیں اس کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ ثابت کرے کہ کس جنگ سے انھوں نے فرار اختیار کیا، تیسری بات یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت ابوبکرؓ ایسے ہی بزدل تھے تو ان کو اپنے ساتھ حضرت میں رکھنا مناسب نہیں تھا، بلکہ ایسے آدمی کو میدان جنگ میں لانا بھی مناسب نہیں تھا، چہ جائیکہ خاص طور پر تمام صحابہ کرام میں سے ان کو اپنی رفاقت کے لئے انتخاب فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا بنایا، دوسری طرف ان کی صلیب کے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ ایک بے بس و مجبور انسان نظر آتے ہیں جو ہر طرح کی تہذیب اور تسخر و استہزاء کا نشانہ و تحقیر مشق ہیں اسی طرح سے شیعہ حضرات نے ایک طرف تو حضرت

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۲۸۲ تا ۲۸۶

کے لئے وہ صفات اور قوتیں ثابت کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ بلند تھا، اور اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام کو فروغ نہ ہوتا، ان ہی کے پیچہ خیر شکن اور ذوالفقار آبدار سے اسلام کی فتح ہوئی، اور کفر سرنگوں ہوا، دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ان کو ایسا مجبور و بے بس ثابت کیا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ضمیر و عقیدہ کے خلاف دیکھتے اور ان کی اور ان کے اہل بیت کی ہر طرح توہین و تذلیل ہوتی، اور وہ کچھ نہ کر سکتے، یہ صریح تناقض اور تضاد ہے، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”یہ شیعوں میں انقیضین کرتے ہیں، ایک طرف وہ حضرت علیؓ کو قوت و شجاعت میں سب سے کامل اور بڑھا ہوا بتاتے ہیں، یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے ان ہی نے دین رسول کو قائم کیا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محتاج تھے، اور ان کو اقامت دین میں شریک بتاتے ہیں، پھر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بعد لوگوں کے اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد ان کے عجز و ضعف، اضطراب و تقیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ کمزور اور بے بس ہستی نہ تھی، حالانکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ بہ نسبت سابق کے زیادہ حق کے پیرو ہو گئے، تو جو شخص دین محمدی کے قائم کرنے میں اللہ کا شریک حال تھا، جس نے کفار کو مغلوب کیا، اور وہ اسلام لائے وہ اپنی طاقت اس جماعت کے مغلوب کرنے میں کیوں نہیں دکھاتا، جنہوں نے اس پر زیادتی کی تھی، حالانکہ وہ تعداد میں بھی ان کفار سے کم تھے، اور قوت و شوکت میں بھی کمزور تھے، اور یہ مخالفین ہر حال حق سے زیادہ قریب تھے!“

مبحث امامت

امام ابن تیمیہ نے امامت کے بحث پر بھی بڑی مفصل بحث کی ہے، اور شیعوہ امامت کی جو تعریف کرتے ہیں

اور اس کو دین کا رکن قرار دیتے ہیں، اس کا بہ شدت انکار کیا ہے، اور ان تمام عقلی و نقلی دلائل کا رد کیا ہے جو اس کے

ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں امام غائب کے عقیدہ کا بڑا مذاق اڑایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس عقیدہ سے سوائے فساد، اختلاف، بے علی اور تعطل کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

شیعوں کو قرآن و حدیث سے دھپسی نہیں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کو حفظ قرآن کی طرف اور اس کے معانی و تفسیر کا علم اور اودھ کی تلاش و جستجو کی طرف کوئی توجہ نہیں، اسی طرح احادیث صحیح و مستقیم کی پہچان، حدیث کے معانی و مطالب اور صحابہ و تابعین کے آثار سے واقفیت کا کوئی اہتمام نہیں، ان کا سرمایہ اور مبلغ علم کچھ آثار میں جو بعض دہلی بیت سے نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، ان میں جھوٹ سچ سب کچھ ہے۔

مساجد و جمعہ و جماعت سے بیگانگی

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں نے انبیاء و ائمہ کے بارے میں ایسا غلو کیا کہ ان کو مہلب و عطر و دھوپ و شمع بنادیا اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے جس کا پیغمبروں نے حکم دیا تھا بے اعتنائی کی تم دیکھو گے کہ وہ مساجد جن کو بلند اور بارونق رکھنے اور ان میں اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہے، ان کو ویران رکھتے ہیں اور ان پر جمعہ و جماعت کو قائم نہیں کرتے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی بڑا احترام نہیں ہے اور اگر ان میں کبھی نماز پڑھتے بھی ہیں تو الگ الگ اور ان شاہد کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، جو قبور پر نہ ملے گئے ہیں ان پر معذرت دیتے ہیں جیسے مشرکین اور دور سے سفر کر کے ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں، جیسے کہ حجاج خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں

متاخرین شیعہ عقلیات میں عام طور پر معتزلہ کے پیرو ہیں اور کچھ لوگوں نے فلاسفہ یونان کی پیروی کی ہے

۱۔ نہج البلاغہ ص ۲۲۹ تا ۲۵۰ ۲۔ ایضاً ص ۳ ۳۔ ایضاً ص ۱۰۱

اور ان پر فلسفہ غالب ہے ان کے علما میں سے کوئی تو فلسفہ و اعتزال اور رفض کا جامع ہے جیسے منہاج الکرامہ کا مصنفؒ اس سلسلہ میں مصنف کتاب نے عقائد و علم کلام کی جو بحثیں چھیڑی ہیں جن میں اعتراض و فلسفہ کا رنگ صاف جھلکتا ہے ان کا امام ابن تیمیہ نے تفصیلاً جواب دیا ہے یہ حصہ گہری فلسفیانہ اور متکلمانہ بحثوں سے بھرا ہوا ہے اور چونکہ وہ معقول و منقول دونوں سمندروں کے ثناور ہیں اس لئے انھوں نے اپنی عادت کے مطابق دل کھول کر بحث کی ہے اور ایک ایک حرف کا رد کیا ہے اور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اس فرقہ کی واقفیت عقلیات سے بہت سطحی اور عامیانا ہے اور ان کے علما بھی اس علم میں طفل کتب معلوم ہوتے ہیں۔

گزشتہ تاریخ

امام ابن تیمیہ نے جابجا لکھا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں شیعوں نے کفار و مشرکین کا ساتھ دیا، اور اسلام سے بے وفائی کی اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچایا اور اخیر میں ان کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے،
فایا مہمونی الاسلام کلھا سودہ۔

اہل سنت راہ اعتدال پر

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں صرف اہل سنت ہی توسط اور اعتدال کی راہ پر ہیں، اور افراط و تفریط سے محفوظ ہیں ان کے نزدیک اہل بیت کی محبت اور صحابہ کرام کی تعظیم میں کوئی تضاد نہیں انھوں نے ان دونوں نعمتوں کو جمع کر رکھا ہے اور یہی صحیح اسلام ہے وہ لکھتے ہیں :-
اہل سنت تمام مومنین کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور علم و عدل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں،

منہاج السنہ حصہ سوم ص ۳۰۰ ملاحظہ ہو ص ۳ تا ۱۲۹ اصول ۳۰۰ ایضاً

ایضاً حصہ چہارم ص ۱۱۱ ترجمہ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ان کی تاریخ بالکل سیاہ ہے۔

وہ نہ اہل جہل میں سے ہیں نہ اہل اہواؤں میں سے وہ روافض اور خوارج دونوں کے طریقہ سے
بیزار وہ تمام سابقین اولین کے معتقد ہیں اور صحابہ کرام کی قدر و منزلت کے شناسا اور
معترف ہیں اور ان کے مناقب کے قائل ہیں اور اس سب کے ساتھ اہل بیت کرام کے
حقوق کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔



علوم شریعت کی تجدید

امام ابن تیمیہ کا عہد

امام ابن تیمیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے اس میں شرعی اور دینی علوم بڑی وسعت اختیار کر چکے تھے، خصوصیت کے ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں سے ہر موضوع پر اتنا وسیع کتب خانہ مرتب ہو چکا تھا کہ ان میں سے کسی ایک موضوع پر عبور حاصل کرنا اور اس وقت تک کے علمی ذخیرہ سے اجمالی واقفیت بھی ایک متوسط آدمی کے لئے بہت بڑا علمی کارنامہ تھا، لیکن پھر بھی ان کے عہد میں بکثرت ایسے عالم اور مدرس موجود تھے جو اس کتب خانہ پر نظر ڈال چکے تھے اور ان میں سے متعدد ایسے بھی تھے جو اپنے قوی حافظہ، علمی اشتغال، کثرت مطالعہ اور کثرت درس و تدریس کی وجہ سے اس کے ایک معتدبہ حصہ کو اپنے سینے میں محفوظ رکھتے تھے اور تدریس و مناظرہ کے وقت اس سے بے تکلف استفادہ اور اس کا اعادہ کر سکتے تھے، علامہ کمال الدین ابن الزمکانی، تقی الدین علی بن اسبکی، شمس الدین الذہبی، ابوالعلاج المزنی اس کا ایک نمونہ ہیں، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں علمی استحضار، تبحر، محفوظات کی کثرت اور علمی تفتن کس حد تک پہنچ چکا تھا، متعدد اصحاب ایسے تھے جن کو علوم شرعیہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہنا صحیح ہوگا۔ لیکن علم و معلومات میں جتنی وسعت تھی، فکر میں اتنا متق نہیں تھا، ایسے لوگوں کی عرصہ سے کمی چلی آ رہی تھی جو اس پورے علمی ذخیرہ پر ناقدانہ اور استادانہ نظر رکھتے ہوں، متقدمین کے آراء و خیالات میں موازنہ و تقابل کا قوت رکھتے ہوں، اور مسائل و آراء میں اپنی کوئی ذاتی اور منفرد رائے بھی رکھتے ہوں، متقدمین نے جو قابل قدر

علمی اندوختہ چھوڑا تھا، اکثر تاخرین کا کام صرف اس پر عبور حاصل کر لینا، اور اس کی تشریح و توضیح، اختصار و تلخیص رہ گیا تھا، عرصہ سے اس میں کوئی معتد بہ اور قابل قدر اضافہ نہیں ہو رہا تھا، کوئی ایسی تصنیف جس کو طبع زاد یا مجتہدانہ کہا جاسکے، کیاب تھی، اس عصر کی جو بہترین اور ایمہ ناز تصنیفات سمجھی جاتی تھیں، ان کا جوہر بھی صرف یہ تھا کہ مصنف نے اپنے سے پہلے کے منتشر معلومات کو یکجا جمع اور سلیقہ سے مرتب کر دیا تھا، یا وہ کسی سابق فقہی متن کی عمدہ شرح تھی۔

ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات

امام ابن تیمیہ نے اپنے حافظہ خداداد سے اس پورے علمی ذخیرہ پر عبور حاصل کیا اور اس کو فکری طور پر مضمم کر لیا، اور اس سے اپنی تصنیفات میں پورا فائدہ اٹھایا، لیکن ان کی بے چین اور متوجہ طبیعت ان کا نکتہ سنج و نکتہ آفریں دماغ اور ان کا سیال و روان قلم اس پر قانع نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ صرف نقل و روایت اور شرح و تلخیص یا انتخاب پر اکتفا کریں قرآن مجید کا گہرا علم، مقاصد شریعت سے گہری واقفیت اور اصول فقہ اور اصول تشریح کا ملکہ راستہ ان کی ہر تصنیف میں ان کا رفیق ہے وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس میں اپنے تازہ علم سے جان ڈال دیتے ہیں، ان کی کوئی ایسی تصنیف نہیں ہوگی جس میں کچھ نئے علمی حقائق، علمی نکتے، ناقدانہ بحثیں اور جدید اصولی مباحث نہ ملیں، اور قرآن مجید کے فہم کی ایک نئی راہ اور شریعت کے مقاصد کے سمجھنے کا نیا دروازہ کشادہ نہ ہو، ان کی دو نیم تصنیفات ابواب الصبیح اور منہاج السنۃ پر مفصل تبصرہ اور ان کے مضامین کی تلخیص گزر چکی ہے، ان دونوں کے علاوہ ان کی متعدد تصنیفات ایسی ہیں جو ان کے مجتہدانہ فکر و نظر و ذہن رسا، اور قوت تنقید کی شاہد ہیں، اور ہر عہد کے دماغوں کو جدید و صالح علمی و فکری غذا مہیا کرتی ہیں، اور زمانہ کے اہل علم کو ان میں نیا مواد، نئے دلائل اور نئی تحقیقات نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر کتاب النبوات "الرد علی المنطیین"

اقتضاء الصراط المستقیم نہ صرف اعلیٰ علمی تصنیفات اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں بلکہ اس طرح کی خیال آفریں و خیال افروز کتابیں ہیں جو ذہن کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہیں اور ان کے سامنے نئے علمی میدان اور سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے مسائل اور مضامین لاتی ہیں۔

تفسیر

امام ابن تیمیہ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ ان کی کوئی تصنیف مشکل سے ایسی ہوگی جس میں قرآن مجید کی تفسیر کا مواد نہ ملے اور آیات سے استدلال و ان کی شرح و تفسیر نہ ہو ان کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کے بغیر ان سے بڑھا نہیں جاتا، ان کے تلامذہ کا بیان ہے کہ انھوں نے جو تفسیری ذخیرہ چھوڑا وہ تیس جلدوں سے زائد ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر وہ ذخیرہ دستیاب ہو جائے تو وہ تفسیر کا ایک بہت قیمتی اور مستند ذخیرہ ہوگا، فکر و نظر کی گہرائی، سلاست ذوق، روایات پر کامل عبور اور ان سے استناد آیات کی زندگی پر تطبیق اپنے ماحول و معاشرہ سے واقفیت، دایمانہ روح اور جذبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حمیت دین کی جو دولت اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھی اس کی وجہ سے ان کے قلم سے نکلی ہوئی تفسیر شاید سب سے بہتر اور جامع تفسیر ہوتی اگرچہ مفصل سلسل تفسیر اس وقت نایاب ہے لیکن قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی تفسیریں چھپ چکی ہیں اور ان سے ان کی مفسرانہ خصوصیات کا اندازہ ہو سکتا ہے ان میں سے تفسیر سورۃ الاخلاص، تفسیر مودتین اور تفسیر سورۃ نور عرصہ ہوا

لے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب المجہم کا موضوع اگرچہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں کے رسوم و شعائر اختیار نہ کئے جائیں اور ان کا مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت نہ کی جائے مگر حسب معمول یہ کتاب بڑے نفیس مباحث و علوم پر مشتمل ہے اور شیخ الاسلام کی بہترین تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے اس کا ایک ڈیٹیشن بڑے اہتمام سے انصار السنۃ قاہرہ نے شائع کیا ہے مجلس تحقیق و نشر اسلام کھنڈر کی جانب سے اس کے ضروری اور موجودہ حالات میں رہنمائی کرنے والے مباحث کو اردو میں اسلام اور غیر اسلامی تہذیب کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

مصر میں چھپ چکی ہیں، حال میں ان کی مختلف تصنیفات میں سے تفسیری حصوں کو علیحدہ کر کے چھاپے گیا ہے، تفسیر سے ان کا تعلق اس میں ان کا اشتغال و انہماک ان کی زندگی میں بھی معروف تھا، یہ ان کا ایسا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز کا اعلان بھی اسی عنوان سے ہوا "الصلوة علی ترجمان القرآن" ان کا ایک چھوٹا سا رسالہ اصول تفسیر بھی ہے، جہاں تک کہ ہم کو معلوم ہے امام ابن تیمیہ کا یہ رسالہ اصول تفسیر کا پہلا مستقل رسالہ ہے۔

حدیث

حدیث اور شرح حدیث میں اگرچہ امام ابن تیمیہ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، اور حدیث کا فن ساتویں اور آٹھویں صدی میں جس وسعت و کمال کو پہنچ چکا تھا، اس کے بعد یہ کام کچھ ایسا ضروری بھی نہیں رہ گیا تھا، مگر ان کی تصنیفات میں اصول حدیث اسماء الرجال، جرح و تعدیل، نقد حدیث اور فقہ حدیث کا جتنا مواد ملتا ہے، اگر وہ سب علیحدہ جمع کر دیا جائے تو وہ ایک بہت بڑی تصنیف اور ایک بڑی قیمتی ذخیرہ ہوگا، خصوصیت کے ساتھ موضوعات پر ان کی جیسی بے لاگ اور محققانہ رائیں ان کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس کا کہیں اور ملنا مشکل ہے، اس سلسلہ میں منہاج السنہ میں جو مواد ملتا ہے، اور بیسیوں مشہور متداول حدیثوں پر انہوں نے جو کلام کیا ہے، وہ بڑا کارآمد اور نادر ذخیرہ ہے۔

اصول فقہ

اصول فقہ ان کا ایک پسندیدہ اور ذوقی موضوع تھا، جس میں ان کو ملکہ و راسخہ حاصل ہو گیا تھا، اور جس میں وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے، ان کی کوئی تصنیف ان اصولی مباحث سے خالی نہیں، اقتضاء العرف، المستقیم اور ان کے فتاویٰ میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اور بعض مستقل رسائل مثلاً رسالہ القیاس، لے تفسیر ابن تیمیہ کے نام سے مطبع قیہ بیٹشی میں چھپ چکی ہے۔

منہاج الوصول الی علم الاصول وغیرہ بھی یادگار ہیں۔

علم کلام

امام ابن تیمیہ کی تصنیفات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو شاید علم کلام و عقائد ان کی تحریروں کے پورے نصف حصہ پر مشتمل ہوگا، یاد و ثلث حصوں پر اس موضوع پر ان کے وہ رسائل جو مختلف مقامات اور شہروں کے نام پر مفعول ہیں، مثلاً شرح اصباحانیہ، رسالہ حمویہ، تدمریہ، واسطیہ کیلانیہ، بغدادیہ، ازہریہ وغیرہ وغیرہ اس موضوع پر ان کے اصلی خیالات، قوت استدلال، حمیت دینی، اور ان کے علم و ذہانت کا منظر ہیں۔

فقہ

ان کے زمانہ میں ہر مذہب کی فقہ اتنی مدون ہو چکی تھی کہ اس میں نیا اضافہ بہت مشکل تھا، پھر بھی انھوں نے بکثرت مسائل و احکام پر مجتہدانہ نظر ڈالی ہے اور کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اصول فقہ کی روشنی میں استنباط و اجتہاد سے کام لیا ہے، فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی اور فقہی آراء و جزئیات کو صحیح احادیث کے تابع بنانے کی کوشش کی، نئے پیش آنے والے مسائل و حالات اور نئی ضروریات کے لئے استنباط و اجتہاد سے کام لیا، جس طرح ہر مذہب کے فقہاء اور قضات ہر عصر میں نئے مسائل پر اجتہاد و استنباط سے کام لیتے رہے تھے، اسی طرح امام ابن تیمیہ نے بھی (جن کے متعلق بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ ان میں شرائط اجتہاد جمع تھے) ان نئے مسائل پر اجتہاد سے کام لیا، اور اپنے فتاویٰ اور اختیارات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا، یہ ذخیرہ فتاویٰ ابن تیمیہ کی چار ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے اور نہ صرف فقہی مسائل و احکام کا بلکہ بہت سے علمی مسائل و اصولی

لے عام طور پر جس شہر سے کوئی استفادہ آتا تھا، اسی شہر پر اس رسالہ کا نام رکھ دیا جاتا تھا۔

بجٹوں کا ایک بڑا قیمتی و نادر ذخیرہ ہے۔

امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر

اس عظیم علمی کارنامہ کے ساتھ جس میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی تھا، اور جس میں نقل و عقل دوش بدوش ہیں، انھوں نے علوم شرعیات کی تجدید کی خدمت انجام دی اور فکر اسلامی پر جو جو دوا و ضحک طاری ہونے لگا تھا، اس کو دور کیا نئی علمی راہیں اور نئے فکری دروازے کھولے، اور تصنیفات و مباحث کا ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا جس کے مطالعہ سے ذہن میں وسعت، طبیعت میں جولانی اور فکر میں تحریک و نشاط پیدا ہوتا ہے اور جس کے اثر سے ہر دور میں اچھے مصنف، بلند خیال مفکر، پر جوش مصلح اور مخلص داعی پیدا ہوتے رہے اس فکری و اصلاحی تسلسل و حرکت میں جو آٹھویں صدی کے بعد سے نظر آتی ہے، بلاشبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نمایاں حصہ ہے اور وہ علوم و افکار اسلامیہ کے مجددین کبار میں شمار ہونے کے قابل ہیں، خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری سے عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں جو اصلاحی و فکری و علمی تحریکیں پیدا ہوئیں ان کے ماخذوں میں ایک بڑا ماخذ اور محرک امام ابن تیمیہ کی تصنیفات ہیں۔

۱۔ یہ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام سے شیخ فرج الشاذلی کی ردی کے اہتمام سے ۱۳۳۳ھ میں مصر میں چار حصوں میں شائع ہوا ہے، مجموعی صفحات ۱۵۸۶ ہیں جو تھے حصہ کے اخیر میں الاختیارات العلییہ کے نام سے کتاب ہے جس میں ان کے اختیارات و ترجیحات کو جمع کر دیا گیا ہے، فتاویٰ کا پانچواں حصہ عقائد و علم کلام کے مسائل و مسائل سے متعلق ہے، حکومت سعودیہ کی طرف سے ”فتاویٰ ابن تیمیہ کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اور جس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی حیثیت ایک مستقل کتب خانہ اور دائرۃ المعارف کی ہے۔“

فکر اسلامی کا احیاء

عقائد کا ماخذ کتاب و سنت

عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ

امام ابن تیمیہ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ (جو شاید ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کا امتیازی کام ہے) یہ ہے کہ انھوں نے فکر اسلامی کا احیاء کیا، اسلام کا دوسرے نظام ہائے فکر کے مقابلہ میں امتیازیہ ہے کہ اس کی بنیاد وحی و نبوت محمدی پر ہے اس کے عقائد و حقائق قیاس، تجربے، ظن و تخمین اور انسانی ذہانت اور بحث و جدال پر مبنی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر مبنی ہیں، پیغمبر نے خدا کی ذات و صفات و افعال عالم کی ابتداء و انتہاء اور دنیا کے آغاز و انجام معاد اور اعمال کے خواص و نتائج اور دوسرے ابعاد الطبیعیاتی مسائل کے متعلق جن کا دین سے تعلق ہے، جو کچھ اور جتنا کچھ کہہ دیا وہی عقائد ہیں اور وہی حقائق ہیں اور وحی و نبوت کے سوا درحقیقت ان کے معلوم کرنے کا پھر ان پر یقین کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہی نہیں اس لئے کہ تمام معلومات اور حقائق کا ذریعہ علم مبادی اولیہ ہی ہوتے ہیں اور ان حقائق دینیہ و غیبیہ کے مبادی اولیہ ہی کسی کو حاصل نہیں کسی نئی چیز کے علم کا ذریعہ ہی یہ ہے کہ معلومات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ مجہول تک رسائی ہو جائے لیکن جس طرح ہم کو طبعیات و مادیات کے معلومات اولیہ حاصل ہیں ان غیبی و دینی حقائق کے ابتدائی معلومات و مقدمات حاصل نہیں اللہ کی ذات و صفات جو اس عقل دونوں سے ماوراء ہیں اور اس کے بالے میں انسان کو کوئی تجربہ و مشاہدہ حاصل نہیں اور

نہیہاں قیاس کے لئے کوئی بنیاد ہے لَیْسَ بِمَثَلِہٖ شَیْءٌ اس لئے اس بارہ میں سوائے اس کے کہ انسانوں کے اس گروہ پر اعتماد کیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا علم و یقین خود بخود عطا کیا ہے، کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اور ہمیں اس کے مقابلہ میں انکار و بحث کا کوئی حق نہیں اسی حقیقت کو قرآن مجید میں ایک پیغمبر کی زبان سے اس طرح بیان کیا گیا ہے قَالَ اَتُحَاجُّوْنِیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ هَدٰی (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث و جدال کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بارے میں راستہ پر گام چکا ہے)۔

فلسفہ کی سعی لا حاصل

یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی کہ جس کی موجودگی میں فلسفہ کو ذات و صفات الہی کے بارے میں کسی دوسری کی ضرورت نہ تھی لیکن یہ علم انسانی کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ کئی ہزار برس تک فلسفہ نے اس شغل لا حاصل کو جاری رکھا اور اپنی بہترین ذہانتیں اور قوتیں ایک ایسے موضوع پر صرف کیں جس کے متعلق خود اس کو اعتراض ہے کہ اس کو اس کے باری و مقدمات بھی حاصل نہیں تھے اور اس کے بارے میں اس کے پاس یقین حاصل کرنے اور قطعی رائے قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا پھر اس نے اس بارے میں ایسی ترقی و تفصیل اور ایسی بے تکلفی سے کام لیا جو علماء لغت و اشتقاق کسی لفظ کے بارے میں اور علماء صرف و نحو تصریف و ترکیب میں برتتے ہیں، بلکہ ماہرین علم الکیمیا و ادویہ و نباتات کے بارے میں کرتے ہیں اور مباحث و تفصیلات کا اتنا انبار اکٹھا کر دیا اور ایسی بال کی کھال نکالی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث کسی ایسی محسوس و مرئی ہستی کے بارے میں ہو رہی ہے جو بالکل ان کے تصرف اور دسترس میں ہے۔

متکلمین کا فلسفہ

اس سے زیادہ عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ متکلمین اسلام نے جو فلسفہ کے روکے لئے اور اسلام کی

مدافعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے، فلسفہ کی انہی اصطلاحات و مفروضات کو تسلیم کر لیا اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق ایسے ذوق و تحکم اور تفصیل و تدقیق سے بحث شروع کر دی گویا وہ بھی کسی محسوس و مشاہدہ ہستی اور طبیعی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، وہ فلسفہ کی تردید کے لئے نکلے تھے لیکن وہ بھی فلسفہ کے مفروضات اور اصطلاحات کے جنگل میں گم ہو گئے، سوال و جواب و بحث و مباحثہ کے جوش میں ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ وہ فلسفہ کو اس کی بنیادی غلطی پر سرزنش کریں کہ وہ ایک ایسے مسئلہ و موضوع سے بحث کر رہا ہے جس کے مبادی و مقدمات اور اس پر بحث کرنے کی استعداد و استحقاق حاصل نہیں اور وہ فلاسفہ سے یہ کہیں کہ تمہارے بحث و نظر کا میدان صرف ریاضیات و طبیعیات ہے، تم کو اپنی بحث و نظر کو اسی میدان کے اندر محدود رکھنا چاہئے الہیات میں تمہاری مداخلت اپنے حدود سے تجاوز اور دخل در معقولات ہے اور وہ قرآن کے حکیمانہ و بلیغ الفاظ میں فلاسفہ کو مخاطب کر کے کہیں :-

حَآئِثُمْ هُوَ لَآ عَرَفْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ	سننے بھی ہو تم جھگڑ چکے ایسی باتوں میں جس کا تم کو
فَلِمَ تَحَاجُّوتَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ	(تھوڑا بہت) علم تھا، پھر اب کیوں جھگڑا کرتے
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	ہو، ایسی باتوں میں جس کا تم کو کچھ تو علم نہیں اور
(آل عمران - ۶۶)	اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط

پچھلی صدیوں میں تو اسلامی فکر کے انحطاط کا یہ عالم تھا کہ خدا کی ہستی، عالم کے حدوث، توحید معاً تمام بنیادی عقائد کے ثبوت کے لئے ان ہی دلائل اور ترتیب مقدمات کو اصل قرار دے دیا گیا تھا، جو تنکلیں نے ترتیب دیئے تھے اور جن کی بنیاد فلسفہ پر تھی، محدثین و فقہاء کے ایک چھوٹے سے گروہ کو چھوڑ کر عام طور پر تنکلیں و نظائر عقل کو معیار قرار دیتے تھے اور کتاب و سنت کو عقائد و احکام کا ماخذ بنانے کے بجائے

مشکلیں کی کتابوں کو عقائد کا ماخذ بناتے تھے اور فلسفہ کے اعتراضات سے بچنے کے لئے، یا فلسفہ کے بعض ثابت کئے ہوئے اصول کو قائم رکھنے کے لئے اور دین کو ان کے مطابق ثابت کرنے کے لئے وہ آیات و احادیث میں تاویل سے کام لیتے تھے، باوجود فلسفہ کی تردید کے ان پر فلسفہ کا اتنا رعب طاری تھا کہ وہ بجائے فلسفہ کے انکار اور اپنے علم کلام میں تبدیلی کر دینے کے آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح میں تاویل و توجیہ سے کام لیتے، امام ابن تیمیہ اسی ذہنیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• حالت یہ ہے کہ ہر فرق نے اپنے لئے انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیم کے بارے میں ایک قانون بنا رکھا ہے جس چیز کو ان کی عقول نے تسلیم کر لیا ہے اس کو وہ اصل قرار دیتے ہیں جس پر ان کو اعتقاد و اعتماد ہے اور جس کو انبیاء علیہم السلام لائے اس کو تابع قرار دیتے ہیں جس جتنا حصہ ان کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور جو اس کے مخالف ہوتا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔

ان مشکلانہ عقائد و مباحث کو اصل و معیار قرار دینے کے بعد اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ ان مباحث میں بڑے بلند اور عمیق علوم اور بڑے حکم و معارف ہیں ایک کشمکش پیش آتی تھی کہ اگر یہ اہل علوم و معارف ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کا کلام ان سے کیوں خالی ہے اور ان کے یہاں تفصیلات و تدقیقات کیوں نہیں ہیں؟ جو لوگ فلسفہ اور علم کلام پر پورا ایمان رکھتے تھے اور ان کا مانع اس سے پورے طور پر مروج و مروج تھا، وہ بھی صاف صاف اور بے دلی زبان سے یہ کہہ دیتے کہ وہ زمانہ ابتدائی زمانہ تھا، اس زمانہ کے لوگ میدھے سادھے لوگ تھے ان کے ان حقائق اور ان گہرے علوم کی خبر نہیں تھی، جو لوگ فلسفہ کی عظمت کے بعض قائل تھے اور صحابہ کرام کی عظمت کے بھی معترف تھے، وہ ایک تخیل اور کشمکش کی حالت میں تھے اور ان سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں بن پڑتا تھا، امام ابن تیمیہ ان مختلف گروہوں کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ علم کلام کی بحثیں اصول دین پر مشتمل ہیں اور ان کے اندر علوم کلیہ،

لے بیان موافقہ صریح المعقول صحیح المنقول حصہ اول ص ۱۰۰

سارے الہیہ حقیقی حکمت اور بنیادی فلسفہ ہے ان میں سے بہت سے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصول دین سے واقف نہیں تھے جنہوں نے بہت رعایت کی انہوں نے یہ کہا کہ آپ واقف تو تھے لیکن آپ نے ان اصول کو بیان نہیں کیا جن کے دل میں نبی کا احترام ہے، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ تابعین ان اصول سے واقف نہیں تھے جن کے دلوں میں صحابہ تابعین کی بھی عظمت ہے، اور ان متکلمین و فلاسفہ کے اقوال کی بھی وہ ایک تحریف و تشکیک کی حالت میں ہیں، اور ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ ان بزرگواروں نے ان امور و مسائل میں کیوں کلام نہیں کیا، جو افضل العلوم ہیں، اور جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں، اور آپ کی عظمت بھی ان کے دل میں ہے، ان کو یہ بڑا اشکال معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دین کے ان اصولی مسائل کی تشریح و تفصیل کیوں نہیں فرمائی، حالانکہ دوسرے مسائل کے مقابلہ میں لوگوں کو ان کی ضرورت زیادہ ہے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ فلسفہ و علم کلام کے ان پرستاروں نے اللہ اور اس کے رسول کے قول کو محل قرار دیا جس سے علم و ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور اپنے تشابہ کلام کو محکم، اور اللہ اور اس کے رسول کے محکم کلام کو تشابہ قرار دیا۔

حکم کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ

فلاسفہ و متکلمین دونوں نے مل کر صدیوں عقل کا ایسا آڈانہ بلند کیا اور ذات و صفات کے مسائل میں اس کو حکم و میزان قرار دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مسائل میں ایسی طرح فیصلہ کرنے کی مجاز ہے جیسے محسوسات میں ہمارے فہم اور عملیات میں تجربہ و استقراء، اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ عقل شریعت کے ثبوت کے لئے خواہ شرعیات خواہ فقہیات، بنیاد بن گئی، اسلام کی ان چھ صدیوں میں کسی مفکر اور عالم نے عقل کی اس غیر محدود فرمانروائی سے علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہیں کی، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ کے حصہ الہیات کے

مما افتقار صریح الحقول لاصح المنقول حصہ اول ص ۱۲۱ ۱۲۲ ایضاً ص ۱۶۳

خلافت قلم اٹھایا، اور اس کو اپنے طنز و تحقیر کا نشانہ بنایا، لیکن عقل کی اس مطلق العنان سلطنت اور اس کے درمقولات کے خلاف انھوں نے بھی کوئی مؤثر آواز بلند نہیں کیا، امام ابن تیمیہ (ہمارے علم میں) پہلے شخص جنہوں نے اس صورت حال کے خلاف بلند آہنگی کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور پوری جرأت کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ عقائد و خلائق کا اصل ماخذ وحی و نبوت اور کتاب و سنت ہے عقل ان کی موافقت تو ہے لیکن ان کے ثبوت کی بنیاد نہیں وہ ایک جگہ صاف لکھتے ہیں:-

ان العقل ليس اصلاً لثبوت الشرع في عقل في نفسه شرعية ثبوت في أصل كحیث نہیں
نفسه ولا معطياته صفة لم تكن له ولا
مفيداً له صفة كمال له
دکھتی، اور نہ اس کو کوئی ایسی صفت بخشی ہے جو اس کو
پہلے سے حاصل تھی اور نہ اس کو کمال کی صفت عطا کرتی ہے

عقل کا منصب و مقام

ان کا کہنا یہ ہے کہ عقل صرف معرفت و رہنما ہے اس کا کام یہ ہے کہ رسول کی صداقت و عصمت کی اعتراف تک پہنچا دے، پھر سبکدوش ہو جائے، عقل یہ ثابت کر دیتی ہے کہ رسول جو کچھ اطلاع دے اس کی اور جو کچھ حکم دے اس میں اس کی اطاعت واجب ہے، وہ رسول کی صداقت پر عمومی اور مطلق حیثیت رکھتا ہے، ان کے نزدیک اس کی حیثیت بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی عامی شخص کسی ناواقف کو شہر کے مفتی کا پہنچا دے اور بتلا دے کہ یہ عالم مفتی ہے، پھر اگر اس عامی رہنما اور اس مفتی کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، مفتی کا بھی فرض ہوگا کہ وہ مفتی کے قول کو ترجیح دے اور اس عامی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ میں رہنمائی کی ہے، اگر میں رہنمائی نہ کرتا تو تم کو اس مفتی تک رسائی کیسے ہوتی؟ وہ لکھتے ہیں کہ رسالت کے عقل کا کام ہے کہ وہ رسول پر اعتماد اور اس کی اطاعت کرے جس طرح ہر فن میں صاحب فن کی تقلید کی

۱۔ بیان موافقہ مریج المعقول بصیح النقول ج ۱ اول ص ۳۳ ۲۔ ایضاً ص ۳۴

بے چوں و چرا اس کے مشورہ پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کے قول کو قولِ فیصل سمجھا جاتا ہے اسی طرح سے امور غیبیہ احکام
 شرائع اور مابعد الطبیعیات میں رسولِ منہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا قول قولِ فیصل ہے وہ لکھتے ہیں۔
 ”جب کسی شخص کو عقل سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص رسول ہے اور اس کے نزدیک یہ ثابت ہو جا کہ
 اس نے کسی چیز کی خبر دی ہے اور اس کی عقل اس میں کوئی اشکال پیش کرے تو اس کی عقل ہی کا یہ تقاضا
 ہے کہ وہ یہ مختلف فیہ چیز ایسی ہی پر تحول کرے جو اس کے مقابلہ میں اس کا زیادہ علم رکھتی ہے اور اپنی
 رائے کو اس کے قول پر مقدم نہ رکھے اور یہ سمجھے کہ اس کی عقل اس کے مقابلہ میں قاصر اور ضعیف ہے
 اور اس ہی کو ان شرعائے کا اور اس کے اسماء و صفات کا اور یومِ آخرت کا علم زیادہ ہے جو فرق اس
 عائنی شخص اور ایک پیغمبر سے ہے وہ فرق اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے جو عوام اور علمائے طب میں ہے
 پس جب وہ اپنی عقل کے بموجب ایک یہودی طبیب کی بھی اطاعت کرتا ہے اور غذا، شربت، صناد
 (لیپ) اور سہلات وغیرہ کی جو مقدار اور ترکیب تجویز کر دیتا ہے تو باوجود تکلیف اور مشقت وہ اس کی
 تعمیل کرتا ہے محض یہ سمجھ کر کہ یہ طبیب اپنے فن کا مجھ سے زیادہ واقف ہے اگر میں اس پر اعتماد کروں گا
 اور اس کے مشورہ کی تعمیل کروں گا تو صحت کی امید ہے یا وجود اس کے کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ
 اطباء سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور بہت لوگوں کو طبیعوں کی تجویز اور معالجہ سے صحت بھی نہیں ہوتی،
 بلکہ بعض اوقات یہی علاج موت کا سبب بن جاتا ہے اس کے باوجود وہ اس کا قول قبول کرتا ہے
 اور اس کی تقلید کرتا ہے خواہ اس کا گمان اور اجتہاد طبیب کی تجویز کے مخالف ہو اس کو سمجھنا چاہئے کہ
 پیغمبروں کے مقابلہ میں مخلوق کی حیثیت کیا ہے پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے پیغمبر صادق القول
 ہوتے ہیں اور ان کو بھی صحیح اطلاع دی جاتی ہے یہ ممکن نہیں کہ ان کی اطلاع خلاف واقعہ ہو اور
 جو لوگ محض اپنی عقل کی بنا پر ان کے اقوال کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی جہالت اور غلالت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

بیان موافقہ صریح العقول صحیح المنقول حصہ اول ص ۵۷

رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے

جو لوگ عقلیات اور فلسفہ سے متاثر تھے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ شریعت کی جو بات عقل اور اصول فلسفہ کے مطابق ہوتی اس کو ان کا ذہن قبول کرتا اور جو ان کے ان اصول و سلک کے خلاف ہو اس کے قبول کرنے سے ان کا ذہن قاصر رہتا، اور اس میں ہزاروں الجھنیں محسوس کرتے ان میں جو لوگ میاں اور جہنم ہوتے وہ صاف انکار کر دیتے اور کہتے کہ شریعت کا مطابق عقل ہونا ضروری ہے یہ بات چونکہ عقل کے خلاف ہے اس لئے قابل قبول نہیں جو لوگ اس درجہ جبری نہ ہوتے وہ اس کی توجیہ کرتے اور بعید سے بعید تاویل سے ان کو کام نہ ہوتا، امام ابن تیمیہ نے جا بجا یہ ثابت کیا ہے کہ رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے اور رسول کی صحیح حیثیت منصب یہی ہے کہ اس پر غیر مشروط طریقہ پر ایمان لایا جائے اور درحقیقت اسی کا نام ایمان ہے بشرط تصدق کا امام شریعت کی اصطلاح میں ایمان ہی نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:-

ففي الجملة لا يكون الرجل مؤمناً حتى	خلاصہ یہ کہ انسان اس وقت تک یمن نہیں ہو سکتا
يؤمن بالرسول ايماناً جازماً ليس مشروطاً	جب تک کہ وہ بلا شرط ایمان نہ لائے جس کے ساتھ کہ
بعد من معارض فعتى قال يؤمن بخبره إلا	معاہد کے نہ ہو لے گا بھی مشروط ہو جب وہ شخص کے ہمارے
ان يظهر له معارض يذفع خبره لم يكن	میں رسول کی اطلاع پر اس وقت تک کہ اسے ایمان نہ آتا ہو
مؤمناً به فهذا اصل عظيم يجب معرفته	جب تک کہ کوئی ایسا معاہدہ ظاہر نہ ہو جس کی اطلاع
	کی تردید کرے تو وہ شخص یمن نہیں ہو گا یہ ایک بہت
	بڑا اصول ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

لہ بیان موافقہ مرجع العقول للصحیح المنقول جہد اول ص ۱۱۱

”دین اسلام سے یہ بات قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق پر رسول کی ایسی تصدیق و ایمان واجب ہے جو قطعی اور عمومی ہو جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو اور یہ کہ اس کی ہر اطلاع کی تصدیق کی جائے اور اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اس کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ باطل ہوگی، جو شخص رسول کی اس بات کی تو تصدیق کرتا ہے جس کو اس کی عقل قبول کرتی ہے اور اس کی اس اطلاع کو رد کر دیتا ہے، جو اس کی رائے اور عقل کے خلاف ہوتی ہے اور رسول کی اطلاعات پر اپنی عقل کو مقدم رکھتا ہے اور یہ بھی کہے جاتا ہے کہ میں رسول کو سچا جانتا ہوں، تو وہ متناقض باتیں کرتا ہے اور فاسد العقل اور مجذوم ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ میں اس وقت تک رسول کی اطلاع کی تصدیق نہ کروں گا جب تک کہ میں اس کو اپنی عقل سے سمجھ نہ لوں تو اس کا کفر کھلا ہوا ہے۔“

عقل کے ہوائی قلعے

امام ابن تیمیہ اس کے بعد مدعیان عقل کے اس دعویٰ کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ عقل نقل میں اکثر تعارض و تضاد ہوتا ہے اور پیغمبروں نے جن چیزوں کو عقائد و حقائق کے طور پر پیش کیا ہے، وہ بعض اوقات صریح عقل و ہدایت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان حقائق و مسلمات سے متصادم ہوتے ہیں جو ہزاروں برس کے غور و فکر کا نتیجہ اور فلسفہ کی بنیاد ہیں، وہ ثابت کرتے ہیں کہ جن عقلیات کو پیغمبروں کی اطلاعات اور کتاب و سنت کے نصوص کا معارض بتایا جاتا ہے، وہ اکثر محض توہمات ہیں اور غور کرنے کے بعد عقل کے ہوائی قلعے ثابت ہوتے ہیں، اگر ان کی علمی تنقید اور احتساب کیا جائے اور ان کو قریب سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ محض نقاطی اور ہوائی تھمی ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں، وہ لکھتے ہیں:۔

”ہیئت و عقلیات جن کا یہ مدعیان عقل دعویٰ کرتے ہیں اور ان کو نصوص کا مخالف بتلاتے ہیں، تنقید اور امتحان کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کوئی حقیقت نہیں تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچوں کو یا بچوں کی طرح ناواقف آدمی کو خالی سوئی ہوئی مشکیں ہلا کر اور بجا بجا کر ڈرائے، جب کبھی معقولات پر پورا غور

لے بیان موافقہ صریح بالمعقول صحیح المنقول جسد اول ص ۱۱۰

کیا جاتا ہے اور ان پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود رسول کی اطلاعات کی صداقت کے لئے دلائل و براہین کا کام دیتی ہیں اور یہ کہ اس کی اطلاعات سے جو کچھ لازم آتا ہے وہ صحیح ہے اور جس شخص نے اس کی نفی کی ہے وہ محض حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اور ظاہری اور باطنی طور پر عیوب ہو کر بالکل جیسے کوئی شخص مجبوراً باطل سے ڈرجائے اور سمجھے کہ وہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں یا کوئی شخص اپنے ضعف ایمان کی وجہ سے دشمن اسلام سے جو خود کمزور ہو، ہر اس زدہ اور اسیروں سے جو جائے دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

یہ لوگ جو فلسفہ کے ہیب و پرشکوہ الفاظ سے ان کی حقیقت کے جانے بغیر عیوب جو گئے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی نامزد دشمن سے محض ان کا لباس اور پوشاک دیکھ کر عیوب ہو جائے اور اس کو ان کی حقیقت حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئے لیکن جو شخص ان کی حقیقت دریافت کرے گا وہ دیکھے گا کہ وہ خود انتہائی ضعیف و عاجز ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَلِّقْ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ	ہم جلد ہی ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں ہراس
يَمَّا أَشْرَكُوا يَا مُدَّثِّرُ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ	کیونکہ انھوں نے شک کیا تھا اللہ کا جن کی اللہ نے کوئی
(آل عمران - ۱۵۱)	سند نہیں آتا۔

اہل دانش کی بے دانشی

وہ کہتے ہیں کہ ان اقوال و تدقیقات پر غور کیا جائے جن پر ان کو بڑا ناز ہے اور جن کو انھوں نے الہیات کا نام دیا ہے اور جن کو ان کے پیروان نبیاء علیہم السلام کے کلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، نظر انصاف سے دیکھا جائے کیا اس میں اور دیوانوں کی بے سروپا باتوں میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ بیان موافقہ صریح العقول بصیح المنقول جلد چہارم ۱۵۳ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۴

”صاحب عقل ان لوگوں کے کلام کو غور سے دیکھے جو بڑی مہارت اور تحقیق کے مدعی ہیں اور اپنی عقل و دانش سے انبیاء علیہم السلام کے کلام کو رد کرتے ہیں فلسفہ کی چوٹی پر پہنچ کر اور عقل و حکمت کے بلند ترین مقام سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو دیوانوں کی باتوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں جو صحیح و حق بات بدانتہا ثابت ہے اس کو رد کرتے ہیں اور جو بے بنیاد اور بے اصل بات جس کا بطلان بالکل یہی اور ظاہر ہے اس کو اپنے تلبیس آمیز کلام سے مقبول بناتے ہیں۔“

صریح عقل و صریح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا

لیکن امام ابن تیمیہ عقل کا پورا احترام کرتے ہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید میں جا بجا عقل سے کام لینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے، ان کے نزدیک صریح عقل اور صریح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے وسیع مطالعہ و طویل غور و فکر میں کبھی عقل و نقل میں تعارض و تضاد نہیں دیکھا، لیکن شرط یہ ہے کہ عقل سلیم ہو، اور نقل صحیح و محفوظ ہو، اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل ضخیم کتاب بیان موافقہ صریح المعقول للصریح المنقول تصنیف کی ہے، جس میں انھوں نے مفصل و مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ معتدل و منقول میں پوری موافقت ہے، اور جو باتیں وحی و نبوت کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہیں صریح و کامل عقل ان سب کی تصدیق کرتی ہے، عقل ہمیشہ ان نصوص و مقولات کی تائید و تصدیق کرتی رہی، اور جب بالغ نظر کا اور وقت نظر سے کام لیا جائے گا، عقل کو ان مقولات کی تائید و تصدیق ہی میں دیکھا جائے گا، وہ لکھتے ہیں:-

”صحیح و واضح عقلی دلائل جن میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ یقینی فطری علوم سب کے سب انبیاء علیہم السلام کی

اطلاعات کے موافق ہیں، مخالف نہیں اور صریح عقلی دلائل تمام نقل و روایت (سمیع) کے مطابق ہیں، ذرا بھی اس کے خلاف نہیں، احمد شہر نے مختلف فرقوں کا کلام اور ان کے مسائل پر غور کیا ہے، اور اسی بات کو صریح پایا ہے۔“

۱۔ ایضاً جلد سوم ص ۱۳۴ ۲۔ یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ۳۔ حصہ اول ص ۷۷

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”منقول صحیح کا کبھی حقول صریح معارض نہیں ہوتا میں نے اختلافی مسائل میں بھی اس اصول کی تحقیق کی اور میں نے یہی دیکھا کہ صحیح و صریح نصوص کے خلاف جو کچھ بھی پیش کیا جاتا ہے، وہ محض فاسد شہادت ہوتے ہیں جن کا بطلان عقل سے ثابت ہوتا ہے بلکہ عقل سے ان شہادت کے بالکل خلاف اور شرع کے بالکل موافق ثابت ہوتا ہے میں نے بڑے بڑے اصولی مسائل تو حید و صفا، مسائل قدر و ثبوت وغیرہ کو بھی اس نظر سے دیکھا اور یہی پایا کہ جو صراحت عقل سے ثابت ہوتا ہے کبھی ہمتی و نقول ان کے مخالف نہیں ہوتے، بلکہ وہ نقل و روایت جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صریح عقل کے خلاف، تحقیق سے یا تو موضوع حدیث ثابت ہوتی ہے یا اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے اس لئے وہ دلیل بنانے کے قابل نہیں ہوتی ہم جانتے ہیں کہ پیغمبرؐ ان چیزوں کی اطلاع نہیں دیتے، جو عقلاً محالات ہیں بلکہ ان چیزوں کی اطلاع دیتے ہیں جن میں عقل حیران و سرگشتہ ہوتی ہے وہ اس چیز کی اطلاع نہیں دیتے جس کی عقل نفی کرتی ہے، بلکہ اس چیز کی اطلاع دیتے ہیں جس کی حقیقت سمجھنے سے عقل عاجز رہتی ہے۔“

وہ دعویٰ سے کہتے ہیں (اور ان کا دعویٰ بڑا وزن رکھتا ہے) کہ ایک حدیث یا نقل بھی عقل کے مخالف نہیں اور اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو وہ اہل فن کے نزدیک ضعیف یا موضوع ہے۔

قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں

ان کو منکلبین و فلاسفہ کے اس دعویٰ کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا صحیفہ ہے جس کی بنیاد محض تعلیقات و سمعیات پر ہے انھوں نے جا بجا ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں بہترین عقلی دلائل ہیں اور دلائل ایسے محکم و قائل اور واضح الثبوت ہیں جن کو فلاسفہ اور منکلبین کے دلائل جو بحث و تنقید کے بعد تاریکیوں میں رہتے ہیں، پہنچ نہیں سکتے، وہ فراتے ہیں :-

لے حصہ اول مسئلہ

”اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں جن کی اس علم میں ضرورت ہے اور یہ فلاسفہ و متکلمین ان کا پورا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ جن دلائل و نتائج کو پیش کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کا خلاصہ بہترین طریقہ پر پیش کر دیا ہے۔“
دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات صالح اور اس کی صفات و افعال کی معرفت کے سلسلہ میں دنیا کے سامنے جو کچھ پیش کیا وہ صریح عقل کے مطابق ہے اور عقلاء کی بڑی بڑی عقلی بلند پروازیوں کے بلند ہے ان اگلے پچھلے فلاسفہ و متکلمین کو جن دلائل پر بڑا ناز ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ملتا آجاتے ہیں لیکن یہ فلاسفہ حق و باطل کی تلبیس کے عادی ہیں اس لئے اس کو یہ سیدھے طریقہ پر بیان نہیں کرتے۔“

رسول کی تعلیم میں لتباس نہیں

فلاسفہ و متکلمین اور ان کے ہمنواؤں کے گروہ میں بہت لوگ اس بات کے قائل تھے کہ رسول نے ذات و صفات کے بارے میں پوری تفصیل و تشریح سے کام نہیں لیا، بلکہ ان چیزوں کو محض مبہم طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید کا بہت سا حصہ شرح کا محتاج ہے اور خدا نے پچھلے دور میں متکلمین کو یہ توفیق دی کہ وہ اس کی شرح و تفصیل کریں اور عقائد و حقائق دینی کو مفصل و مدلل طریقہ پر امت کے سامنے پیش کریں، وہ کہتے ہیں کہ رسول کو بلاغِ مبہم کا حکم تھا، آپ نے ہر اس چیز کی تفصیل و تشریح کی جس کی تفصیل و تشریح دین کے لئے ضروری تھی، عقائد و اصول دین کی بنیادیں اور خدا کی ذات و صفات جس کے بغیر معرفت اور انسان کی سعادت و نجات ممکن نہیں کیسے محض مبہم چھوڑے جاسکتے تھے جس کتاب کے سمجھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور اس پر غور و تدبر کی جا بجا دعوت دی گئی ہے، وہ اس اجمال و ابہام کی حالت میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی، وہ لکھتے ہیں:-

”رسول نے تبلیغ کا حق ادا کیا، اور مکمل و واضح طریقہ پر خدا کی بات پہنچائی، اور اس کے مراد و نشان

کو واضح کیا، قرآن و حدیث میں اگر کوئی لفظ ایسا ہے جس کے ظاہری معنی نہیں لئے جاسکتے تو یہ ضروری بات ہے کہ رسول نے دوسرے لفظوں سے اس کے معنی و مراد کی تعبیر کی، ممکن نہیں کہ آپ ایسے لفظ بولیں جس کا ظاہری مفہوم و مدلول باطل ہو، اور آپ اس کی صحیح مراد بیان نہ کریں اور یہ بات بھی کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ آپ لوگوں سے کلام کے اس مطلب کے سمجھنے کا مطالبہ کریں جس کی آپ نے ان سے تشریح نہ کی ہو۔ اور جس کی رہنمائی نہ فرمائی ہو محض اس وجہ سے کہ لوگ اس کو اپنی عقل سے سمجھ سکتے ہیں، حقیقت میں اس رسول پر بہت بڑا اعتراض ہے جس نے خدا کی بات بے کم و کاست پہنچائی ہے۔
دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”الشرع اللہ نے رسول کو بلاغ مبین کا حکم دیا، اور آپ بڑھ کر اپنے رب کا کوئی فرمانبردار اور تابع نہ ہیں تھا، تو یہ ضروری بات ہے کہ آپ نے یہ بلاغ مبین پہنچایا، اس بلاغ مبین کے ساتھ آپ کے بیان میں تقاسم نہیں ہو سکتی، باقی جن آیات کے متعلق قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ مشابہا میں جن کی تاویل شرعاً کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تو یہاں تاویل سے مراد تفسیر نہیں بلکہ ان کی حقیقت ان کے وقوع کی شکل اور ان کا حال ہے۔“
امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ

غرض یہ کہ امام ابن تیمیہ نے اس بات پر پورا زور دیا ہے کہ عقائد کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب و سنت کو بنایا جائے اور انہی کے نصوص کو اس بارے میں معیار کا درجہ دیا جائے انہوں نے ساری عمر اس کی دعوت دی اور مشکل سے ان کی کوئی تصنیف اس سے خالی نظر آئے گی، اس طرح انہوں نے فکر اسلامی کو طاقت و تازگی بخشی، جو فلسفہ و علم کلام اور عجیبی روح سے بہت کچھ محروم و معطل ہو گئی تھی۔

۱۔ حصہ سوم ص ۱۷۷ حصہ اول ص ۱۷۷ امام ابن تیمیہ نے اپنی مختلف تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ تاویل کے تین معنی ہیں، ایک اصطلاح قرآنی جس سے مراد حقیقت و حال ہے، ایک اصطلاح بتقدیم جس سے مراد تفسیر ہے، اور ایک اصطلاح تاخیر میں تکلیف جس سے مراد کسی لفظ کے وہ معنی مراد لینا جو ظاہری طور پر نہ نکلتے ہوں کسی خاص وجہ سے۔

فہیات کا ماخذ کتاب و سنت

دورِ تقلید سے پہلے

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کسی ایک امام یا کسی ایک مذہب (فقہی) کی تقلید کا رواج نہیں ہوا تھا لوگ کسی ایک عالم کی تقلید یا کسی ایک مذہب کی تعین اور التزام کے بغیر عمل کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کر رہے ہیں اور براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے ہیں اسی طرح سے ضرورت کے وقت کسی معتبر عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے اور عمل کرتے تھے چوتھی صدی میں بھی کسی ایک مذہب کی تقلید خالص اور اس کے اصول و طریق پر فقہ حاصل کرنے اور فتویٰ دینے کا دستور عام نہیں تھا شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

چوتھی صدی میں بھی امت کے دو طبقوں کا معاملہ الگ الگ تھا عوام ان مسائل میں جو اجائی ہیں اور جن میں مسلمانوں کے درمیان یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں صاحبِ شرع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہی کی تقلید کرتے تھے وہ وضو، غسل اور نماز و زکوٰۃ کا طریقہ اپنے والدین یا اپنے شہر کے اساتذہ و مربیوں سے سیکھ کر اسی کے مطابق چلتے رہتے تھے اگر کوئی غیر معمولی صورت حال پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے جو ان کو میرا آتا، استفتاء کرتے تھے اس میں کسی مذہب کی شرط نہ تھی۔
خواص میں سے جن کا اشتغال حدیث نبوی سے تھا ان کو صحیح احادیث اور آثار صحابی کی موجودگی

میں کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی، کوئی مشہور صحیح حدیث جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے، اور جس پر عمل نہ کرنے کا کسی کے پاس کوئی عذر نہیں یا مجہور صحابہ و تابعین کے اقوال جو ایک دوسرے کے مؤید ہوتے تھے، ان کے لئے کافی تھے، اگر مسئلہ میں ان کو کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے قلب مطمئن ہوتا، اس وجہ سے کہ روایات متعارض ہیں، یا ترجیح کی وجہ ظاہر نہیں ہے، یا اسی طرح کا کوئی اور اشکال پیش آتا، فقہاء متقدمین میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیتے، اگر اس مسئلہ میں دو قول ملتے تو ان میں جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا، اس کو اختیار کرتے، خواہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا۔

جو ان میں سے اہل تخریج ہوتے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں کوئی صراحت نہ پاتے تخریج اور اجتہاد فی المذہب کے کام لیتے اور ان اہل تخریج کی ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی (جس میں وہ تخریج سے کام لیتے) اور کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا، خود محدثین میں سے جس کا کسی مذہب کی طرف زیادہ میلان ہوتا، اور وہ اکثر مسائل میں اس سے اتفاق کرتا، ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی چنانچہ زہبی اور بیہقی کو شافعی کہا جاتا ہے، اس وقت قضا و افتاء کے منصب پر انہی لوگوں کا تقریر ہوتا جو مجتہد ہوتے اور فقہ اس کو کہا جاتا جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا۔

تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب

چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے کچھ ان کے ذہنی اختلاف سید کے پست ہو جانے کی وجہ سے کچھ علی انخطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ اسی میں عافیت و مخالفت کبھی گئی کہ بیشتر و اکثر مجتہدین اور مذاہب مدونہ کی تقلید اختیار کر لی جائے، اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں تعین و التزام تھا، تقلید شخصی کی

لے جو اختراعات اور اصلاحات ہیں، باب حکایت حال علماء قبل ملت اسلامیہ و بعد۔

وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے، رفتہ رفتہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا، لیکن اس کی حیثیت بھی شرعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباع ہوئی سے بچانے کے لئے نیز عملی بہت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہو گئی، اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا، اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا، جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں، اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب و سنت کے مطابق ہونا ثابت ہے، اور جو بحث و مباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں، اور ان کی تدوین مکمل ہو چکی ہے، ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں، اس لئے ہم طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔

تقلید کی حیثیت

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب و سنت پر عمل کر رہا ہے، اور صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر رہا ہے، امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح واسطہ بن جائیے کوئی معاصر استاد اس کی حیثیت بعض ترجمان یا شایع کی ہے، مطاع یا شایع کی نہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ہیں:-

لا یدنین الا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	وہ مقلد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پابند
ولا یتقد خلا لا الامام الحدیث اللہ ورسولہ	ہے حلال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ اور رسول حلال کہیں
ولا حراما الا ما حرمہ اللہ ورسولہ لکن	اور امام اسی کو حرام کہتا ہے جس کو اللہ اور رسول حرام فرمائیں لیکن
لما لم یکن لہ علم بما قالہ النبی صلی اللہ علیہ	چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اس کو براہ راست
وعلوم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من	علم نہیں اور آپ جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں

کلامہ ولا بطریق الاستنباط من کلامہ اتباع
ان میں تطبیق کی اس کو یاقوت نہیں اور نہ آپ کے کلام سے
علماً راشداً علی انہ مصیب فی ما یقول
مشابہت کے اس کو لکھئے اس نے ایک حشر شد
و یفتی ظاہراً متبع سنتہ رسول اللہ صلی اللہ
عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتنہ
علیہ وسلم فان خالف ما یظنہ اقلع من
ہے رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو
ساعتہ من غیر جدال ولا اصرار
ہے اگر اس کے اس گمان کے خلاف کچھ گاتو وہ اسی وقت
بغیر کسی بحث و اصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی

سے بحث جٹے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا
ایسے عامی آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق اور بدایت کا انکار ہے،
اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے یہ رجوع
خواہ احیاناً ہو خواہ دائمی قابل اعتراض نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

۱۰ استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے چلا آ رہا ہے،
اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی عین شخص سے ہمیشہ استفتاء کرے یا کبھی ایک سے کہے
اور کبھی دوسرے سے کہے ایسی حالت میں کہ اس کے خیال میں وہی بات ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے (یعنی
یہ کہ اصل پیروی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے) اور اس میں کیا اشکال کی بات ہے جب کہ
ہم کسی بھی فقیہ پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف علم فقہ کی وحی کی ہے اور ہم پر
اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے ہم اگر ان فقہاء یا ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا
اقتداء کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اور اس کا قول یا لکھنا سنت

لہ حجة الشرا بالانجھ اول صلی اللہ

کے کسی صریح کلام پر مبنی ہوگا یا ان دونوں میں مستنبط ہوگا یا اس نے قرآن سے سمجھا ہوگا کہ فلاں صورت میں جو حکم شرعی ہے وہ فلاں علت کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہو گیا ہے اور اس غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں کہیں علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا اور مسئلہ جس کو مجتہد نے قیاس کیا ہے وہ اسی عموم کے تحت آیا ہے تو درحقیقت اس سب کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی لیکن بہر حال اس کے طریق میں کچھ غلطی چیزیں ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا (اور بات بالکل صراحتاً اور نقلاً ثابت ہوتی) تو کوئی صاحبِ بیان کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا اب اگر ہم کو رسولِ معصوم کی جن کی اطاعت ہم پر اللہ نے فرض کی ہے کوئی حدیث صحیح سند سے ایسی پہنچ جائے جو اس مذہب کے خلاف دلالت کرتی ہے اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس (فقہ کے قیاس) کی پیروی کریں جو ظنی ہے اور ایک اندازہ پر مبنی ہے تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا اور کل روز قیامت ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟

پچھلی صدیوں کا غلو و انحراف

لیکن رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا اور کہیں کہیں ائمہ کی حیثیت مائل و مسائل کے بجائے مقصود اور ایک طرح سے شائع اور مطاع کی پیدا ہو گئی لوگوں کو ان مذاہب کے بالذات دھپ اور ان کی اس درجہ مصیبت پیدا ہو گئی کہ وہ کسی حال میں ان کے ایک شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے اس سلسلہ میں عوام تو زیادہ قابل الزام نہیں کہ انھوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا اور ان کے لئے ترجیح کے اسباب معلوم کرنا اور ان کے مطابق ترک مذہب یا ایک مذہب کے دوسرے مذہب کی طرف انتقال مشکل بھی تھا اور خطرناک بھی لیکن بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا قطعی علم حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ جرح اور دوسرے امام یا مذہب کا مسئلہ راجع اور حدیث

دست کے مطابق ہے اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کیسی ہی صحیح و صریح احادیث میں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت اس کے لئے منشرح نہیں ہوتی، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ساتویں صدی کے مشہور شافعی عالم شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام لکھتے ہیں :-

ومن العجب العجیب ان الفقهاء المقلدین	حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام
یقنن احدہم علی ضعف ما خذا امامہ بحیث	کی دلیل کے ایسے ضعف کا علم ہو جاتا ہے جس کا کوئی جواب
لا یجید لضعفہ مدفعاً وھو مع ذلک یقلد	نہیں اور وہ اس کے باوجود اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کرتے ہیں
فیہ ویترک من شہد الکتاب والسنة	اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کا تاثر میں کتاب و سنت
والأقیسۃ الصحیحۃ لھذہم جوداً علی	اور صحیح قیاس میں بعض اشیاء کو ان کو امام کی تقلید سے
تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاہر الکتاب	انحراف گوارا نہیں بلکہ کتاب و سنت کے ظاہر مطلب کو دفع
والسنة ویترکھا بالتاویلات البیعدۃ	کرنے کے لئے دم زرا تدریس کرتے ہیں اور اپنے امام کی سنت
الباطلۃ نضالاً عن مقلدۃ	میں ہر طرح کے بعد اور بے بنیاد تاویلات کو اصرار کرتے ہیں۔

اسی طرح سے حوام کی ایک جماعت تھی جو اپنے امام کو معصوم من اخطاء وکھتی تھی اور جس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اس کو امام کی تقلید کی حال میں نہیں چھوڑنا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وفی من یکون علمیا ویقلد رجلاً من الفقهاء	(ابن روم کا یہ کہنا کہ تقلید حرام ہے اس سے امام کی تقلید کے
بعینہ ریخانہ یتبع من مثله الخطا واثماً	بائے میں صحیح ہے جو کسی ایک میں غلطی کا قائل ہے اور
قالہ هو الصواب البتۃ واضمر فی قلبہ ان	اس کا اعتقاد ہے کہ خطا اس سے نامکن ہے اور جو کچھ اس
لا یتراہ تقلیداً ولان ظہر الدلیل علی خلافہ	کہ دیاں مطلقاً ویقیناً صحیح ہے اور جس نے اس میں غلطی اور
وذلك ما رواہ الترمذی عن عدی بن عطاء	فیصلہ رکھا ہے کہ وہ اپنے امام کی تقلید نہیں چھوڑے گا

اِنَّهٗ قَالَ سَمِعْتَهُ بِعَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقْرَأُ اِتَّخَذَ وَالْاَخْبَارُ هُمْ وَرَهْبَانُهُمْ
اَرَبَابًا قَدْ دُفِنَ لَٰهُ قَالَ اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا
يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلَكِنْ هُمْ كَانُوْا اِذَا اَلُوْا اِلَهُمْ شَيْئًا
اَسْتَمَلُوْا وَاِذَا اَحْرَمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا لَّمْ يَمُرُّوْا
اِلَيْهِ
اگرچہ دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے اسی طرح کی
تقلید کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت عدی بن
حاتم نے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ
توبہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی اِتَّخَذَ وَالْاَخْبَارُ هُمْ وَرَهْبَانُهُمْ
اَرَبَابًا قَدْ دُفِنَ لَٰهُ (ان یہودیوں اور عیسائیوں نے)
اپنے علماء و مشائخ کو خدا کو چھوڑ کر اربابان دون اللہ
بنالیا اپنے فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کا
معاذ صرت یہ تھا کہ جس چیز کو یہ علماء و مشائخ حلال کر دیں
اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جس کو وہ حرام کر دیں گے حرام بنا لیتے تھے۔

امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں

اس طرح کی غیر مشروط و غیر تقييد پر جو اتباع و اطاعت رسول کے متوازی و بالمقابل ہے ہر زمانہ کے محققین
اور علماء و راہنہین نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ نہ تو ابن حزم اور بعض دوسرے غالی علماء کی طرح تقلید کی حرمت کے
قابل ہیں نہ ایسی غیر مشروط تقلید کی اجازت دیتے ہیں جس میں اور رسول کی اتباع و اطاعت میں کوئی فرق نہ ہو ان
علماء میں جن کی رائے اور تحریریں مثلاً میں بڑی متوازن اور معتدل ہے متقدمین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور متاخرین
میں شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں حافظ ابن تیمیہ ایک طرف تو اس واقعہ کا اظہار و اقرار کرتے ہیں کہ
عوام اور غیر مجتہد علماء کے لئے فقہاء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان کی تقلید سے چارہ نہیں اور یہ کہ اگر کسی
حیثیت و سائل اور وسائل کی ہے اور مذاہب کی پیروی ایک عملی ضرورت اور قدرتی امر ہے چنانچہ ایک جگہ

لے مجاہد ابی اللہ ص ۱۲۱

”اشر اور اس کے رسول کی اطاعت اور جس کو اشر اور اس کے رسول نے حلال کیا اس کو حلال سمجھنا اور جس کو اشر اور اس کے رسول نے حرام کیا اس کو حرام سمجھنا اور جس کو اشر اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا اس کے ساتھ واجب کا سامنا کرنا تمام انس و جن پر واجب ہے اور ہر شخص پر ہر حال میں شر اور علانیہ فرض ہے لیکن چونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے اس لئے لوگوں نے اس بارے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جو ان کو ان کی تعلیم دیں اس لئے کہ وہ رسول کی تعلیم سے زیادہ واقف ہیں اور اس کی مثال و مراد سے زیادہ باخبر ہیں پس ائمہ مسلمین کی جن کی سلمانوں نے پیروی کی ہے حیثیت وہی ہے جو مسائل و مسائل کی اور ان رہنماؤں کی ہے جو لوگوں کو رسول تک پہنچاتے ہیں اس کلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے اپنے اجتہاد و استطاعت کے مطابق آپ کی مراد سمجھاتے ہیں اشر تعالیٰ ایک عالم کو ایسا علم و فہم عطا فرماتا ہے جو دوسرے عالم کو حاصل نہیں اس دوسرے عالم کے پاس کسی دوسرے عالم میں ایسا علم ہوتا ہے جو پہلے عالم کے پاس نہیں اشر تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَذَاقُوا وَبَلَّغُوا لِيَوْمِ تَلْقَوْنَ فِيهِ فَمِمَّنْ قَبِلَ وَمِمَّنْ نَّكَرًا يَلْعَبُ مَرْشِدِينَ مِمَّنْ هُمْ أَهْلًا لِّمَنْ هُمْ يُنْفِقُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا كُلَّمَا دَعَيْنَا ۖ (الانبیاء: ۷۰-۷۱)

دیکھو داؤد و سلیمان دونوں خدا کے علیل القدر پیغمبر تھے دونوں نے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا اشر تعالیٰ نے ان میں سے ایک (حضرت سلیمان) کو اس مقدمہ میں خصوصی فہم عطا فرمایا ایک دونوں کی تعریف فرمائی علماء بھی انبیاء کے کرام کے وارث ہیں علماء کا اجتہاد احکام کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسے مختلف لوگ (انڈیہرے یا کسی نامعلوم جگہ پر، دلائل) و قرآن سے کعبہ کی سمت متعین کریں اگر چاہیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ ایک ایک سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک یقینہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہ ہے جس طرف وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے اگرچہ جس نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ ایک ہی ہوگا اور یہی وہ اجتہاد کرنے والا ہوگا جس کو دہرا جملے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے

اذا اجتهد الحاكم فاصاب فله اجر وان اجتهد فخطا فله اجر (جب فیصلہ کرنے والا

اجتہاد کرتا ہے اور صحیح فیصلہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرتا ہے اور

اجتہاد میں غلطی واقع ہوتی ہے تو وہ ایک اجر سے محروم نہیں رہتا۔)

لگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشوونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے

طالب عبادات و احکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے

لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا و رسول کا مطیع و فرمانبردار سمجھے اور اس کے لئے تیار رہے کہ

جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے گا، وہ بلا تردد اس کی پیروی اختیار کر لے گا۔

”انسان عام طور پر اپنے والدین یا اقایا اہل شہر کے دین و مذہب پر مٹا، اور بڑھتا ہے جیسے کہ بچہ دین

بارے میں اپنے والدین، سرپرستوں اور ہم وطنوں کی پیروی کرتا ہے لیکن ضروری ہے کہ انسان جب بالغ ہو

اور ہوش سنبھالے تو اس وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کی پابندی اختیار کرے خواہ وہ پابندی کسی

چیز میں ہو اور ان لوگوں میں نہ ہوں جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلَاةَ﴾ اِنَّا نَزَّلَ اللّٰهُ

قَالَ اَبْلَىٰ نَجْعَ مَا لَقَيْنَا عَلَيْهِ اَبَاءَنَا ﴿﴾ جب ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی پیروی کر دو تو انھوں نے

صاف جواب دیا کہ نہیں ہم تو اسی راستہ پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے پس جو شخص

اللہ و رسول کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادت اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی

پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا جو عیدِ خداوندی کے مستحق ہیں اسی طرح جس کے

لئے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکمِ شری واضح ہو گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا

ہے پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا تو وہ قابلِ مذمت اور حقِ عقاب ہے

ایسے عالم کے متعلق جو تحقیق و استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہ معلوم کر سکتا ہو کہ اس مسئلہ میں

راج قول کس کا ہے تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اما لا تدرك على الاستدلال فقول مجرم
عليه التقليد مطلقا، وقيل يجوز مطلقا
وقيل يجوز عند الحاجة كما اذا ضاق
الوقت عن الاستدلال فخذ القول
اعدل

جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے پاس میں
لیکھا قول تو یہ ہے کہ اس کے لئے تقلید مطلقا حرام ہے دوسرا
قول یہ ہے کہ مطلقا جائز ہے قیسر قول یہ ہے کہ ضرورت کے
وقت جائز ہے مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہ
راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے اور یہی

قول نیاہ منصفانہ اور قرین صواب ہے۔

ابن حنبل کو اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہوا اس کے لئے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر کسی جانب اس کو نصوص نظر آئیں
اور ان نصوص کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کو نصوص کی پیروی لازم ہے فرماتے ہیں:-

اما اذا قدر على الاجتهاد التام الذي
يمتد معه ان القول الآخر ليس معه
ما يدفع به النص فهذا يجب عليه
اتباع النصوص، وان لم يفعل كان
متبعاً للظن وما نهى الانفس وكان
من اكبر العصاة حقه ولرسوله

ابن حنبل اس کو ایسے اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہے کہ
اس کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی
دلیل نہیں ہے جس سے نص کو دفع کیا جاسکے تو اس پر نص
کی پیروی واجب ہے اگر ایسا نہ کرے گا اور مخالف نص
قیاس یا مسلحہ تقلید (ما ہم بہم) (تو یہ ایسا نہیں ہے)
إلا الظن وما نهى الانفس (وہ گمان اور
خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں یا گمان و خواہش
میں آئے گا اور اللہ و رسول کا برا بھلا نہ فرما اور گنا

کہا ہے گنا)

امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ

جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے انھوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب اصول پر فتویٰ دیا ہے اکثر مسائل میں ان کی رائے اور فتویٰ ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی نہ کسی امام کے اجتہاد و فتویٰ کے مطابق ہے اور بعض مسائل میں انھوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے اور کتاب سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں انھوں نے فتویٰ دیا ہے ان سب صورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح یہ ہے کہ وہ مذہب حنبلی کے مجتہد منتسب تھے۔

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر

امام ابن تیمیہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انھوں نے جس طرح کتاب سنت کو عقائد کا ماخذ بنانے کی پرزور دعوت دی اور خود کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا، اسی طرح کتاب سنت کو فقہیات و احکام کا ماخذ بنانے اور ان کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی اور اپنے زمانہ میں اس پر عمل کر کے دکھایا اور فَاِنَّ تَنَازَعُ عَنْهُ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ پر عمل کا نمونہ پیش کیا، ان کی اس دعوت نے ان فقہی دائروں و رامت کے علمی حلقوں میں جن میں عرصہ سے نئے غور و فکر اور احکام و مسائل کے کتاب سنت سے مقابلہ کرنے کا کام بند ہو گیا تھا اور اجتہاد و استنباط کا سلسلہ عرصہ سے مسدود تھا، نئی علمی و فکری حرکت اور براہ راست کتاب سنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا ہوئی، اس طرح سے انھوں نے اس صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرونِ اولیٰ میں پائی جاتی تھی اور مسلمانوں کی زندگی کی بنیاد تھی اور وہ اپنے ان تمام علمی و عملی کارناموں کی بنا پر تاریخ اسلام کی ان چیدہ شخصیتوں میں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید و احیاء کا کام لیا۔ ذَلِكُمْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

۱۔ مجتہد منتسب جو فروع و اصول میں مجتہد ہو لیکن اپنے طریق استدلال و طریق استنباط میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو اور عام طور پر اس کے دائرہ سے نہ نکلتا ہو۔ ۲۔ امام ابن تیمیہ کی فکری حیثیت اور ان کی مجتہدانہ درجہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے

ملاحظہ ہو: ابن تیمیہ از محمد ابو زہرہ ص ۲۵۲-۲۵۳ النساء - ۵۹ ۵۴ مجموعہ - ۴

تلامذہ و متسبین

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے تلمیذ و رشتہ دار

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ و مستفیدین کی تعداد بہت بڑی ہے ان کی مصروف اور اعیانہ زندگی اور ان کی موثر و بلند شخصیت کا یہ قدر قابل نتیجہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ پر قوت کے ساتھ اثر انداز ہوئے اور ان کے گرد تلامذہ اور معتقدین کا ایک بڑا گروہ جمع ہو جائے لیکن ان کے تلامذہ میں سے ان کے ایسے ناز شاگرد اور ان کے علوم کے مرتب و ناشر حافظ ابن قیم کو جو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئی، وہ زندگی بھر اپنے استاد کے شریک حال اور آخری لمحو تک ان کے رفیق رہے اور ان کے انتقال کے بعد بھی ان ملک و مشرب پر قائم اور ان کی محبت و عقیدت میں سرشار رہے ان کی علمی خدمات ان کی جلالت قدر اور ان کے کمالات اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مستقل کتاب لکھی جائے اور ان کی تصنیفات اور علمی تحقیقات پر مفصل تبصرہ ہو، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں، ان کے احوال و نامور شاگرد حافظ ابن رجب حنبلی نے طبقات احنابلہ کے ذیل میں ان کے جو کچھ حالات لکھ دیے ہیں زیادہ تر وہی نقل کئے جاتے رہے ہیں، درحقیقت انھوں نے اپنی زندگی اور شخصیت کو اپنے استاد اور شیخ کی زندگی میں ایسا گم کر دیا کہ ان کا کوئی مستقل وجود اور شخصیت نظر نہیں آتی، یہاں ان کے وہ حالات زندگی درج کئے جاتے ہیں، جو مل سکے۔

نام و نسب

محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، شمس الدین لقب، زُرعی نسبت، والد کا نام ابو بکر بن ایوب تھا، دمشق میں پیدا ہوئے، وہیں عمر گزری، اور وہیں مدفون ہوئے ان کے والد مدرسہ جوزیہ کے مہتمم تھے، اس کی نسبت سے وہ ابن قیم الجوزیہ اور اختصاراً ابن القیم کہلاتے ہیں، ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، الشہاب النابلسی العاصرقاضی تقی الدین سلیمان، فاطمہ بنت جوہر، عیسیٰ بن مطعم، ابو بکر بن عبد الدائم وغیرہ اساتذہ وقت سے حدیث کی سماعت کی، اور مذہب حنبلی کی فقہ میں مہارت پیدا کی اور فتویٰ کا کام شروع کیا، پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دامن ایسا پکڑا کہ مرتے وقت تک ان سے جدا نہ ہوئے، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حافظ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ میں مصر سے واپس آئے تو حافظ ابن قیم نے ان کی ایسی صحبت اور رفاقت اختیار کی کہ انتقال تک ساتھ نہیں چھوڑا۔

علمی مرتبہ

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ تمام علوم اسلامیہ میں دخل تھا، لیکن تفسیر میں ان کی نظیر نہیں تھی، اصول دین میں بھی وہ درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے، حدیث، فقہ حدیث اور دقائق استنباط میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا، فقہ اصول فقہ اور عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا، علم سلوک اور اہل تصوف کے اشارات و دقائق پر بھی وسیع نظر تھی، میں نے قرآن و سنت کے معانی اور دقائق ایمانی کا ان سے بڑا عالم نہیں پایا، وہ معصوم تو نہیں تھے، لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان کا جیسا آدمی نہیں دیکھا۔
علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن القیم کو متون حدیث و رجال حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی، وہ فقہ

کے مطالعہ میں ہی مشغول رہتے تھے، اور اس کے مسائل کو بڑے شرح و بسط سے لکھتے تھے، ان کی تدبیر اور اصول حدیث میں بھی اچھی مہارت تھی۔

زہد و عبادت

حافظ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ کثیر العبادت اور بڑے شب بیدار تھے، ان کی نماز بڑی طویل اور پرسکون ہوتی تھی، وہ ہر وقت ذکر شاغل رہتے تھے، اور ان میں محبت الہی کا ایک جوش اور انابت کی ایک خاص کیفیت تھی، ان کے چہرے پر بارگاہ خداوندی کی طرف فقر و احتیاج اور عجز و انکسار کا نور نظر آتا تھا، اس کیفیت میں ہی نے ان کو بالکل منفرد پایا، انھوں نے کئی حج کئے، اور صرہ تک مکہ معظمہ میں قیام کیا، اہل مکہ ان کی کثرت عبادت اور کثرت طواف کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجب حیرت ہیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن قیم بڑی محبت کے آدمی تھے، نہ کسی سے حسد رکھتے، نہ کسی کو ایذا پہنچاتے، اور نہ کسی میں عیب نکالتے، میں ان کا بڑا رفیق اور محبوب تھا، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں دنیا میں ان سے زیادہ کوئی عابد اور کثیر النوافل تھا، وہ نماز بڑی طویل پڑھتے تھے، اور کعبہ و مسجد للہ کیا کرتے تھے، بعض اوقات ان کے احباب ان کو ملامت بھی کرتے، لیکن وہ اس کو ترک نہیں کرتے تھے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے اپنے امور و احوال میں ان کی نظر کم ہو گئی ہو۔

ابتلاء و آزمائش

اپنے اساذم شیخ کی طرح وہ بھی ابتلاء و آزمائش اور محاببات کی منازل سے گزے، آخری بلا حبس کی تھی، ابن تیمیہ قلعہ میں قید کئے گئے تو وہ بھی مجوس ہوئے، اور ان سے طعنہ دے گئے، شیخ کے انتقال کے بعد ان کی مائیں

ہوئی، اس پوری مدت اسارت میں وہ تلاوتِ قرآن اور اس کے معانی و تدبیر و تفکر میں مشغول رہے، ابنِ رجب لکھتے ہیں:-

ففتح عليه من ذلك خير كثير وحصل له جانب
عظيم من الاذواق والمواجيد الصميمة
وتسلط ييب ذلك على الكلام في علوم
اهل المعارف والدخول في غوامضهم
وتصانيفه مملئة بذلك
اس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا، ان کو اذواق و
مواجید صمیمہ کا ایسا حصہ ملا جس سے اہل معارف
کے علوم اور ان کے غوامض و دقائق کا بھنا اور
سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا، ان کی تصنیفات
ان مضامین سے لبریز ہیں۔

ان کے تلامذہ اور معاصرین کا اعتراف

علماء کی ایک بڑی جماعت نے امام ابن تیمیہ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد ان سے علم حاصل کیا
اور استفادہ کیا، فضلاء عصر ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کے تلمذ کو شرف سمجھتے تھے، ان کے تلامذہ میں
ابن عبد اللہ دی اور ابن رجب جیسے اکابر ہیں، قاضی برہان الدین زرعی کا ان کے متعلق مقولہ ہے کہ اس وقت
آسمان کے نیچے ان سے زیادہ وسیع العلم آدمی نظر نہیں آتا۔

تدریس و تصنیف

حافظ ابن قیم نے عرضہ تک مدرسہ صدریہ میں درس دیا، بعد ازیک امت مدت تک ان کے سپرد رہی انھوں نے
اپنے علم سے کثرت کتابیں لکھیں، ابن رجب کہتے ہیں کہ ان کو کتابت و مطالعہ و تصنیف اور کتابوں کی خریداری کا بڑا شغف
تھا، اس شوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایک بڑا کتب خانہ جمع کر لیا جس میں بہت سی کتابیں ان کے ہاتھ کی نقل کی ہوئی تھیں۔
ان کی تصنیفات کی خصوصیت

ان کی تصنیفات حسن ترتیب اور تالیفی سلیقہ میں اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کی تصنیفات سے بھی ممتاز ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں تصوف کی صلاوت عبارت کی سلاست اور دل آویزی زیادہ پائی جاتی ہے۔
یہ غالباً ان کے مزاج کا نتیجہ ہے جس میں جلال سے زیادہ جمال ہے۔

اہم تصنیفات

ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے ان میں سے اہم کتابیں حسبِ ذیل ہیں: "تہذیب بنی داؤد"
"مدارج الشاکلین بین منازل آیات نعبد و آیات نستعین" (یہ شیخ الاسلام عبد الشہر انصاری ہروی کی تخریج و تفسیر)
کی شرح ہے اور تصوف و سلوک کی بہترین کتابوں میں ہے) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (اہم اس پر مفصل تبصرہ
کریں گے) "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" اعلام الموقعین عن رب العالمین (یہ فقہاء و
اہل فتویٰ و حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے معلومات کا گرانقدر خزائن اور ان کی بہترین تصنیفات
میں سے ہیں) الکافیۃ الشافیہ فی الانتصار للفرقة الناجیۃ، القواعد المرتبطۃ علی الجہمیۃ و المعطلۃ بحادی
الاسواح الی بلاد الافراح (جنت کے وصف اور حالات میں اعلام الموقعین کے حاشیہ پر) کتاب السداد
والدواء، مفتاح دار السعادة، اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ و الجہمیۃ، عقدۃ الصابین، فقیر
الشاکلین، بدائع الفوائد، الکلم الطیب و العمل الصالح، تحفة الودود بحکام اللولود، کتاب الروح، شفاء
العلیل فی مسائل القضاء و القدر و الحکمة و التحلیل، نفحة الانوار و تحفة الافراح، الفوائد، الطرق الحکیہ
فی النیاسۃ الشرعیۃ، الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، روضة المحبین و نزہۃ المشاقین، اغاثۃ
اللفغان فی مکائد الشیطان، طریق المہجرتین و باب السعادتین۔

وفات

۲۳ رجب ۹۱۷ھ میں چہار شنبہ کے دن رات کو انتقال کیا، اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں

ناز جنازہ پڑھی گئی اور باب الصغیر کے مقبرہ میں دفن ہوئے زخمہ اللہ و رفع درجاتہ۔

زاد المعاد

حافظ ابن قیم کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں، کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں ان کی خصوصیات میں سے ہیں ان کی تصنیفات میں سے متعدد کتابیں اس کی مستحق ہیں کہ ان کا مفصل تعارف کرایا جائے اور ان کے مضامین اور فوائد کی تلخیص کی جائے، لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اور اس کا صحیح محل حافظ ابن قیم کی مستقل سیرت و سوانح ہے ان کی تصنیفات میں سے علمی حیثیت سے اعلام الموقعین اور ذوقی و اصلاحی لحاظ سے مدارج الناکلین یا اغاثة اللفغان اس کی مستحق ہے کہ اس پر اس طرح سے تبصرہ اور اس کا مفصل تعارف کرایا جائے جس طرح ہم نے اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح اور التردی علی المنطقیین کا کیا ہے، لیکن ہم یہاں تعارف و تبصرہ کے لئے ان کی جلیل القدر اور شہرہ آفاق تصنیف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد کو منتخب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی اکثر تصنیفات کی خصوصیات کی جامع اور بیک وقت سیرت، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف و احسان کی کتاب ہے، عمل و اصلاح کے لئے اعیان العلوم کے بعد شاید کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی، تحقیق و استناد اور کتاب و سنت کی مطابقت کے لحاظ سے اس کتاب اعیان العلوم پر بھی ترجیح حاصل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا ہے جو بڑی حد تک دینیات کے کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے، اور ایک مرتبی، مرشد اور فقیہ و محدث کا کام دے سکے، جن لوگوں پر حدیث کا ذوق غالب رہا ہے، اور جن کو سنن و آداب نبوی کے اتباع کی حرص، اور اہتمام رہا ہے، ان کو اس کتاب سے بڑا شغف رہا ہے، اور انھوں نے اس کو اپنا چراغ راہ، رفیق طریق اور زاد سفر سمجھا ہے، یہ کتاب ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۲۹۸ھ اور مصر سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی، ہندوستانی ادیشن بڑے سائز کے

لے مشہور قبیح سنت اور متوجع عالم ہوا، ناسید عبداللہ غزنوی کی سیرت میں ہے کہ زاد المعاد کی طلب میں دل کے جوش سے زاری کرتے

تھے اور فرماتے تھے یا ارحم الراحمین زاد المعاد کو میری آخرت کا توشہ بنا (۲۴)

۱۳۷ صفحہ اور پھر اڈیشن باریک ٹائپ کے ۹۳۶ صفحات میں ختم ہوا ہے کتاب کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے۔

”یہ چند مضامین ہیں جن کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کی معرفت آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونے کا ذرا بھی اہتمام ہو،

یہ ایسی حالت میں لکھے گئے ہیں کہ دل تھکا ہوا ہے اور علم کی پونجی قلیل ہے اس کی تحریر کی نوبت

قیام کے بجائے سفر کی حالت میں پیش آئی ایسی حالت میں کہ قلب متشرور پر آگندہ، کجی مفقود، کتابیں جن سے

رجوع کیا جاسکے ناپید اور ایسے اہل علم جن سے علمی استفادہ و مذاکرہ کیا جاسکے نایاب ہیں۔

مصنف کا یہ بیان اگر کتاب کی ابتداء اور بعض ابواب و فصول کے متعلق ہے تو چنداں موجب حیرت

نہیں لیکن اگر پوری کتاب کے متعلق ہے تو یہ نہایت حیرت انگیز بات ہے اس لئے کہ کتاب میں حدیث کے

متون و اسانید اور رجال کی جو مفصل بحثیں سیرت و تاریخ کی جو جزئیات اور مسائل و احکام میں جو حدیث تراز

و فقہانہ کلام ہے اس سے ایک عام ناظر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتاب ایک نہایت وسیع و عظیم الشان

کتب خانہ میں بیٹھ کر تصنیف کی گئی ہے اگر یہ صحیح ہے کہ ساری کتاب حالت سفر میں لکھی گئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا

ہے کہ اس کے مصنف کو علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث و فقہ پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا اور علوم دینیہ

کا کتب خانہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، اور وہ اپنی قوتِ محظوظ و استحضار میں محدثین و متقدمین کی یادگار اور

اپنے باکمال و نادرہ روزگار اتاذ کے صحیح جانشین و نمونہ تھے، حافظ ابن قیمؒ نے اس کتاب کے شروع میں

بعثت نبوی اور مراتبِ وحی کی تفصیل بیان کی ہے، مراتبِ وحی اور الواویر وحی کے سلسلہ میں انھوں نے

جو استیعاب کیا ہے وہ سیرت کی عام کتابوں میں نہیں ملتا، پھر وہ مدارج بیان کئے ہیں جن سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام گزری، اسامی مبارک اور ان کے معانی اور نکات پر انھوں نے

حسب معمول و سبب و لطیف بحث کی ہے اس پورے سلسلہ میں اپنی اور اپنے شیخ کی عادت کے مطابق کثرت

لے زاد العاد۔ حصہ اول ص ۱۵ (نقائی) لکھ ایضاً ص ۱۵

فقہی و نحوی مسائل و نکات اور بعض وجدانی اور ذوقی مسائل لکھ دیئے ہیں اسی سلسلہ میں انہوں نے سیرت کے عام معلومات اور ذات نبوی سے تعلق رکھنے والی تفصیلات و جزئیات جمع کر دی ہیں اور اخلاق و شمائل، عادات و معمولات کا اچھا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اس کے بعد انہوں نے آپ کی عبادات ہیئت صلوٰۃ اور اس کے سنن اور عادات کی دقیق تفصیلات پیش کی ہیں جو ان کے وسیع و دقیق مطالعہ حدیث کا خلاصہ اور ان کے علم کا پتھر ہے، اس سلسلہ میں ان کا محدثانہ رنگ اور محققانہ طرز صاف جھلکتا ہے اس ضمن میں اصول فقہ اور اصول حدیث کی بعض نازک بحثیں اور فن رجال کی بعض قیمتی معلومات بھی آگئی ہیں کتاب کے یہ ابواب جو عبادات اور ارکان اربعہ سے متعلق ہیں، محض کتاب الاحکام یا فقہ و خلاف کی کتاب بن کر نہیں رہ گئے ہیں ان میں جا بجا مصنف نے بڑے وجدانگیر اور ایمان آفریں ذوقی و وجدانی مضامین اور لسیف علمی نکات شامل کر دیئے ہیں، زکوٰۃ و صدقہ کے باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ فخر الصدقہ مطئن النفس اور سرور القلب تھے اس لئے کہ صدقہ اور حسن سلوک کو شرح صدر کے باب میں بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور ان کے خصائص و توابع کے لئے آپ کا سینہ مبارک پہلے ہی کھول دیا تھا، اور حتیٰ طور پر آپ کا شرح صدر فرمایا تھا، اور سینہ مبارک سے شیطان کے حصّہ کو بالکل خارج کر دیا تھا، ان اخلاق (سخاوت و بذل و ایثار) سے اس شرح صدر میں اور اضافہ ہوا اس کے بعد وہ تفصیل سے سیرت نبوی پر اس لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں، اور شرح صدر کے ابواب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”شرح صدر کے بہت سے ابواب ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہ کمال

و تمام حاصل تھے، شرح صدر کا سب سے قوی و اہم سبب توحید ہے وہ جس قدر کمال اور قوی

ہوگی، اتنی ہی شرح صدر زیادہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَفَحَسْبُ شَرَحِ اللّٰهُ صَدْرًا

لِلْإِسْلَامِ فَهَوَّ عَلَى نُورَيْنِ رَیِّیَہُ (بھلا جس کا سینہ کھول دیا، اللہ نے اسلام کے لئے تو وہ اچالے
 میں ہے اپنے رب کی طرف سے) نیز ارشاد ہے "فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ مَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ"
 وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ مَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ (جو جس کو چاہے اللہ کے
 راہ دے، کھول دے اس کا سینہ فرمانبرداری کے لئے، اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ
 تنگ کر دے تنگ، بند گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر) پس ہدایت اور توحید شرح صدر کے
 عظیم ترین اسباب میں سے ہے اور شرک و گمراہی سینہ کی تنگی اور شکش اور تکدر کا بہت بڑا سبب ہے
 اسی طرح شرح صدر کا ایک سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں داخل فرما دیتا ہے اور
 وہ نور ایمان ہے جو سینہ کو وسیع اور شرح اور قلب کو شادان اور فرحان رکھتا ہے جب یہ نور بندہ کے
 دل سے غائب ہو جاتا ہے تو دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ کو ایسا محسوس ہونے لگتا
 ہے کہ وہ ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں گرفتار اور ایک تکلیف دہ شکنجہ میں کسا ہوا ہے ترمذی کی روایت ہے
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا دَخَلَ الْقَلْبُ الْغَمَّ وَالْشَّرْحُ قَالُوا وَمَا عَلَامَةُ
 ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِبَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالْجَهَنَّمِ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ
 قَبْلَ نَزْوَلِهِ (جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے اور شرح ہو جاتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا
 یا رسول اللہ اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار بقا کی طرف شوق اور شوق اور دار فنا سے بے رغبتی اور رشتہ اور دوستی
 آمد سے پہلے موت کی تیاری) انسان کو جس قدر اس نور کا حصہ ملتا ہے اسی کے بقدر وہ شرح صدر کا درجہ حاصل
 ہوتا ہے اسی طرح حتیٰ ذریعے بھی شرح صدر اور حتیٰ ظلمت سے ضیق صدر اور دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے اور ان ہی
 ابتداء شرح صدر میں ایک علم بھی ہے وہ سینہ کو شرح اور وسیع کرتا ہے یہاں تک کہ عالم کا سینہ دنیا سے
 زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اس کے بالمقابل جہل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے جس قدر بندہ کا

علم وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کا سینہ فراخ اور قلب فشرح ہوتا ہے لیکن یہ دولت ہر عالم کے نصیب میں نہیں یہ صرف اس علم کی خاصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق وراثت چلا آ رہا ہے اور وہ علم نافع ہے جن لوگوں کو یہ علم نافع حاصل ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ فشرح، وسیع القلب، خوش اخلاق اور خوش عیش ہوتے ہیں ایک سبب انابت الی اللہ ہے یعنی پورے دل سے اس کے ساتھ محبت کرنا اس کی طرف توجہ اور رجوع اور اس کی عبادت سے لطف حاصل کرنا، واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی چیز الشرح اور سرور پیدا کرنے والی نہیں اگر تم کو کبھی یہ دولت نصیب ہو تو تمہاری زبان سے بے اختیار نکل جائے گا کہ اگر جنت میں بھی یہی حالت نصیب ہوئی تو بڑا عیش ہے محبت کو شرح صدر، اطمینان نفس اور عیش قلبی میں بہت بڑا دخل ہے اس کا اندازہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس نے کبھی اس کا لطف اٹھایا ہو جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی سینہ فراخ اور شرح ہوگا، دل اسی وقت تنگ اور کمزور ہوگا جب بیکاروں اور اس دولت سے محروم لوگوں پر نظر پڑے گی ان کی دید آنکھ کی کھٹک اور ان کی صحبت روح کا ٹھنڈا ہے، اسی کے بالمقابل انقباض و کمزور کا ایک بہت بڑا سبب شرعاً سے اعراض اور اس کی غیر اللہ کے ساتھ گرفتاری اور اسیری اور ذکر اللہ سے غفلت اور ماسوی اللہ سے محبت ہے اس لئے کہ جس کو جس ماسوی سے محبت ہوتی ہے اسی کے ہاتھوں اس کو دکھ دیا جاتا ہے اور اس کا دل اس غیر کی محبت میں برابر فقیر اور گرفتار رہتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ بد بخت اس سے زیادہ بد مزہ اور بے لطف اس سے زیادہ محروم و بے نصیب اور اس سے زیادہ خستہ دل اور تفتہ جگر نہیں ہوتا ہے حقیقت میں محبت کی دو قسمیں ہیں ایک محبت وہ ہے جو دنیا کی جنت نفس کا سرور قلب کی لذت، روح کا عیش اس کی غذا اور دوا بلکہ اس کی زندگی اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور وہ خدائے وحدہ لا شریک کی پورے دل کے ساتھ محبت میلان و ارادہ کی تمام

لَا تَجْعَلُوا أَمْوَالَكُمْ أَبْوَابًا يُعْطَاكُمْ مِنْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۚ خَالُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝
(التوبہ - ۵۵)

توڑوں کا اس کی طرف انجذاب اور کشش ہے اور ایک محبت وہ ہے جو روح کا عذاب نفس کی کلفت،
 قلب کا جیل خانہ اور سینہ کی تنگی اور درد و حرمان، کلفت و تعب کا سبب ہے اور وہ ماسویٰ کی محبت ہے
 شرح صدر کا ایک سبب ہر حالت اور ہر موقع پر دوام ذکر ہے ذکر کو انشراح صدر میں عجب دخل ہے اور
 اس سے دل کو عجیب اطمینان و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح غفلت کو دل کی تنگی، انقباض، اور کلفت
 و اذیت میں بڑا دخل ہے ایک سبب مخلوق پر احسان اور مال و جاہ، بدن اور انواع احسان سے
 نفع پہنچانے کی طبیعت ہے کریم اور محسن انسان بڑا انشراح الصدق مطلق النفس ہوتا ہے اور اس کو
 بڑا قلبی سرور اور سکون حاصل ہوتا ہے وہ بخیل جس میں احسان کا مادہ نہیں ہے بڑا دل تنگ، بد حال،
 اور مغموم رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے والے صاحب یشار کی مثال دی ہے کہ
 ایک شخص پر لوہے کی ڈوڑر میں ہیں وہ جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے زہر کھل جاتی ہے اور پھیل جاتی ہے
 یہاں تک کہ اس کے کپڑے زمین پر پڑتے ہیں اور اس کے قدموں کے نشان مٹے چلے جاتے ہیں اور بخیل کا
 حال یہ ہے کہ زہر کی ہر کڑی اس کے جسم سے چپٹ جاتی ہے اور اس میں کوئی وسعت و فراخی نہیں
 پیدا ہوتی، شرح صدر کا ایک سبب شجاعت ہے مرد شجاع بڑا انشراح الصدق فرخ و صلہ اور وسیع
 انقلاب ہوتا ہے اس کے بالمقابل بزدل بڑے چھوٹے دل کا ہوتا ہے جس کو فرحت و سرور اور لذت
 و عیش میں سے صرف اتنا حصہ ملتا ہے جتنا حیوانات و بہائم کو نصیب ہے باقی روحانی سرور و لذت
 اور فرحت و مسرت سے بزدل بالکل ہی محروم ہوتا ہے جیسے ہر بخیل، اللہ سے اعراض کرنے والا، اس کے
 ذکر سے غافل اس کی ذات و اسماء و صفات اور اس کے دین سے بے خبر اور ماسوا اللہ کا گرفتار
 اس دولت سے بے نصیب رہتا ہے یہی عیش و سرور قبر میں جا کر باغ و بہار بن جاتا ہے اور یہی دل تنگی اور
 انقباض وہاں پہنچ کر عذاب و جیل خانہ کی شکل میں نظر آتا ہے انسان کا قبر میں وہی حال ہوگا جو
 قلب کا سینہ میں یہاں حال ہے یہاں کا عیش وہاں کا عیش، یہاں کا عذاب اور گرفتاری وہاں کا

عذاب اور گرفتاری اور یہاں کی آزادی وہاں کی آزادی ہے، باقی عارضی طور پر اہل ایمان و یقین کو یہاں (کسی اتفاقی واقعہ یا خارجی سبب، فقر، مخالفت، امراض وغیرہ کی وجہ سے) جو ایک طبعی تکتہ و انقباض حاصل ہوتا ہے اور اہل کفر و غفلت کو (دولت و حکومت اور حیوانی لذتوں کی وجہ سے) جو قوی سرور لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے اس کا اعتبار نہیں، اعتبار اس کیفیت کا ہے جو ملک بن جائے اور قلب میں دائمی طور پر پائی جائے، ایک سبب قلب کا ان صفات مذمومہ سے پاک و صاف ہونا ہے، دل کی تنگی اور قسبی تکلیف کا سبب ہوتی ہے اور قلب کی شفاء اور عافیت سے مانع ہوتی ہے انسان اگر شرح صدر کے اور اسباب پیدا کرے اور ان اوصاف مذمومہ کو قلب سے خارج نہ کرے تو اس کو شرح صدر کی دولت کا کوئی بڑا حصہ حاصل نہیں ہو سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر دو واقعے باقی رہیں گے جو وقتاً فوقتاً اس کے دل پر حملہ کرتے رہیں گے، ایک سبب یہ ہے کہ انسان غیر ضروری چیزوں کا دیکھنا، غیر ضروری کلام، غیر ضروری باتوں کا سننا اور بے فائدہ اور بے مقصد ملنا جلنا، کھانا پینا، سونا پھوڑ دے اس لئے کہ بیزوائے قلب کے لئے آلام و مصائب بن جاتے ہیں جو اس کو تنگ اور منقبض کر دیتے ہیں، اور دل ان سے تکلیف پاتا ہے، دنیا اور آخرت کے عذاب کا بڑا حصہ انہی چیزوں کا نتیجہ ہے، بحان الشرح و شخص ان تمام وادیوں میں سرپٹ دیتا ہے وہ کیسا بھال، پرانندہ بال اور تنگ دل رہتا ہے، اس کے بالمقابل اس شخص کی خوشحالی اور خوش حالی کا کیا محکاٹ ہے جو ضائل محمودہ میں سے ہر خصلت متصف اور ان صفات محمودہ کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے، اسی گروہ کی شان میں آیات اللہ برآئنی تعظیم اور پہلے گروہ کی شان میں آیات اللہ برآئنی تعظیم وارد ہوا ہے ان دونوں حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب اور درجے ہیں، اور ان کے درمیان ایسا تفاوت ہے جس کا صحیح انداز صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب مولانا الشرح علیہ وسلم ہر اس صفت میں جس سے شرح صدر و وسعت قلب، خشکی چشم اور حیات روح حاصل ہوتی ہے، مخلوق

خداوندی میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بڑے ہوئے تھے، اسی کے ساتھ آپ کو حسی و جسمانی طور پر بھی وہ شرح صدر حاصل تھا جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، مخلوق میں جو شخص آپ کا جتنا زیادہ پیرو ہوگا، اور اتباع نبوی کی جس میں جتنی زیادہ شان نمایاں ہوگی، اتنی ہی زیادہ اس کو شریعت صدر لذت و انبساط کی دولت حاصل ہوگی۔ آپ شریعت صدر رفع ذکر اور وضع ذکر کے اعلیٰ ترین مقام اور نقطہ عروج و کمال پر فائز تھے، آپ کے پیروؤں اور قسبین کو آپ کی پیروی اور اتباع کے بقدر اس دولت سے حصہ ملتا رہے گا۔

مصنف نے اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ عبادات و ارکان و احکام کے مسائل بیان کرنے سے پہلے ان کی حکمت اور ان کے فوائد و اسرار بھی بیان کر دیں، اور اس سلسلہ میں انھوں نے بڑے جامع اور دلنشین طریقہ پر حکمت تشریع اور ان عبادات و ارکان کے حکم و فوائد اور ان کی تشریع کی تاریخ بیان کی ہے، اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے صوم کے متعلق لکھتے ہیں:-

سیمام (روزہ) سے مقصود نفس کا خواہشات نفسانی سے روکنا اور ان چیزوں سے رکنے کی عادت پیدا کرنا ہے جن کا انسان خوگر ہے اور جن سے وہ مانوس ہے اور اس کی قوت شہوانی میں اتنا اعتدال پیدا کر دینا جس سے اس کے اندر ان چیزوں کے حصول کا جذبہ پیدا ہو جو اس کے لئے باعث سعادت اور عیش و جاودانی کا سبب ہیں، اور ان چیزوں کے قبول کرنے کا جن سے اس کی مغالی اور ترقی ہو، اور جن میں اس کی حیات ابدی ہے، نیز بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کرنا ہے روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے

لے واضح ہے کہ یہ شرح صدر شریعت صدر کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس کو تمام محققین اہل سنت اور علماء سیرت تسلیم کرتے ہیں اور جس کا تذکرہ حافظ ابن قیم نے بھی زاد العاد میں کیا ہے۔ **لے** "الْمَنْ شَرَعَ لَكَ مَذْرَعًا وَ مَضْمَنًا حَلَّةً وَ زَكَاةً الَّتِي أَنْتَقَى ظَهْرَهُ وَ زَكَاةً الَّتِي دَكَّرَ" (کیا ہم نے نہیں کھول دیا تمہارا سینہ اور اتار دیا تم سے تمہارا بوج جس نے توڑی تھی پیچہ تمہاری اور اونچا کیا

مذکور تمہارا) **لے** صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۰ حصہ اول (نقائ) ۱۵۵-۱۵۶ (سینیہ مصر)

جن کو معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا کرنے کے لئے سا یاں نصیب نہیں، روزہ کھانے پینے پر پابندی عائد کرنے اور اس کے استعمال کو محدود کر دینے کے ذریعہ شیطان کو انسان کی زندگی میں تصرف کرنے اور من مانی کارروائی کرنے سے روک دیتا ہے اور انسان اس کی برکت سے اپنی طبیعت کا ایسا تابع فرمان نہیں رہ جاتا کہ ہر دم اس کی پیروی کرتا رہے اور اپنے معاش و معاد کا کچھ خیال نہ کرے وہ ہر عضو انسانی میں سکون پیدا کرتا ہے، یہی قوت اور کثرتی سے روکتا ہے انسانی خواہشات کے لگام دیتا ہے، وہ متقین کی لگام نفس و روح کی محرکہ آرائی میں زندہ اور سپر اور برابر و مقربین کی ریاضت ہے انسان کے تمام اعمال میں وہ مثلاً عالمین کا حصہ خاص ہے ایک روزہ دار کرتا کیا ہے، یہی کہ اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا اپنے معبود کی خاطر چھوڑ دیتا ہے اس لئے روزہ الشکر کی رضا و محبت اور نفس کے محبوب اور نفسانی لذتوں کے ترک اور ایک ایثار و قربانی کا نام ہے اور وہ بندہ اور الشکر کے درمیان ایک راز ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا دوسروں کو اس کا تو پتہ چل سکتا ہے کہ روزہ دار نے روزہ توڑنے والی چیزوں کو ترک کر دیا، لیکن یہ کہ روزہ دار نے کھانا پینا، اور اپنی خواہشات اپنے معبود کی خاطر چھوڑی ہیں، یہ ایک قلبی کیفیت ہے اور بندہ کا ایک راز ہے جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہو سکتا، اور یہی صوم کی حقیقت ہے روزہ کو ظاہری جوارح اور باطنی قوی کی حفاظت میں عجیب دخل ہے، روزہ ان تو فاسدہ سے ایک پرہیز ہے جو جب انسان پر پورا قبضہ اور تسلط حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں فساد پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح وہ ان موادِ دنیہ کو خارج کرتا ہے جو نفس کی صحت میں غل میں پس روزہ ایک ہی وقت میں قلب و جوارح کی صحت کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اس کی اس کھوئی ہوئی صحت کو بھی واپس لاتا ہے جو خواہشات کے انہماک میں ضائع کر دی تھی اس لئے طاقتوی کا بہت بڑا معاون ہے اور اسی لئے ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (اے ایمان والو! تم پر روزہ کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر

شاید پرہیزگار بن جاؤ) اور اسی لئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصَّوْمُ جَنَّةٌ" (روزہ ایک جنت کا دروازہ ہے) اور اسی لئے آپ نے ایسے شخص کو جس پر جیسی خواہش کا غلبہ ہو اور اس کو نکاح کی قدرت نہ ہو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے روزہ کی مصلحتیں اور فوائد جب ایسے ظاہر و باہر ہیں کہ عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم ان کا آسانی شاہدہ و احساس کر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے بندوں کے لئے رحمت و احسان اور ایک پرہیز اور محافظہ پرے دار کی حیثیت سے مشروع فرمایا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل اس کے بارے میں بہترین اور مکمل ترین طریق عمل ہے جو ایک طرف سب سے زیادہ پہل دوسری طرف حصول مقصد کا سب سے بہتر ذریعہ ہے چونکہ نفوس انسانی کا اپنے المافات و مرغوبات سے رکنا ایک بڑا دشوار کام ہے اس لئے اس کی فرضیت میں جلدی نہیں کی گئی، بلکہ ہجرت کے بعد وسطِ اسلام میں اس کی فرضیت نازل ہوئی، جب کہ طبیعتیں توحید و نماز کی خوگر اور احکامِ قرآنی سے بخوبی آویں ہو گئی تھیں روزہ کی فرضیت شہِ بھری میں ہوئی، اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تو ایسے رمضان آئے جن میں آپ نے روزہ رکھا اور اس کی فرضیت میں بھی تئیک و تیسرے کا ہوا گیا، پہلے وہ اس طرح فرض ہوا کہ مسلمان کو اس کا اختیار تھا کہ چاہے وہ روزہ رکھے یا نہ ایک مسکین کو کھانا کھلاوے، پھر یہ اختیاری حالت جاتی رہی اور روزہ قسطی طور پر فرض ہو گیا اور اندیہ کا حکم صرف ایسے بوڑھے اور عورت کے لئے رہا جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے یہ دونوں روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور ہرون کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں، بعض و مسافر کے لئے اس کی اجازت دی گئی کہ روزہ نہ رکھیں اور قضا کر لیں اور عالمِ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی رخصت ہے اگر ان کو اپنے یا اپنے بچے کی جان کا اندیشہ ہو۔

کتاب کا معرکہ الآرا حقہ اور مصنف کے علمی تجر و وسعت نظر اور استحضار کا روشن ثبوت حج کلاب کا

لے تفصیلات و جزئیات کے لئے ملاحظہ ہوں کتب فقہ - ۱۷۱-۱۷۲ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۱ - ۱۷۲

حج اور اس کے متعلقات اور حج نبوی اور اس کے احکام کے متعلق ایسی معتقدانہ مبسوط بحث اور ایسا بڑا علمی ذخیرہ ہی اور کتاب میں اس کوتاہ نظر کی نظر سے نہیں گزرا، یہ حصہ مصری ایڈیشن کے صفحہ ۱۸۰ سے صفحہ ۳۲۹ تک یعنی ۶۹ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کی مفصل کیفیت اور مدینہ کے خروج سے لے کر واپسی تک کی مفصل و سلسلہ روداد سفر پیش کر دی ہے اور وہ حدیث کے مختلف ذخیروں کا خلاصہ اور روایات صحیحہ اور جزئیات مختلفہ کا بہترین مجموعہ ہے، اس باب میں انھوں نے حج کے بہت سے اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور حدیث کی روشنی میں آزادانہ و مجتہدانہ فیصلہ کیا ہے، اس میں وہ کسی ایک مذہب فقہی کے پابند نہیں معلوم ہوتے، مثلاً باوجود جنابلی ہونے کے وہ بڑے مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ مفرد تھے، نہ متمتع، بلکہ قارن تھے، پھر آپ کے حج قرآن کی کیفیت میں متقدمین و متاخرین سے جو اختلافات اور اغلاط واقع ہوئے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کا ماخذ اور عند لکھتے ہیں، نیز اکابر علماء کو حج نبوی کے بارے میں نہانہ قدیم و جدید میں جو ادھام پیش آئے ہیں اور بڑے بڑے محققین و علماء قبحین کو جو غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں ان کو ظاہر کیا ہے اور تحقیقی بات لکھی ہے، اس سلسلہ میں تابعین میں سے طاؤس، متقدمین میں سے طبری اور ائمہ متاخرین میں سے قاضی حیاض اور علامہ ابن حزم جیسے اہل علم، اور شاہیر رجال کی غلط فہمیوں اور ادھام کو ظاہر کیا ہے، اس سے ان کے رواج فی العلم اور حیرت انگیز علمی تحریر کا اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ محض حج کا باب اس کتاب کی عظمت اور اس کے مصنف کی اہمیت اور جلالتِ قدر کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کتاب میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اور اپنے شیخ کے مذاق اور اپنی تحقیق اور وسعتِ نظر کے مقام کے مطابق کلامی جہاد اور عقائد پر بھی سبایا گفتگو کی ہے اور رواجِ شریعت کی صحیح ترجمانی کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں توکل کی حقیقت اور توشل بالاسباب کے بارہ میں انھوں نے جو محققانہ بحث کی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو مد ۲۲۶۱ (نظامی) ۵۲ ۱۸۵۰-۱۹ (نظامی) ۵۳ ۱۸۶۹-۲۰ (نظامی) ۵۴ ملاحظہ ہو فصل فی الادھام

۵۵ ملاحظہ ہو ۲۶۶۱-۲۶۶۲ (نظامی) ۵۶ ملاحظہ ہو ۲۶۶۱-۲۶۶۲ (نظامی) ۵۷

ثبوت کے صحیح ہونے کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اس ثبوت کی صحت و عدالت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ لوگ اس کا ترکیہ اور تصدیق نہ کریں جن کی شان میں ہے مُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ تَوْمَةً لَا يُؤْتِيهِمُ (الشہر کے راستے میں ہر طرف کی کوششیں کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے) یہی کہ محبت کے اکثر مدعی پیچھے ہٹ گئے، اور مجاہدین قائم رہے ان سے کہا گیا کہ عشاق کی جانیں اور ان کے مال ان کی ملک نہیں پس جس چیز کا سودا ہو گیا اس کو حوالہ کروا کہ اللَّهُ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَرِ الْحَيَاةِ (بیشک اللہ تعالیٰ مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید چکا ہے اس قیمت پر کہ ان کو جنت ملے گی) اور جب بائع و مشتری میں بیع و شراء ہو جائے تو ایک کے لئے مال کی سپردگی، اور دوسرے کے لئے قیمت کی حوالگی ضروری ہے جب تاہوں نے خرید کی عظمت و قیمت کی مقدار اور جس کے ہاتھ پر یہ سودا ہوا ہے اس کی عظمت و شان اور اس کتاب کی حیثیت دیکھی جس میں کہ اس معاملہ کا ذکر ہے تو سمجھ گئے کہ یہاں بڑی عظمت و شان والا ہے اس وقت انھوں نے اس میں بڑا نقصان اور گھٹا سمجھا کہ اس کو وہ اونے پونے چند ایسے سکوں میں بیچ ڈالیں جن کی لذت خالی اور جنت کی حسرت اور وبال باقی ہے اس لئے ایسا کرنے والا بڑا نادان اور کوتاہ نظر ہے اس وقت انھوں نے خریدار کے ساتھ اپنی رضا و اختیار سے بغیر ثبوت و خیال کے بیعت و ضمان کا معاملہ کیا اور انھوں نے کہا کہ بخدا نہ ہم یہ قیمت واپس لیں گے اور نہ ہم اس سے اس بیع کو فسخ کرنے کی درخواست کریں گے جب یہ بیع و شراء مکمل ہو گئی اور انھوں نے جنس ہوا لکھ دی تو ان سے کہا گیا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ہمارے ہو چکے اور ہم اب ان کو بہت بڑھا کر اودھنی گنا بنا کر تمہاری طرف واپس کرتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْهِيَ عَنْهُمْ مَرْءٌ قَوِيٌّ (اور ان

لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے، مردہ تصور نہ کرو وہ تو اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں ان کو

نذق دیا جاتا ہے) ہم نے تم سے تمہاری جانیں اور تمہارے مال نفع کی ملاح میں نہیں طلب کئے تھے، بلکہ ہم نے جو دو کرم کا اظہار ہو کہ ہم کس طرح عیب دار چیز کو قبول کر کے اس پر بڑی سے بڑی قیمت دیتے ہیں ہم نے تمہاری قیمت اور مال دونوں جمع کر دیئے اس موقع پر حضرت جابر کا قصہ یاد کرو کہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خریدا پھر ان کو پوری پوری قیمت دی اور اس قیمت میں اضافہ کیا، پھر وہ اونٹ بھی واپس دے دیا، ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ سے ان کی توجہ اس طرف ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا، چنانچہ آنحضرت نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا، اور ان سے بلا حجاب گفتگو کی، او کہا کہ اے میرے بندہ مجھ سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے، خدا کے جو دو کرم تک انسان کا علم کیا پہنچ سکتا ہے، اس نے مال بھی دیا، قیمت بھی دی اور اس بیع و شراوہ کے معاملہ کے تکمیل کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس مال کو اس کے عیب و نقص کے باوجود قبول بھی فرمایا، اس پر بڑی سے بڑی قیمت عطا فرمائی اور اپنے بندہ کو اس نے اپنے ہی دیئے ہوئے مال سے خرید لیا، اور پھر اس کی تعریف بھی کی اور باوجود اس کے کہ خود ہی توفیق دی تھی اس کی مدح فرمائی۔

خدا کے راہی نے خدا کی طرف اور دارالسلام (جنت) کی طرف غیرت مند اور صالح ہمتوں کو بلایا، اور ایمان کے منادی نے کان رکھنے والوں کو سنایا، اور ہر زندہ ضمیر کو گرایا جنت کے مسافر بلا اور ضائع الہی کے طالبوں میں ایک حدائے حیل بلند ہوئی اور ایک ہنگامہ رنجیز برپا ہو گیا اور لوگوں کو منزل پر پہنچنے بغیر قرار نہ آیا، اور کیوں نہ ہو؟ شاعر نے کہا ہے

جان کی قیمت دیا عشق میں ہے کوئے دوست

اس نوید جانفزا سے سرو بال دوش ہے

۱۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱۳ و ۳۱۴ (نظامی)

اس کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور بعوث اور مہات ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کئے ہیں پھر وہ چونکہ حدیث و سیرت پر بیک وقت نظر رکھتے ہیں اور مولخ سے زیادہ نقاد و محدث ہیں، اس لئے ان کے کتاب کا چھ سیرت کی دوسری کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے اختلافی چیزوں میں ان کا قول قول فیصل کا حکم رکھتا ہے ان مغازی اور واقعات کے سلسلہ میں وہ اپنے طرز خاص کے ساتھ آیات کی تفسیر اور ان کے لطائف و اسرار بھی بیان کرتے جاتے ہیں غزوات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا معمول ہے کہ اس غزوہ کے متعلق جتنے فقہی احکام ہوتے ہیں یا اس سے جو مسائل و احکام استنباط کئے جاسکتے ہیں ان سب کا تذکرہ کر دیتے ہیں، مثلاً غزوہ خیبر کے بعد انھوں نے مستقل فصل لکھی فیما کان فی غزوۃ خیبر من الاحکام الفقہیۃ غزوہ فتح کے بعد لکھتے ہیں فصل فی اشارۃ الی ما فی ہذہ الغزوۃ من الفقہ واللطائف غزوہ حنین و اوطاس کے بعد لکھا ہے فصل فی اشارۃ ما تضمنت ہذہ الغزوۃ من المسائل الفقہیۃ والنکت الحکمیۃ وغیرہ وغیرہ ان میں وہ بہت قیمتی فقہی مواد جمع کر دیتے ہیں۔

ان غزوات و واقعات میں وہ متقدمین اہل سیر و مغازی کے تقلد و ناقلاً محض نہیں ہیں انھوں نے بعض مواقع پر بعض مشہور باتوں سے اختلاف کیا ہے اور اپنے ذاتی مطالعہ و افہم سے اپنی ذاتی تحقیق پیش کی ہے مثلاً عام طور پر کتب سیر و تاریخ میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے اور سمجھا جاتا رہا ہے کہ انصاری بچپوں اور عورتوں کے غیر تقدی اشارہ

طلع البدْر عَلَیْنَا مِنْ ثَنَاتِ الْعِدَاعِ

وَجِبَ الشَّكْرُ عَلَیْنَا مَا عَايَتْهُ دَاعِ

اِیْمَا الْمَبْعُوْثِ فِیْنَا جِئْتُ بِالْاَمْرِ الْمَطَاعِ

اس موقع پر پڑھے گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے مگر ان کو اس سے اختلاف ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اشعار غزوہ تبوک (جو شام کی جانب سے)

۱۔ ۳۵۲ (نظای) ۲۔ ۳۵۱ ۳۔ ۳۵۰ ۴۔ ۳۴۹

سے واپسی کے موقع پر پڑھے گئے، وہ لکھتے ہیں:-

وبعض الرواۃ یعمرن فی هذا ویقول انما کان
بعض راویوں کو اس بارہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ
ذالك عند مقدمہ للدينه من مکتہ
اشعار آپ کے کہ منظر سے مدینہ طیبہ شریف آوری کے
وہود و ہر ظاہر فان ثنیات الوداع انما ہی
موقع پر پڑھے گئے یہ ایک اہل ہوا منظر ہے اس کے کثرت
من ناحیۃ الشام لا یراہا القادّم من مکة الی
اور اہل شام کی جانب سے آنے والا اس کو نہیں دیکھ
للمدینۃ ولا یربہا الا اذا التوجہ الی الشام۔
سکتا، اور جب تک کہ شام کی طرف اس کا رخ نہ ہو وہ

ان کے پاس سے نہیں گزرتا۔

غزوہ تبوک کے بعد بھی انھوں نے اس کے احکام و فوائد تفصیل سے لکھے ہیں اور ان میں بہت سی کارآمد باتیں
فقہی معلومات الطیف استنباط اور اجتماعی اور تمدنی احکام آگئے ہیں مغازی و بیوت سے خارج ہو کر انھوں نے غزوہ تبوک کی
آند تفصیل سے بیان کی ہے، اور آپ کے وفود و مکاتیب کا تذکرہ کیا ہے جو آپ نے شاہین عالم اور امراء عرب کو بھیجے تھے
کتاب کی جلد ثانی کا ایک بڑا حصہ طب نبوی سے مخصوص ہے اس میں انھوں نے طب نبوی کے اسرار و حکم و ان کی
طبی توجیہات پیش کی ہیں اس میں احکام طیبہ، احکام فقہیہ اور مباحث حدیثیہ مکتوبات میں سے سلسلہ میں انھوں
نے ایک بڑی محنت یہ کی ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے ان تمام احادیث و فقہیہ و مغزات کا ایک جگہ جمع کر دیا ہے
جن کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف یا موضوع حدیث بیان کی جاتی ہے اور ان میں طبی حیثیت سے کلام کیا ہے اور
ان کے خواص بیان کیے ہیں مریض و معالجات میں جہاں انھوں نے مشق و محنت کے مریض و طبعی محنت کی
حقیقت اور اس کے طبی اسباب اس کے اقسام و درجات پھر اس کے علاج و تدبیر کا تذکرہ کیا ہے جہاں ان کی
فہیات سے گہری و تحقیق تہذیب کے وسیع مطالعات و مریض و مکتوبات کا لفظ ہوتا ہے اس طب نبوی

لے مکتوبات میں سے بعض فصلوں میں مذکور ہیں بعض فصلوں میں مکتوبات میں سے بعض فصلوں میں مذکور ہیں
مکتوبات میں سے بعض فصلوں میں مذکور ہیں بعض فصلوں میں مکتوبات میں سے بعض فصلوں میں مذکور ہیں

کے بارہ میں اگرچہ نکتہ کی بات وہی معلوم ہوتی ہے، جو شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجة الشرا بالذم میں لکھی ہے کہ اس کی حیثیت تبلیغی و تشریعی نہیں ہے اور وہ آپ کے اور اہل عرب کے تجارب و عادات پر مبنی ہے تاہم ان لوگوں کے لئے جو ہر ارشاد نبوی کو عظمت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر مشورہ پر یقین و محبت کے ساتھ عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، بیش قیمت مواد یکجا جمع ہو گیا ہے۔

اس حصہ سے فارغ ہو کر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ کے اقصیہ و احکام کی طرف توجہ کی ہے اس میں مختلف ابواب فقہیہ و معاملات پر ایک بڑا وسیع اور بیش قیمت ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور گویا فقہ کی ایسی کتاب مرتب کر دی ہے جو احادیث اور احکام و اقصیہ نبوی پر مبنی ہے، ان ابواب و فصول کے علاوہ اس کتاب میں بہت سے بیش قیمت تفسیری، نحوی، تاریخی، کلامی لطائف و نکات و تحقیقات ہیں جو اس ایک ہزار صفحہ کی کتاب میں منتشر و متفرق ہیں۔

اس کتاب کا قابل تنقید پہلو صرف یہ ہے کہ اس میں سیرت، حدیث، فقہ، تاریخ، کلام، نحو و صرف اور تقریباً تمام علوم اسلامیہ مخلوط ہیں اور غالباً اس کتاب کی تالیف کے وقت ان پر ان کے شیخ کی نسبت غالب تھی اس لئے وہ ذرا سی مناسبت سے کسی نحوی، کلامی مسئلہ کو چھیر دیتے ہیں اور پھر پورے شرح و بسط کے ساتھ اس پر کلام کرتے ہیں اگر اس میں سے سیرت و شمائل کو علیحدہ، مناسبت و اہم واقعات کو علیحدہ، فقہ و احکام کو علیحدہ اور نحوی مباحث علیحدہ درج کر دیا جائے تو اس سے استفادہ آسان ہو جائے، لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کی ان اہم تصنیفات میں سے ہے جو ایک پورے کتب خانہ کی قائم مقام اور اس کا وجود ایک قبح و محقق کثیر الفنون عالم کی موجودگی کے مراد ہے اور اس سے ہزاروں طالبین راہ خدا فہمین سنت نے دینی رہنمائی اور روحانی غذا اور ایمانی حلاوت پائی۔

لے حجة الشرا بالذم باب بیان اقسام علوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اجلہ مصری ۱۳۲۰ تا آخر کتاب ۳۵۰ راقم سطور نے

۱۳۲۰ء میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں اس کی تجرید لکھیں کا کام خیر الزادہ کے نام سے شروع کیا تھا۔ افسوس کہ وہ ناتمام رہ گیا۔

ابن عبد الہادی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ان تلامذہ و متسبین میں جن کو حدیث و سنت پر حیرت انگیز عبور تھا اور جن کی عمر کا بیشتر حصہ علومِ سنت کی اشاعت اور خدمت اور اصلاح و دعوت میں گزارا حافظ ابن قیم کے علاوہ ابن عبد الہادی ابن کثیر اور ابن رجب خاص امتیاز اور شہرت رکھتے ہیں۔

ابن عبد الہادی نے چالیس سال سے کم عمر پائی، اہل سیر و سوانح کا اندازہ ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ اکابر اہل عصر میں سے ہوتے اور بڑے بڑوں سے بھی بسقت لے جاتے، صفدی کا قول ہے "وعماش نکات ایہ" (اگر زندہ رہتے تو عجائب و زکامیں سے ہوتے) علامہ قسطلانی نے بخیر بیان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔

هُوَ الْفَقِيهُ الْبَارِعُ الْمَقَرَّرُ الْمَجْرُودُ الْحَقُّ
وہ بڑے عارف و فقیہ بہت اچھے تھیں، محض حفظ
المَحَافِظِ النَّمُوِيَّ الْمَحَافِظِ ذُو الْعُقُوتِ
بصرہ، نوی صاحبِ علوم و فنون میں، انھیں کچھ سے
کتابِ حق و استغدت حینہ۔
حدیث کا اور کتابت کا اعلیٰ پیمانہ سے متعلق

علامہ وقت ابوالکمال جالجز المزی کا ان کے متعلق اعتراف ہے۔

مَا الْقَيْتُ بِهِ إِلَّا اسْتَعْدْتُ مِنْهُ
جب کبھی ان سے ملا ہوتا تو ان کی فائدہ دہندگی

لہ الحمد للکامہ ج ۲ ص ۲۷۷ ج ۲ ص ۲۷۷ ج ۲ ص ۲۷۷

یہی الفاظ علامہ ذہبی سے بھی منقول ہیں، صدی کہتے ہیں۔

كنت اذا القيته سألته عن مسائل
ادبية وفوائد عربية
فينحدر كالسيل
میری جہان سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے
مسائل ادبیہ اور عربیت کے متعلق علمی سوالات
کرتا اور وہ سیلاب کی طرح رواں ہو جاتے۔

حافظ ابن کثیر (صاحب تاریخ و تفسیر) ان الفاظ میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں:-

حقل من العلوم مالا يبلغه الشيوخ
الكبار وتفنن في الحديث والفقه
والتصريف والفقه والتفسير والاصول
والتاريخ والقررات وله مجاميع
وتأليف مفيدة كثيرة وكان
حافظاً جيداً لأسماء الرجال وطرق
الحديث عارفاً بالجرح والتعديل متبحراً
بعلل الحديث حسن الفهم له جيد
المذاكرة صحيح الذهن مستقيماً على
طريقة السلف واتباع الكتاب والنسب
مباركاً على فعل الخيرات
انھوں نے وہ علمی درجہ حاصل کیا جس تک بڑے بڑے
مترمّم علماء و اساتذہ عام طور پر نہیں پہنچتے، حدیث
نحو صرف، فقہ، تفسیر، اصول فقہ، اصول حدیث
تاریخ، قرأت تمام علوم میں ان کو کمال تھا، ان کے
بہت سے مفید مجموعے اور تصنیفات ہیں، وہ اسمائے
رجال و طرق حدیث کے بہت اچھے حافظ، جرح
و تعديل کے فن سے خوب واقف، علل حدیث کے
بصیران اس کی بہت اچھی سمجھ رکھنے والے تھے
علماء کے ساتھ بہت اچھے طریقہ پر علمی مذاکرہ
کرتے، ذہن نہایت سلیم تھا، طریقہ سلف پر
الترتعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی تھی
اور کتاب سنت کے اتباع کی توفیق دی تھی
اعمالِ صالحہ پر صبر و ثبات سے قائم رہے۔

لے الدرر الكامنة ج ۲ ص ۳۲۲ ایضاً ج ۱ ص ۱۳۱

مختصر حالات

شمس الدین محمد نام، العمد لقیب ابو عبد الشراور ابو العباس کنیت عام طور پر ابن عبد الہادی کے نام سے مشہور ہیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے، محمد بن احمد بن عبد الہادی بن عبد الحمید بن عبد الہادی ابن یوسف بن محمد بن قدامہ خاندان کا اصل وطن بیت المقدس تھا، پھر وہ دمشق منتقل ہوا، اور دمشق میں محلہ صابحیہ میں قیام اختیار کیا، جہاں ابن عبد الہادی کی شہرہ میں پیدائش ہوئی، مختلف روایات سے قرآن مجید کی قرأت حاصل کی، حدیث اور درسی کتابوں کا بڑا حصہ قاضی ابو الفضل سلیمان ابن حمزہ البکر بن عبد الدائم، عیسیٰ بن مطعم حجاز، زینب بنت الکمال اور بہت سے اساتذہ اور علماء سے حاصل کیا، حدیث اور فنون حدیث سے خاص طور پر اشتغال کیا، اور فن رجال اور علل حدیث میں خاص مہارت اور بصیرت پیدا کی، اور مذاہب میں تفقہ حاصل کیا، اصول حدیث اور اصول فقہ اور علوم عربیہ میں بھی دستگاہ کامل تھی، ابن رجب لکھتے ہیں :-

ولزم الشيخ تقي الدين ابن تيمية مدة
وقرأ عليه قطعة من الأربعين في
شيخ الاسلام ابن تيمية کی صحبت میں عرصہ تک
رہے امدان سے رازی کی کتاب الأربعين في
أصول الدين للرازي۔
اصول الدين کا ایک حصہ پڑھا۔

فقہ میں ان کے خاص استاد شیخ نجم الدین حرانی تھے، مشہور محدث و عالم رجال اور اپنے زمانہ کے عالم حدیث و رجال حافظ ابو التجاج المزنی کی صحبت میں دس برس رہے، علامہ ذہبی سے بھی تحصیل علم کیا، اور علامہ موصوف نے رجال و علل اور علوم میں ان کی مہارت اور تفوق کا اعتراف کیا، حسینی کے بیان کے مطابق عرصہ تک مدرسہ صدریہ و ضیائیہ میں درس دیا، اور صدر مدرس رہے۔

ابن رجب ابن کثیر میں شہرہ سنہ ولادت ہے۔ ۷۲۰ھ البدایہ النامہ ج ۳ ص ۲۲۲

ان کے معاصر ابن کثیر ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تین مہینے کے قریب پھوڑے اور
سل کے بخار میں بیمار رہے، یہ تکلیف بہت بڑھ گئی اور اسہال کی شدت ہوئی آخر بدھ کے روز اجزائی ملاؤ
۴۴۴ھ میں عصر کی اذان سے پہلے انتقال کیا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کے والد نے مجھے بتلایا کہ آخری الفاظ جو
ان کی زبان پر جاری ہوئے وہ یہ تھے: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي
مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ" اگلے روز جمعرات کے دن جامع مظفری میں ان کی نماز جنازہ ہوئی جس میں
شہر کے قضاة، اعیان و مشاہیر علماء و حکام اور تجار و عوام سب شریک ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وكانت جنازته حافلة مليحة عليها
ان کے جنازہ میں بڑا اثر دام اور ایک خاص
طرح کی نورانیت اور رونق تھی۔

روضہ میں السیف بن المجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصنیفات

علامہ ابن عبدالبہادی نے کم عمری ہی کے باوجود تصانیف کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی
جو ضخامت اور صفحات کی تعداد کے لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں اور جن تصانیف اور مواد کے لحاظ
سے بھی ان میں سے متعدد کئی کئی جلدوں میں ہیں، حافظ ابن رجب نے ذیل طبقات احنابلہ میں جن تصانیف
کا حوالہ دیا ہے ان میں سے زیادہ اہم تصنیفات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے: "الاحکام الکبریٰ" جلد "المختار
فی الاحکام" ایک جلد، "کتاب العدة فی الحفاظہ و جلدیں" "تعلیقہ للفتاویٰ و جلدیں" "احادیث الصلوٰۃ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ایک جلد، "الاعلام فی ذکر مشائخ الائمة الاعلام" اصحاب الکتاب الستہ
لہ البدایہ والنہایہ منہاج ۱۲۵ اس بابے میں ان کو ہندوستان کے مشہور و مقبول عالم و مصنف مولانا عبدالحی کھنوی سے

مشابہت ہے جنہوں نے مرت ۳۹ سال عمر پائی اور تصانیف کا ایک بڑا اور مفید ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

متعدد اجزاء، ایک ضخیم کتاب، محضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ میں، تعلیقہ علی سنن البیہقی،
 جلدیں، ترجمۃ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ ایک جلد، منتقی من تہذیب الکمال للزمزلی پانچ جلدیں، منتخب
 من سند الامام احمد، جلدیں، منتخب من البیہقی، منتخب من سنن ابی داؤد، شرح الفیہ لابن مالک
 ایک جلد، امام ذہبی کی تصانیف پر تنقید و تعقیبات متعدد اجزاء، الرد علی ابی حیان النخعی، اس کے علاوہ
 مختلف تعلیقات اور مختلف احادیث کے بارہ میں مستقل رسائل جن کی فہرست طویل ہے، علامہ تقی الدین
 ابن ابیسی نے مسئلہ زیار پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید میں جب: شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام کتاب
 لکھی تو علامہ ابن عبد البر ہادی نے السقام الخفی فی الرد علی التبع کے نام سے اس کا ناقدانہ و محدثانہ
 جواب لکھا جو ان کی علمی فضیلت اور حدیث و رجال پر وسعت نظر کا گواہ ہے۔



۱۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۱۹ھ ہجری میں مطبع خیرہ مصر میں شائع ہوئی۔

ابن کثیر

عماد الدین اسماعیل بن عمر نام، ابو الفداء کنیت، ابن کثیر کے نام سے شہرت پائی، قیسی الاصل تھے، شہر بصری (شام) کے نواح میں نجد لگاؤں جہاں ان کے والد خطیب تھے، شہر میں پیدا ہوئے، شہر میں دمشق اپنے والد کے ساتھ منتقل ہوئے، شیخ برہان الدین الغزالی وغیرہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابن السویدی، ابوالفتح ابن عساکر اور دوسرے شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت و روایت کی، علامہ عزیزی سے تلمذ خاص تھا، اور ان کی دلامادی کا شرف بھی حاصل تھا، بکثرت ان سے روایتیں ہیں، فتویٰ تبدیل میں مناظرہ سے اشتغال رہا، فقہ تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ تھی، رجال و علل حدیث میں نظروں وسیع اور دقیق تھی، مدرسہ ام الصالح میں درس رہے اور علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکزیہ میں بھی درس دیا، علامہ ذہبی کے ان کے متعلق الفاظ ہیں:-

هُوَ فقيهٌ متقنٌ ومحدثٌ محققٌ ومفتیٌ وہ پختہ کار فقہ، محقق محدث اور نقاد مفسر ہیں اور

نقادولہ تصانیف مفیدہ مفید تصانیف رکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر مستطانی کہتے ہیں:-

كان كثير الاستحضار ومات تصانيفه بڑے حاضر العلم، کثیر المحفوظات تھے ان کی تصانیف

في البلاد في حياته وانتفع به الناس ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لوگوں

باوجود شافعی ہونے کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بڑے گرویدہ اور ان کی عظمت و امامت کے قائل تھے ان سے تلمذ بھی ہے ابن حجر کہتے ہیں "أَخَذَ عَنِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ فَفُتِحَ بِمَبْهَ وَامْتَحِنَ بِسَبَبِهِ" البدایۃ والنہایۃ میں ان کے حالات و واقعات زندگی بڑی تفصیل اور شغف و اہتمام سے لکھے ہیں اور ان کی طرف سے پوری مدافعت کی ہے ہماری کتاب میں شیخ الاسلام کے حالات و واقعات زندگی کا بڑا حصہ اسی کتاب کا اخوذ ہے تصانیف میں سے التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل پانچ جلدوں میں اور الہدی والسنن فی لحادیث المسانید والسنن، تنویر مدارک التنبیہ، مسند الشیخین، علوم الحدیث، طبقات الشافعیہ، وغیرہ ان کی تصانیف ہیں احکام میں ایک مبسوط کتاب لکھنی شروع کی تھی، لیکن مکمل نہیں ہوئی، مسند امام احمد کو حروف پر مرتب کیا اور اس میں طبرانی اور ابویعلیٰ کے زوائد بھی شامل کر دیے، لیکن ان کا اصلی تصنیفی کا زائد دو کتابیں ہیں جن کو قبول عام حاصل ہوا اور جن سے علمی حلقوں میں اس وقت تک استفادہ کیا جا رہا ہے ایک ان کی تفسیر جو ان تفاسیر میں جن کی بنیاد منقولات و روایات پر ہے سب سے زیادہ مقبول اور قابل اعتماد بھی جاتی ہے، علامہ سیوطی اس کے متعلق لکھتے ہیں "لَا تَفْسِيرُ الَّذِي لَمْ يَوْفَقْ مِثْلَهُ" اس تفسیر سے پہلے اہل منقول نے جو تفاسیر لکھیں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی اور ضعیف احادیث و اسرائیلیات کی بڑی کثرت تھی، حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی اگرچہ وہ اس میں اس بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی اور انھوں نے کسی قدر توسع سے کام لیا، اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے، حال میں مصر کے نامور فاضل و محقق استاد احمد محمد شاكر نے عمدة التفسیر عن المحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کا خلاصہ شائع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات و محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث

خیر مستند اسرائیلیات، مکرر اقوال اور اسانید اور طویل کلامی مباحث، فقہی فروع اور لغوی و لفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔

ان کی دوسری اہم اور مقبول تصنیف البدایہ والنہایہ ہے جو ۱۳۵۱ھ میں ۱۴ جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے، یہ عرب مورخین کے دستور کے مطابق ابتداء سے آفریش سے ۱۳۶۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، علامہ ابن اثیر کی مشہور و مقبول کتاب الکامل ۱۳۸۷ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کتاب نے ۱۳۹ سال کے حالات اور تاریخ کا اضافہ ہے، تاریخی حلقہ اور آٹھویں صدی کی اہمیت کی وجہ سے یہ زمانہ بڑا اہم اور پر از واقعات ہے اس وجہ سے بھی اور تاریخی استناد و تفصیل کی وجہ سے بھی یہ کتاب اکثر مورخین کا مرجع و ماخذ ہے، شعبان ۱۳۷۷ھ میں حافظ ابن کثیر نے وفات پائی اور دمشق کے مشہور مقبرہ الصوفیہ میں دفن ہوئے۔



حافظ ابن رجب

مختصر حالات

عبدالرحمن نام، والد کا نام احمد بن رجب، سلسلہ نسب اس طرح ہے عبدالرحمن بن احمد بن رجب ابن عبدالرحمن بن محمد بن ابی البرکات مسعود، خاندانی وطن بغداد تھا وہیں ربیع الاول ۷۳۷ھ میں پیدائش ہوئی، ۷۴۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ صغریٰ میں دمشق آئے، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن انبار اور ابراہیم بن العطار وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، مصر میں ابوالفتح المیدونی ابوالحکم القلانسی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ انھوں نے کثرت سے حدیث کی سنا کی اور حدیث کے ساتھ اشتغال کیا یہاں تک کہ فن حدیث میں مہارت حاصل کر لی، حافظ ابوالفضل تقی الدین ابن فہد کی (م ۷۸۷ھ) نے تذکرۃ الحفاظ کے ذیل (مخط الاخطاء) میں ان کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے:

۱۳ امام الحفاظ المحجة والفقیه العمدۃ احمد العلماء الزهاد والائمة العباد مفید المحدثین واعطاء المسلمین، وہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ متوہج و زاہد پیشوائ تھے، اللہ تعالیٰ نے قلوب میں ان کی

لے حافظ ابن رجب اگرچہ براہ راست شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد نہیں ہیں، اور وہ ان کی وفات کے ۸ سال بعد پیدا ہوئے مگر وہ حافظ ابن قیم کے شاگرد اور عام طور پر ابن تیمیہ و ابن قیم سے متاثر ہیں، اور چند مسائل کے علاوہ عمومی طور پر وہ ان کے

ہم مسلک اور ان کے رجال میں سمجھے جاتے ہیں۔ علم منہ

محبوبیت پیدا کر دی تھی، اور تمام جماعتوں کا ان کی صلاح و فضیلت پر اتفاق تھا، ان کی مجالس و عظیمی اور بڑی مفید اور نہایت درجہ موثر تھیں، الشہاب بن محبی ان کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 ”فن حدیث میں بڑے مبصر اور محقق تھے اپنے معاصرین میں علل حدیث اور طرق حدیث کے سب سے زیادہ واقف تھے، اکثر ہمارے ہم عصر علمائے خالہ ان کے شاگرد ہیں“

ماہِ رجب ۹۵۰ھ میں انتقال ہوا، اور الباب الصغیر دمشق میں دفن ہوئے، انتقال سے چند دن پیشتر ایک گورن کے پاس آئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہاں میرے لئے قبر کھود دو، گورن کا بیٹا ہے کہ میں نے قبر کھودی وہ اس میں اترے اور لیٹے اور کہا کہ ابھی ہے چند روز کے بعد ان کا انتقال ہوا، اور اسی میں دفن ہوئے۔

تصنیفات

تصنیفات میں ترمذی کی شرح اور بخاری کے ایک حصہ کی شرح کی ہے، بخاری کی شرح کا نام انھوں نے فتح الباری رکھا تھا یہ شرح مکمل نہیں ہو سکی، ابن ابی یعلیٰ کی طبقات اسحاق کا ذیل لکھا، ایک کتاب اللطائف فی وظائف الایام و عطا کے طریقہ پر ہے، اور فوائد اور قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے، لام نووی کی اربعین کی شرح کی، جس میں بیالیس حدیثیں تھیں، اور آٹھ حدیثوں کا اضافہ کیا، یہ جامع العلوم والحکم شرح خمین حدیث نام جوامع الکلمہ کے نام سے ۱۲۶۶ھ میں مصطفیٰ ابابلی اکملی کے مطبع سے شائع ہوئی ہے، حدیث ”ما ذبان جاثان ارسلا فی غنمہ“ کی مستقل شرح کی ہے، ایک رسالہ فضل علم السلف علی الخلفاء ہے، یہ تینوں مؤرخ الذکر کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان کی تصنیفات میں حافظ ابن قیمؒ کی اصلاحی

۱۸۱۱ھ حاشیہ خط الامام ۱۸۱۱ھ الدرر الکام ۳۳۳ھ ندوة العلماء کے کتب خانہ میں قلمی

موجود ہے، چند سال ہوئے دمشق سے شائع ہو گیا ہے۔

دعوتی روح و جذبہ اور ان کی تحریر کی صلاوت و سلاست نظر آتی ہے۔

ان تلامذہ و تلامذہ تلامذہ کے علاوہ آٹھویں اور نویں صدی کے بعض ایسے جلیل القدر علماء مصنفین اور مصلحین ہیں جن کے متعلق یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو شیخ الاسلام یا ان کے کسی تلمیذ سے تلمذ حاصل ہے، مگر ان کی تصنیفات میں واضح طریقہ پر شیخ الاسلام کا فکر ان کی روح، ان کا علم اور ان کی دعوت نظر آتی ہے۔ ان حضرات نے شیخ الاسلام کے تلامذہ یا تصنیفات سے استفادہ کیا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو، وہ اتحاد فکر و ذوق کے لحاظ سے اسی دبستان فکر کے علماء و مصلحین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں ان شخصیتوں میں آموافقات کے فاضل مصنف علامہ ابوالاسحاق شاطبی (متوفی ۷۹۹ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی کتاب الاعتصام اسی اصلاحی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جس کی ابتداء اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام نے کی اور جو سنت و بدعت کے موضوع پر سب سے پرمغز، مکمل، اصولی اور فاضلانہ تصنیف ہے۔



INDEX

اشکلیک

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم)

رتبہ

محررات الدین ندوی

Marfat.com

۳۸	ابن عبدالداؤم المقدسی	۱۶۱، ۱۶۰، ۱۱۵۹	(علامہ) ابن حجر مکی
۳۷۹، ۳۶۹، ۳۴۸	ابن عبدالبہادی	۳۵۹، ۳۳۹، ۳۳۸	ابن حزم
۱۲۵	ابن عساکر	۳۰۸	ابن المحضی
۲۳۸	ابن عقیل	۳۲	ابن حوقل
۹۶	ابن عطاء الشراکندری	۲۵۵، ۲۵۳	ابن خلدون
۹۶	ابن الفارمن (شاعر)	۱۲۰	ابن خلکان
۱۷۳	(الحافظ) ابن فضل الشراکندی	۱۰۲	ابن الخلیل
۲۸۱، ۲۱۵	ابن القاسم	ابن دقین العمید دیکھیے تقی الدین	
ابن اقلانی دیکھیے جمال الدین		۳۸۱، ۳۶۶، ۳۴۴ - ۲۷۱، ۲۶۹	(حافظ) ابن رجب
(حافظ) ابن القیم - ۱۶۵، ۱۶۱، ۱۳۱، ۱۱۷، ۱۱۲، ۱۱۱		۲۷۳، ۲۶۹	
۲۲۲، ۲۷۱، ۱۸۸، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶ - ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳		۲۵۸، ۲۴۵، ۲۳۳، ۲۳۲، ۱۱۱	ابن رشد
۲۷۵، ۲۷۴، ۲۶۶، ۲۵۹، ۲۵۶، ۲۵۰، ۲۴۹		ابن الزمکانی دیکھیے کمال الدین	
(حافظ) ابن کثیر - ۵۳۵، ۵۳۴، ۵۳۳، ۵۳۲، ۵۳۱، ۵۳۰، ۵۲۹		۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱	ابن سبعین
۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴		۱۲۶	(سلطان) ابن السور
۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵		۲۷۱	ابن السویدی
(شیخ) ابن مالک		۱۳۲	ابن سید الناس
ابن مالک (صاحب الغیہ)		۲۵۸، ۲۵۱، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴	ابن سینا
(قاضی) ابن مخلوف مالکی - ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲		ابن الصلاح دیکھیے تقی الدین	
۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰		۲۰، ۱۱۱	(حضرت) ابن عباسؓ

۱۸۲	(شیخ) ابوالحسن نوری	۱۱۱	(حضرت) ابن مسعود
۲۸۱/۱۳۹/۱۱۱	ابو حفص دیکھے	۲۹۰/۱۲۸۶/۱۲۸۴	ابن سلم دیکھے
۱۵۵/۱۵۲/۱۵۱	(امام) ابوحنفہ	۵۴	ابن المطہر کحل
۱۳۶/۲۹	ابو حیان النخوی	۲۴۵	ابن النحاس
۶۱	ابو الربیع سلیمان (خلیفہ عباسی)	۲۳۱	(علامہ) ابواسحاق شاطبی
۱۵۵	(حافظ) ابوزرعہ	۲۹۳/۲۹۲/۲۹۱/۱۸۳	ابو البرکات بغدادی
۲۰۰	ابوسفیان بن اکثارت	۲۵۳/۲۰۸/۲۹۹/۳۰۱	(حضرت) ابوبکر صدیقؓ
۱۸۲	ابوسلیمان دارانی	۲۲۱/۱۵۳/۱۴۴	ابوبکر باقلانی
۵۱/۵۰	(قاضی) ابوالعباس	۳۳۵	ابوبکر بن ایوب
۱۶۳	ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۳۶۸/۳۴۵	ابوبکر ابن عبد الدائم
۱۹۷	ابوعبد اللہ محمد بن نعمان المفید	۱۸۴	(شیخ) ابوبکر شبلی
۲۲۱	ابو علی جبائی	۱۱۱	ابو ثور
۱۹۵	ابو عمر	۱۱۱	(حضرت) ابوجعفر محمدؓ (اباقر)
۸۳	(علامہ) ابو عمر ابن عبد البر	۱۸۴	ابوجہیر نابینا
۲۷۲	ابوالفتح المیدوی	۲۷۲	ابوالکجاج المزنی دیکھے
۳۷۱	(شیخ) ابوالفتح دیکھے	۱۵۳/۱۸۴/۱۴۴	ابوالکرم القلانسی
۳۷۱	ابوالقاسم ابن عساکر	۱۳	(امام) ابوالحسن اشعری
۳۷۱	(المستشرق) ابوالقاسم محمد بن امیر التومنین الظاہر		(مولانا) ابوالحسن علی (ہندوی)

۲۷۶	اشیا و نبی	۸۳	(شیخ) ابو محمد عبدالقادر گیلانی
عبدالشر	الاختانی دیکھے	۲۱۱	(حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ
جمال الدین	الافرم دیکھے	۲۳۶، ۲۳۳، ۲۲۲	ابو نصر فارابی
۲۳۲، ۲۲۲، ۲۲۰، ۱۳۲	افلاطون	۳۰۳	ابو نعیم
۱۴۴	افشہری	۲۸۱	اثرم
۲۲۰	اقلیدس	۲۴۳، ۳۰۳، ۱۱۱، ۱۵۰، ۱۳۸	(امام) احمد بن حنبل
عبداللہ	(شیخ) اکبر و ابن عربی دیکھے	۲۷۴	احمد بن رجب
۱۵۳، ۱۴۴	امام اکرمین	۳۶۸	احمد بن عبدالہادی
۴۷	(قاضی) امام الدین	۷۰	(شیخ) احمد الحارون اسلمی
۳۱۰	امام غائب	مجدد اثنائی	(شیخ) احمد سرمدی دیکھے
۲۰	(حضرت) انس بن مالکؓ	۱۶۶	(حضرت سید) احمد شہید
۱۱۱	(امام) اوزاعی	۲۷۲	احمد محمد شاکر
ب پ		۲۸۱	اخفش (نحوی)
۴۲	ابا سلی	۵۲، ۵۲	ارجواش
۱۸۴، ۱۸۱	(شیخ) بایزید بظامی	۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۸، ۲۲۶، ۲۲۰-۲۴۱، ۲۲۰-۲۴۱	ارسطو
۱۱۱	(امام) بخاری	۲۵۵، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۳۳-۳۶	ارلوسی
۸۸	(قاضی) بدر الدین بن جلاء	۲۶۴	(مولانا) اسماعیل شہید
۲۲۱	برقلس	۱۶۶	(امام) اسحاق ابن راہویہ
۳۳۷	(قاضی) برہان الدین زرعی	۱۱۱	اسرائیل
		۲۷۱	

۶۳۱۵۵	جمال الدین آقوش انزم	۲۸۳	(اولیجا) خدا بنده خاں
۱۰۴۱۰۲	(قاضی) جمال الدین ابن انقلابی	۳۰۶	خوبنده (تاتاری بادشاہ)
۱۳۸	(شیخ) جمال الدین الزمکانی	۲۸۲	خلفی (عالم ہیئت)
۱۸۴	صفید بغدادی	نعمان	(علامہ) خیر الدین دیکھے
۳۰۰۱۶۵۱۴۷	چنگیز خاں	۲۸۱	خلیل (نحوی)
۲۷۶	حقوق	۲۸۲، ۲۷۶، ۲۱۱	(سیدنا حضرت) دانیال
۱۱۳	حجاج بن یوسف	۱۲۷۷، ۱۲۳۲، ۱۲۰۰، ۱۳۳	(سیدنا حضرت) داؤد
۲۷	(سلطان) حسام الدین لاجین	۳۴۰، ۱۲۸۲، ۱۲۷۹	
۸۱۵۷	(امیر) حسام الدین بہناب عینی ملک العرب	۱۱۱	(امام) داؤد
۳۰۴۱۲۹۲	(حضرت) حسن	۶۶	دجال
۲۷۴	احسن بن ابی البرکات مسعود	۱۷۸-۳۲، ۳۳، ۳۰، ۲۹	(حافظ شمس الدین) ذابئی
۲۷۵	حسن بن ایوب	۲۸۶، ۱۷۹، ۱۷۰، ۱۶۸، ۱۶۵، ۱۵۰، ۱۳۶، ۱۳۴	
۲۲۱	حسن بن موسیٰ توہنجی	۲۷۱، ۲۶۶-۶۸، ۳۴۵، ۳۱۳	
۳۰۴۱۳-۲۰۲۹۲، ۲۱۴، ۱۰۵	(حضرت) حسین	۲۲۳، ۲۲۱	(امام) رازی
۲۷۳، ۳۶۸	(حافظ شمس الدین ابوالحسن) حسینی	۳۰۰	(حضرت) ربیع بن اکارث
۱۲	(مولانا شاہ) حلیم عطا	۳۷۴	رجب بن عبدالرحمن
۳۸	(امام) حمیدی	۹۸، ۷۷، ۷۳	(امیر) رکن الدین بیریں (اکاشگیر)
۳۰۰	(حضرت) خالد بن سعید بن العاص	۱۷۳، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۱، ۱۰۰	

(مولانا) روم دیکھئے جلال الدین

(ن)

(قاضی) زراره بن ابی ادنی (قاضی بصرہ) ۱۸۴

(حضرت) زبیر بن عوام ۱۱۱

زفر ۲۸۱

(سیدہ) زینب ۲۱۴

زینب بنت الکمال ۳۶۸

زین الدین بن عدنان ۶۴

(علامہ) زین الدین بن منجمی کھلی ۴۳، ۴۱

زین الدین عبدالرحمن ابن تیمیہ - ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۹، ۹۷، ۹۵، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۷، ۸۵، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۱، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۵، ۵۳، ۵۱، ۴۹، ۴۷، ۴۵، ۴۳، ۴۱، ۳۹، ۳۷، ۳۵، ۳۳، ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳، ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۷، ۵، ۳، ۱

(شیخ) زین الدین الفارقی ۴۳

(س)

(سیدنا حضرت) سلیمان علیہ السلام - ۲۸۲، ۲۷۷، ۲۷۲، ۲۶۷، ۲۶۲، ۲۵۷، ۲۵۲، ۲۴۷، ۲۴۲، ۲۳۷، ۲۳۲، ۲۲۷، ۲۲۲، ۲۱۷، ۲۱۲، ۲۰۷، ۲۰۲، ۱۹۷، ۱۹۲، ۱۸۷، ۱۸۲، ۱۷۷، ۱۷۲، ۱۶۷، ۱۶۲، ۱۵۷، ۱۵۲، ۱۴۷، ۱۴۲، ۱۳۷، ۱۳۲، ۱۲۷، ۱۲۲، ۱۱۷، ۱۱۲، ۱۰۷، ۱۰۲، ۹۷، ۹۲، ۸۷، ۸۲، ۷۷، ۷۲، ۶۷، ۶۲، ۵۷، ۵۲، ۴۷، ۴۲، ۳۷، ۳۲، ۲۷، ۲۲، ۱۷، ۱۲، ۷، ۲

ساعدا قرطبی ۲۴۴

(علامہ) سخاوی ۱۵۵

(حافظ) سراج الدین ۱۳۳

(شیخ) سراج الدین ابو حفص البزار - ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۷، ۱۶۵، ۱۶۳، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۴۳، ۱۴۱، ۱۳۹، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۲۷، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۹، ۹۷، ۹۵، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۷، ۸۵، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۱، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۵، ۵۳، ۵۱، ۴۹، ۴۷، ۴۵، ۴۳، ۴۱، ۳۹، ۳۷، ۳۵، ۳۳، ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳، ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۷، ۵، ۳، ۱

(شیخ الاسلام) سراج الدین البلقینی ۱۵۵

(حضرت) سعد بن معاذ ۱۳۱

(علامہ) سعد الدین تفتازانی ۱۵۵

سقراط ۲۳۲

(قاضی ابوالفضل) سلیمان ابن حمزہ ۳۶۸

(مولانا سید) سلیمان ندوی ۲۵۵، ۲۴۶

(سیدہ) سکینہ ۲۱۴

سہروردی مقتول ۲۴۲

(علامہ) سید شریف ۲۲۳

سیبویہ ۲۸۱، ۱۵۱، ۱۴۶، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

السیف ابن المجد ۲۶۹

(امیر) سیف الدین جاغان ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

سیف الدین قبحی ۵۴، ۵۳

سیف الدین قطر ۲۷، ۲۶

(الملك المنصور) سیف الدین قلاوون ۲۵، ۲۴

(علامہ) سیوطی ۲۷۳، ۲۷۲

(ش)

(سیدنا حضرت) شعیب علیہ السلام ۲۷۷

(امام) شافعی ۲۸۱، ۲۷۵، ۱۱۱، ۱۰۳

(علامہ) شبلی نعمانی ۲۲۲

شرف الدین ابن تیمیہ - ۲۷۵، ۱۰۰، ۱۹۹، ۱۷۹، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۴۳، ۱۴۱، ۱۳۹، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۲۷، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۹، ۹۷، ۹۵، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۷، ۸۵، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۱، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۵، ۵۳، ۵۱، ۴۹، ۴۷، ۴۵، ۴۳، ۴۱، ۳۹، ۳۷، ۳۵، ۳۳، ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳، ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۷، ۵، ۳، ۱

۱۴۶۱۱۴۵۱۶۸	(شیخ) صفی الدین الہندی	۱۸۱	(مخدوم شیخ) شرف الدین بھٹی منیری
۳۶۰۱۳۹۰۳۳۴۲۲	(سلطان) صلاح الدین الیولی	۲۸۹	(امام) شعبی
	(ط)	۱۵۸	(امام) شعرائی
۳۵۹	(امام) طاؤس	۱۲۵	شکری القوتلی (سابق صدر جمہوریہ شام)
علاء الدین	طبری دیکھئے	ذہبی	شمس الدین دیکھئے
۳۴۲۱۳۵۹	(امام) طبری	۱۱۳۱۱۱۳	(قاضی) شمس الدین ابن سلم
	(ع) (غ)	۹۷	(قاضی) شمس الدین التونسی
	(حضرت سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام دیکھئے	۱۵۸	(حافظ) شمس الدین اشافعی
۱۹۰	(سید حضرت) عزیز علیہ السلام	۳۷۵	الشہاب بن جحی
۳۶۶	عاذر	۴۱۱۳۶۱۳۴	شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ
۲۸۲	عاقون	۲۰۱۲۸۶	شیطان
۲۹۲۱۲۱۱۱۱۶	(حضرت) عائشہؓ		(ص)
۳۰۰۱۲۰۵	(حضرت) عباسؓ	۲۷۷	(سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام
شہاب الدین	عبدالحلیم دیکھئے	۲۲۰	صاعدانسی
۳۶۸	عبدالحمد بن عبدالبہادی	۶۶	(شیخ) صالح (رفاعی صوفی)
۱۶۶	(مولانا) عبدالحی برہانوی	۱۳۲	(شیخ) صالح تاج الدین
۳۶۹	(مولانا) عبدالحی کھنوی	۱۵۶۱۷۴۱۷۲۱۷۰	صدر الدین قنوی
۳۷۴	عبد الرحمن بن الحسن	البوکری	(حضرت) صدیق اکبرؓ دیکھئے
۱۱۱	(حضرت) عبد الرحمن بن عوفؓ	۳۶۷۱۳۶۶	صفدی

۳۰۰	(حضرت) عقیلؒ	۱۵۶	عبدالرزاق کاشی
۲۹	(علامہ) علاء الدین الباجی	۵۳۱	(شیخ) عبدالقادر دیکھے
۸۲۱۸۰	علاء الدین الطبری	۹۶	(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی
۱۲۶۱۰۲۱۸۸۱۲۹	(حافظ) علم الدین البرزائی	۲۲۱	(علامہ) عبدالکریم شہرستانی
۱۴۱۱۱۲۸		۱۵۶	(شیخ) عبدالکبیر مہنی
۲۹۲۱۲۸۵۱۲۵۹۱۳۱۱۱۱۱۵۹	(حضرت) علیؒ	۲۲۸	(شیخ الاسلام) عبدالشہر انصاری
۲۰۹۱۲۰۸۱۲۰۰-۲۰۵		۱۹۹۱۱۲۰	(قاضی) عبدالشہر بن الاخانی
۱۱۱	(حضرت) علی بن حسینؒ	۱۲۳	عبدالشہر بن محب
۱۹۹	(شیخ) علی بن یعقوب البکری	۱۲۳	عبدالشہر الزرمی
۱۸۸۱۱۶۱۱۱۵۵	(علامہ) علی قاری	۲۳۹	(مولانا سید) عبدالشہر غزنوی
۲۱۲	(حضرت سید) علی بھیری (داتا گنج بخش)	۳۶۸	عبدالہادی بن عبدالحکیم
	(حافظ) حماد الدین ابن کثیر دیکھے	۳۶۸	عبدالہادی بن یوسف
۱۴۴	(علامہ) حماد الدین الواسلی	۲۹۳۱۲۹۲۱۲۹۱	(حضرت) عثمان بن عفانؒ
۳۰۲۹۳۱۲۹۱۲۱۱۲۰۵۱۱۸۳	(حضرت) عمرؒ	۳۳۹	(حضرت) عدی بن حاتمؒ
۳۰۲۱۲۰۳۱۳۰۱		۹۶	(شیخ) عدی بن مسافر اموی
۱۱	(حضرت) عمر بن عبدالعزیزؒ	۴۳	عزالدین ایکب الحموی
۲۵۹	(قاضی) عیاضؒ	۲۳	(الملك المعز) عزالدین ایکب الترمکانی
۳۶۸۱۲۲۵	عینی بن مطہم سجاد	۱۵۵۲۰۲۹	(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام
۱۸۰۱۱۵۹	(علامہ) عینی	۲۲۸	عزات
		۴۳	

۲۲۳

قطب الدین شیرازی

۲۲۰

تقطبی

۱۴۱

قصر

(ک)

۱۵۶

(شیخ) کبیر مینی

۱۴۱

کسری

۵۰۱۴۹

(شیخ) کمال الدین الانبا

۶۸۱۴۰۱۶۹- (علامہ) کمال الدین بن الزمکانی

۳۱۳۱۱۳۰۱۱۲۸۱۱۰۳

۲۸۲

کوشیار (عالم ہیئت)

(ل)

۲۲۵۱۲۲۳

لطیف جمعہ

۲۳۲

لقمان حکیم

۲۶۵

لوقا

۲۱۵

(حضرت) لیث بن سعد

(م)

(سیدنا و نبینا حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۹۲۱۸۴۱۸۶۱۸۱۶۸۱۶۱۴۵۱۴۳۱۲۴۱۱۸

۱۵۶۱۱۳۹۱۱۳۲۱۱۳۱۱۱۵۱۰۹-۱۱۱۹۵-۹۴

(حجۃ الاسلام) امام غزالیؒ - ۲۲۸۱۲۲۳۱۲۲۱۱۱۵۸

۳۲۳۱۲۲۴

(ن)

ابونصر

دیکھئے

نابالی

۳۰۵۱۳۰۴۱۲۹۱

(حضرت) فاطمہؓ

۳۲۵

فاطمہ بنت جوہر

۳۳

فخر الدین ابن تیمیہ

۲۸۱

فزا (نوی)

۳۱۸۱۲۶۱۱۱۵۹۱۵۰

فرح الشہزکی اکر دی

۲۸۲

دیکھئے

فرشتہ - مائک

۲۴۱۱۴۰۱۶۹

فرعون

۱۸۴

فضل بن عیاض

۲۳۲

فیثافورٹ

(ق)

۴۴-۵۳

قازان (محمود)

۱۳۳

قبیض

۲۶۴

قسنطین

۳۹

قطب الدین ابوالعالی اشرفی

۲۳۳

قطب الدین رازی

۲۸۶	عبد الدین خلیب	۲۱۰۲۰۹۰۳۰۵-۵۱۱۹۹-۲۰۲۱۱۹۵۱۱۹۱۱۹۰
۱۶۳	(خواجہ) محمد امین کشمیری	۲۵۲۰۲۶۸۱۲۶۶۱۲۶۵۰۲۶۲۱۲۶۱۲۴۴۱۲۱۲
۲۰	(اکمال) محمد الایوبی	۲۹۳-۹۶۱۲۸۸۰۲۸۴۱۲۸۰-۸۲۱۲۵۶-۵۸
۲۹۲	محمد بن ابی بکر	۲۲۶۲۲۲۱۳۲۲۱۳۱۹۱۳۰۴-۹۱۲۹۹-۳۰۱
۲۶۸	محمد بن احمد	۲۵۸۲۵۰-۵۵۱۳۲۹۱۳۲۵-۳۵۱۳۲۲
۲۴۴	محمد بن اسماعیل	۲۵۰۱۳۶۵۱۳۶۲۱۳۵۹
۲۳	محمد ابن الخضر	(سیدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام ۱۸۲۰۸۶۱۶۹
۱۱۳۰۹-۶۵۱۵۳۱۲۵۱۱۳	(شیخ) محمد ابو زہرہ	۱۲۸۲۰۲۵۹۱۲۵۵۱۲۵۱۱۱۹۵۱۱۹۴۱۱۸۵
۲۴۲۰۲۳۱۱۲۱۱۱۵		۲۸۹۱۲۸۸
۱۲۲	(شیخ) محمد عام	(سیدنا حضرت) ایسح علیہ السلام ۱۹۴۰۱۹۰۱۸۶
(شیخ) محمد بن عبد الرحیم الدری دیکھے منہ		۲۵۵۰۲۵۰-۲۵۲۱۲۹۰-۶۶۱۲۰۵۱۱۸۵
۲۴۴۲	(علاء) محمد بن علی شوقانی	۲۰۱۲۸۹۱۲۸۴۱۲۸۴۱۲۵۹
۲۶۸	محمد بن قنار	۲۰۵
(انگلستان) محمد بن قنار		(حضرت) ارم علیہ السلام
۲۵۵۰۲۵۰-۲۵۲۱۲۹۰-۶۶۱۲۰۵۱۱۸۵		(امام) امام
۲۲۰۲۳۹		خلفہ
۲۴۱		بر
۲۵۵		تہ
(شیخ) محمد بن قنار		۲۵۵۰۲۵۰-۲۵۲۱۲۹۰-۶۶۱۲۰۵۱۱۸۵
(شیخ) محمد بن قنار		۲۵۵۰۲۵۰-۲۵۲۱۲۹۰-۶۶۱۲۰۵۱۱۸۵

۲۸۱	ملکی (طیب)	۱۳۶	(ڈاکٹر) محمد یوسف موسیٰ
۲۸۲	مینہ	قازان	محمد دیکھے
۱۲	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۱۶۰	(علامہ) محمود آلوسی
۲۱۹	(خلیفہ) منصور	نودی	(امام) محی الدین دیکھے
۸۲	(شیخ) موفق الدین ابن قدامہ	۷۱۷، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۱۲	(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی
حسام الدین	دیکھے	۱۵۸، ۱۵۵-۵۶، ۱۵۲، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۲	
۸۶	(حضرت) میکائیل	۵۰	(شیخ) مرعی ابن یوسف الکری
۷۰	(سیدنا حضرت) نوح علیہ السلام	۲۶۵	مرقس
۲۷	ناصر الدین قلاوون	۲۸۱	مزن
محمد بن قلاوون	(اسطان) التامر دیکھے	۲۵، ۲۴	(خلیفہ) مستعصم باشر
۲۳، ۲۲	(املاک صالح) نجم الدین ایوب	۲۸۱	مسیحی (طیب)
۳۶۸	(شیخ) نجم الدین حرانی	۲۷۵، ۲۸۶	(شیخ) مصطفیٰ ابابا علی
۱۱۱	(امام) نخعی	۲۶۰	(شیخ) مصطفیٰ قبانی و شقی
۳۳۳	(امام) نسائی	۵۹	(حضرت) مساویہ
۸۵، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۱-۱۷۰، ۱۷۵	(شیخ ابوالفتح) نصر الشیبی	۱۸۳	معروف کرخی
۲۹۱، ۲۹۰، ۲۲۳	(خواجہ) نصیر الدین طوسی	۱۶۳	(مخدوم) معین الدین ٹھٹھوی
۵	(شیخ محمد) نصیف دیکھے	۱-۱۱۳، ۹، ۲۸	(مؤرخ) مقرئہ
۲۲۱	نظام (قلتی)	طبقات	ماکر۔ فرشتہ دیکھے
		۲۵۵	مل (۱۷۷۷) انگریز منطقی

۶۱/۶۰۱۵۹۱۵۷	اہل شام شامی	۱۸۶	آل فرعون
۶۴	اہل قبرص	۸۲	امت محمدی
۱۲۸۳۱۲۷۷۱۲۷۰۱۲۶۸۱۶۶	اہل کتاب۔	۳۶۴	امراء عرب
۳۶۰۱۲۸۴		۳۶۳، ۱۲۹۲، ۱۲۹۰، ۱۱۸۳	(حضرات) انصارؓ
۳۳۴	اہل کوفہ	۹۹	اہل اسکندر
۳۳۴	اہل مدینہ	۲۲، ۱۲	اہل بدعت
۳۴۶	اہل مکہ	۳۷۱، ۳۰۱-۳۰۲، ۵۵، ۱۹۷، ۱۸۶	اہل بیت کرام۔
۳۴	اہل مغایب (اربعہ)	۳۱۰-۱۲، ۳۰۹	
۱۳۲	اہل مخازی و میر	۱۸۱	اہل تشبیہ
۲۸۵	اہل انشا عشر	۱۱۱، ۱۷۲، ۱۶۵، ۱۳۳	اہل تشیع، شیعوں و واقف۔
۳۴۳، ۱۵۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۱۰، ۸	اہل اربعہ	۱۳۰، ۲، ۱۲۸۵-۹۴، ۲۱۲، ۱۱۹۷، ۱۱۹۶، ۱۱۹۳	
۳۰۲	اہل اہل بیت	۳۰۸-۱۲، ۳۰۳	
۴۵	ایرانی	۱۹۹، ۱۹۶، ۱۹۱، ۱۸۴، ۱۱۸	اہل تصوف، صوفیہ۔
۳۹۱۳۰	ایوبی، بنی ایوب	۳۴۵، ۱۱۸۹، ۱۱۶۶	
۲۳۶، ۲۱۲، ۱۸۹، ۱۶۴، ۱۴۰، ۱۱۷	باطنی، باطنیہ۔	۳۴۱	اہل جہانیت
۳۰، ۴، ۲۹۳		۱۰-۱۹۹، ۱۶۰، ۱۵۷، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۸	اہل دشت۔
۳۱۶، ۲۸۳، ۲۰۱	بت پرست	۱۰۳، ۱۰۲	اہل ذرہ
۲۷۱، ۲۶۶	بنی اسرائیل	۱۵۳، ۱۸۳، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۴۶، ۱۴۴	اہل سنت و اجماع۔
۳۰۰	بنی بکر	۳۱۱، ۱۳۴، ۸۷، ۱۸۸، ۱۴۳، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۵، ۱۱۵	

۱۳۲۱۸۴

فقہاء

۸۴/۴۱/۳۱

فقہاء شافعیہ، علماء شافعیہ

۱۳۸۱۶۶، ۱۴۵۱۴۰، ۱۱۵۱۱۴ - فلاسفہ - علماء فلسفہ

۲۴۱/۲۳۲ - ۳۸۱/۲۲۶ - ۳۰۱/۲۲۴، ۲۲۱/۲۲۰

۳۳۰/۳۲۳، ۳۲۱/۲۶۹، ۲۵۸/۲۵۱، ۲۲۲/۳۳۱

۲۳۷/۲۳۵، ۲۳۴ - فلاسفہ اسلام، حکماء اسلام

۲۶۵/۲۴۶

۱۲۳۱/۲۲۴ - ۲۹ - فلاسفہ یونان، علماء یونان

۳۱۰/۲۴۲، ۲۳۷

۳۰۴/۱۸۶

قراطہ

۲۳۱

قدمائے یونان

۳۰۰

قریش

۲۸۸

قوم موسیٰ

۶۹

گوسالہ پرست

۱۳۴/۶۳

بندہ عین

۸۴/۴۶

تشکیلین

۲۸۳/۱۷

بحوسی

۱۳۲/۸۴

محدثین

۱۸۹/۱۸۶، ۱۸۵ - شائع صوفیہ - شائع طریقت

۱۹۹/۱۸۴، ۱۸۳/۱۶۳، ۱۵۳/۱۳۶، ۱۳۲/۱۳۱

۲۸۴/۲۸۰ - ۱۲۷۸/۲۴۳، ۲۱۱/۲۰۵، ۲۰۲/۲۰۱

۳۰۵/۲۹۴ - ۹۹/۲۹۲، ۲۸۷ - ۸۹/۲۸۵

۲۵۲/۳۳۴، ۳۲۳/۳۲۲، ۳۱۰ - ۱۲/۳۰۸

۶۵۱/۶۴۱، ۲۴۱/۲۳۱، ۱۷۱/۱۶۱

صلیبی

۲۵۶

طبائیین

۳۱۵/۱۹۶

عبیدی، قاطی

۱۸۹/۲۸

عجمی - عجمی اقوام

۱۹۸/۱۴۵، ۱۴۳/۳۸، ۳۲/۲۸ - عرب، اہل عرب

۲۷۳/۲۸۳، ۲۸۲/۲۶۱، ۲۲۱

۱۱۸

علماء بغداد

۳۷۵/۴۱، ۱۳۶

علماء ختابلہ

۸۳

علماء انکی

۲۵۰/۲۴۹، ۲۴۷/۲۴۵

علماء منطق

۲۲۰/۲۱۵، ۱۰۳/۶۲ - ۶۵/۵۴، ۱۷۱/۱۶۱

عیسائی

۲۷۳/۲۷۲، ۲۷۰/۲۶۹، ۲۶۴/۲۶۳ - ۶۶/۲۶۱، ۲۶۰

۳۳۹/۳۰۰، ۲۹۰/۲۸۹، ۲۸۴/۲۸۳، ۲۷۸

۱۵۴

فرقہ مجسہ

۲۶/۲۳

فرنگی

مشائیں

۲۳۳

شکرین، محمدین - ۱۹۱۱۸۱۱۵۰۱۶۲۱۶۳۱۸ -

۲۱۵۱۲۰۸۱۲۰۴۱۲۰۲۱۲۰۲۱۱۹۸۱۱۹۳۱۱۹۲

۲۰۰۱۲۹۰۱۲۸۳۱۲۴۳۱۲۶۳۱۲۳۰

معری - اہل مصر - ۱۰۰۱۸۹۱۸۵۱۸۳۱۵۹۱۵۸ -

۳۱۱۱۲۱۰۱۲۰۲۱۲۴۱

۳۱۰۱۲۲۱۱۲۱۹۱۸۳

معزہ

۱۳۳

منزل

۱۳۲

مفسرین

لاکھ - فرشتے - ۱۱۶۱۲۰۸۱۲۰۴۱۲۰۳۱۲۰۲۱۸۹ -

۲۸۰۱۲۴۱۱۲۲۹۱۲۲۸۱۲۲۶

۷۲

مکانیہ (سیکی فرقہ)

۳۰۱۲۶۱۲۲

مابیک - خاندان غلامان

۲۹۱۲۵۱۲۲

ملوک سلاطین

مشافیقین

۳۶۰

۲۹۲۰۲۹۰۱۱۸۲ (حضرات) مہاجرین

۷۲

نسطوریہ (فرقہ)

۲۲۰

نسطوی

نصاری - نصرانی - ۱۹۱۱۱۹۰۱۱۱۶۱۸۶۱۲۰۱۱۸ -

۲۲۸۰۲۱۲۱۲۱۱۲۰۸۱۲۰۴۱۲۰۲۱۱۹۵۱۱۹۴

۲۸۷۱۲۸۲۱۲۸۳۰۲۴۵۱۲۴۲۱۲۶۹۱۲۶۷

۲۸۸-۹۰

۶۴۱۱۷

نصیری

۲۲۰۱۷۲

نستوریہ (فرقہ)

۲۶۳۱۲۳۵۱۲۲۱

یزانی

۱۲۲۱۲۲۱۱۱۹۰۶۳۱۶۲۱۴۵۱۴۰۱۱۸ -

۲۸۳۲۱۶۱۲۶۹۱۲۸۱۲۱۳۰۲۱۱۲۰۸۱۱۹۰

۲۲۹۱۲۲۵۱۲۸۷-۹۰۱۲۸۳

Marfat.com

۳۶۹	تعلیقہ للثقات	۳۴۸	بدائع الفوائد
۳۱۶	تفسیر ابن تیمیہ	۱۱۱	بداية المجتهد
۲۲۷۱۲۲۵۱۲۱۷۱۱۴۳	تفسیر سورة الاخلاص	۵۲۷۱۲۲۱۲۲۱۲۲۱۲۲۱۲۲۱	ابداية والنهاية
۳۱۵۱۲۳۱-۳۳		۷۹۱۱۲۱۶۵-۶۸۱۶۳۱۶۲۱۵۸۱۵۵۱۵۳	
۳۱۵۱۱۴۳۱۲۹	تفسیر سورة النور	۲۷۳۱۲۷۲۱۲۶۹۱۲۶۷۱۲۶۶۱۲۶۵۱۱۵۱	
۳۱۵	تفسیر معوذتین	۳۲۲-۳۲	بیان موافقة صریح العقول
۳۷۲	انکلیل فی معرفۃ الثقات	(ت)	
۲۷۹۷۲۶۱۲۷۲۱۲۷۱۱۲۶۶-۶۸	تورات	۱۳۶	تاریخ الاخلاق
۲۸۲۱۲۸۰		۳۰	تاریخ الاسلام
۲۰۲	التوسل والوسیلہ	۲۶۰۱۲۲۱۱۱۹۶۱۱۱	تاریخ دعوت وعزیمت
۲۲۱	تہافتہ الفلاسفہ	۲۲۳-۲۲۵	تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والغرب
۳۴۸	تہذیب سنن ابی داؤد	۱۵۹	تحفۃ المحتاج
۳۰	تہذیب الکمال	۳۴۸	تحفۃ الودود باحكام المولود
(ج)		۳۷۲	تخریج اردتہ التنبیہ
۳۷۵	جامع العلوم (شرح اربعین)	۳۷۲	تذکرۃ اکھافا
۳۴۸	جلد الاول	۳۷۰	ترجمۃ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ
۱۲۱۱۵۵۱۵۲۱۷۳-۷۵	جلد الثاني	۲۳	ترجمہ صاحب فتی الاخبار
۱۷۹۱۷۸۱۷۳		۳۷۵۱۱۶۱۷۲۰	(جامع) ترمذی
۲۲۲	ابح من رأی الحکیمین	۳۷۰	تعلیقہ علی سنن البیہقی

القواعد الكبرى

۳۰

القول الجلي

۱۲۸

الکافية الثانية

۳۴۸

الکامل

۳۴۳

الکتاب (سیبویه)

۱۵۲، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۷

کتاب الاستغاثه

۲۰۰

کتاب الآراء والمذاهب

۲۲۱

کتاب الامام

۳۰

کتاب الداء والدواء

۳۴۸

کتاب الروح

۳۴۸

کتاب العمده

۳۶۹

کتاب الفيلاء

۳۳

کتاب النبوات — ۳۹، ۲۱۷، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹

النظم الطيب

۳۴۸

کذا المحکم المربوط

۷۲

الکواکب الدرية — ۱۹، ۱۸۸، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۱، ۱۳۸، ۱۳۵

۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

لحاظ الاما

۳۷۵، ۳۷۴

اللطائف في وظائف الايام

۳۷۵

مقن قطب الدين ابو المعالي اشعري

۳۹

مجموعة الرسائل الكبرى

۲۲۶، ۲۲۴

مجموعة رسائل

۲۰۶، ۱۸۸

مجموعة عليه

۸۶، ۷۹

مجموعة فرج الشريفي

۵۰

مجموعة مكاتيب شاه ولي الشريفي

۱۶۳

المحرر في الاحكام

۳۶۹

مدارج السالكين — ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۲۲۹، ۲۲۸، ۱۸۸

مرقاة (شرح مشکوة)

۱۸۸، ۱۱۶

مزامير داود

۲۷۱

سانيد

۳۰۳

المستصفى

۲۴۵، ۲۴۴

سلم شريف

۱۵۷، ۱۱۶

مناقب ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری - ۱۶۳	۳۷۲:۳۰۳/۱۱۶۱۳۸	مسند امام احمد
مختب من الیہیقی ۳۷۰	۳۷۲	مناشیخین
مختب من مسند الامام احمد ۳۷۰	۱۸۸/۱۶۱	مشکوٰۃ
مختب من سنن ابی داؤد ۳۷۰	۱۵۸	مشکوٰۃ الانوار
المفتی ۲۸۶	۱۵۸	المضنون بہ علی الہ
فتی الاخبار ۳۳۲، ۳۳	۱۵۸	المضنون بہ علی غیر الہ
فتی من تہذیب الکمال (لمزی) ۳۷۰	۷۲	مطالع النجوم
منطق الشفاء ۲۲۲	۱۵۸	معارض القدس
منہاج السنہ - ۱۱۲۳، ۲۵۹، ۲۸۴، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۸۹	۲۲۶	معارض الوصول
۳۲۹، ۳۱۶، ۳۱۴، ۳۰۹ - ۱۲، ۳۰۶، ۳۰۲، ۳۰۱	۲۲۱	المعتبر
منہاج الکرامہ ۳۸۶، ۲۸۴، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۱۱	۳۶۶	معجم (ذہبی)
منہاج الوصول إلى علم الأصول ۳۱۷	۳۳۸	مفتاح دار السعاده
الموافقات ۳۷۶	۲۳۵	مقاصد الفلاسفہ
میزان الاعتدال ۳۰	۲۵۵	مقدمہ ابن خلدون
ن	۳۰	مقدمہ ابن الصلاح
النبوات دیکھئے کتاب النبوات	۱۵۷، ۱۵۵	مکتوبات امام ربانی
الندوہ (رسالہ) ۲۲۲	۲۲۱	الملل والنحل
نزهۃ الخواطر ۱۴۶	۳۳۸، ۱۸۸، ۱۶۵، ۱۶۱	منازل السائرین
نفحة الأزواج ۳۳۸	۱۹۷	مناکح حج المشاہد

مقامات

PP-71

دو آبہ دجلہ و فرات

FF

دیار

rr

ویاربرجیہ

rr

دیارمختار

④

رٹے پر ملی

15

(عمله) صاکیه (دمشق) ۳۶۸۹۱۶۵۵۲

rr

الصوفية (مقبرة - دمشق) ٢٤٣/١٢٥/٢٢

۱۳۳

طرا المبس ۲۴

۲۲.

طور ۱۹۴

22

③

⑤

۱۳. عادلہ

الکریہ (دارالحدیث دمشق) ۴۴۱۳۹۱۳۴

عالم اسلام (اسلامی ممالک)۔ ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲

143

WATERPROOFING

pcrr

FF04F1A4F7.1F041F0F

ira

عراق - (۱۵/۴/۵۳، ۱۴/۴/۵۳، ۱۳/۴/۵۳، ۱۲/۴/۵۳، ۱۱/۴/۵۳)

شۈ

14-17119-1171

شام-۲۷۱۱۷-۲۲-۲۰۲۲:۲۵:۲۸:۲۲

٢٦٤٣-١٢٤٨١٥٤

CAKRYA170100-0A10F10F1A

۲۰۳۲۰۲/۹۸

1704-1794

عليقہ (شام)

درسکالیہ - دمشق

۳۰

الملکۃ الظاہریہ - دمشق

۱۲۰۱۷۹

ندوة العلماء - لکھنؤ

۳۷۵

مذاهب و تحریکات و نظریات:

اشراقیت - اشراق

۹۶۱۶۸۱۱۹

اشعری عقیدہ

۱۵۳۱۳۹

اعتزال

۳۱۱

افلاطونی تصورات - افلاطونیت

۹۱۱۱۷

باطنیت

۱۹

بودھ مذہب

۲۲۳

(عقیدہ) تجسیم

۱۵۴۱۴۶

تصوف - ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۹۶، ۱۹۹، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۶۱

۳۴۹۱۳۲۸۱۱۶۵

(عقیدہ) تنزیہ

۴۵

جاہلیت

۱۹۰۱۶۲۱۳۸۱۲۷۱۱۸

جاہلیت وثنیہ

۲۱۸۱۲۱۷

جوگ

۱۹

(مثلاً) حلف بالطلاق

۱۱۲-۱۲

دین نصاریٰ

۸۶

روی بت پرستی

۲۶۲

(مثلاً) زیارت قبر نبوی

۱۵۱۱۱۵

تارہ پرستی

۲۳۴

شرک

۱۸

شرعیات اسلامیہ، شریعت محمدی - ۱۱۴، ۱۱۳، ۲۰۱

طریقہ رفاعیہ

۶۶

عقائد اہل سنت

۱۵۷، ۱۵۳

عقلی ظاہریت

۱۹۱۱۴

عقیدہ اہل تشیع، شیعیت - ۱۹۳، ۱۵۹، ۲۵۹، ۲۸۴، ۳۱۱

عقیدہ تثلیث

۲۷۳

عقیدہ حلول

۱۹۵، ۱۱۳، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۲، ۱۱۹

عقیدہ سلف

۹۱

عقیدہ وحدۃ الوجود، عقیدہ اتحاد - ۱۱۹، ۱۶۷

۷۲ - ۱۹۶، ۷۰، ۱۰۰، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۸۰

۲۷۳، ۱۹۵، ۱۱۸۶

فقہ حنبلی

۳۴۵

گوسالہ پرستی

۶۹

بحث امامت (شیعہ)

۳۰۹

جوسی عقائد

۱۷

۳۲۰	علم نباتات	حدیث - ۱۳۱۶، ۱۳۱۳، ۱۳۶۱، ۱۲۹۱، ۱۲۴۱، ۱۳۸
۱۲۷، ۱۷۵، ۱۷۰، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۳۰-۱۶	علم کلام	۳۶۷، ۳۶۵
۳۱۱، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۴۳، ۲۳۷، ۲۱۹، ۱۸۹		ریاضیات ۲۳۰، ۲۲۳
۲۴۹، ۲۴۵، ۲۳۲، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۱۸، ۲۱۷		(علم) سیر و آثار ۱۲۷
۳۶۵		طبیعیات ۲۵۸، ۲۲۰، ۱۲۲۳
۳۲۰	علم الکیما	عربیت ۳۷
۳۱۳، ۲۵۱، ۳۸	علوم اسلامیہ - علوم شریعت	عقلیات، علوم عقلیہ - ۱۲۴۶، ۱۲۲۸، ۱۳۱، ۱۳۰
۳۶۵، ۳۵۰، ۱۲۴۵		۳۲۷، ۳۲۶، ۳۱۱، ۳۱۰، ۱۲۵۶، ۱۲۵۳، ۱۲۴۷
۲۵۶، ۲۵۰، ۱۲۲۳، ۲۱۹	علوم یونان	علم ادویہ ۳۲۰
۳۸	فقه حنفی	علم استقراء ۳۲۳، ۲۵۸، ۲۵۶، ۲۵۵
۷۵، ۷۰، ۶۸، ۴۶، ۴۰، ۳۲، ۱۵، ۱۴	فلسفہ - ۱۳۲، ۱۵، ۱۴	علم اسماء الرجال - ۳۱۶، ۲۸۵، ۲۶۷، ۱۲۸، ۱۲۷، ۳۱۷
۲۳۵، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۲۶، ۲۱۹		علم الامنام (دیوالا) ۲۶۳، ۲۴۰
۲۴۳، ۲۶۱، ۲۵۸، ۲۵۵، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۴۳-۲۴		علم تصریف ۳۶۷، ۳۶۵، ۳۲۰، ۱۲۴۶
۳۲۶-۲۹، ۳۱۹-۲۳، ۳۱۱		علم جرح و تعدیل ۳۶۷، ۳۶۶، ۲۸۵، ۲۶۷
۱۵	فلسفہ و الہیات	علم اخلاص ۱۵۲، ۱۲۷
۲۳۳	فلسفہ و مشائین	علم عقائد ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۱۷-۱۹
۲۱۹-۲۴، ۱۳۶، ۹۶، ۴۵، ۱۵	فلسفہ یونان - ۲۴، ۱۳۶، ۹۶، ۴۵، ۱۵	علم فرائض ۳۸
۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۲-۳۶، ۲۳۰، ۱۲۴۷، ۱۲۲۶		علم فقه - ۳۱۷، ۳۱۳، ۱۵۲، ۱۳۶، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۳۳
۲۲۹	فن طب	۳۷۱، ۳۶۷، ۳۶۵، ۱۲۴۹
۲۴۶	فن عروص	

۳۱۶، ۱۲۴۶	مطبوعہ قیمہ - بمبئی	۲۲، ۱۲۸۱، ۱۱۶۲، ۱۲۷۱، ۱۳۷۱، ۱۲۰	(علم) لغت
۱۵۹	مطبوعہ کردستان - مصر	۲۶۲	مسیحی علم کلام
۳۷۵	مطبوعہ مصطفیٰ البابا اکیلی	۱۲۲۴، ۱۲۲۳، ۱۲۲۱، ۱۲۱۹، ۱۱۸۹، ۱۲۰	منطق -
۳۵۶	مطبوعہ میمنہ - مصر	۲۵۸، ۱۲۵۷، ۱۲۵۵، ۱۲۴۴ - ۵۳	
۳۶۲، ۱۳۵۸ - ۶۰	مطبوعہ نظامی	۲۴۶، ۱۱۶۲، ۱۱۵۱، ۱۳۶، ۱۲۷۱، ۱۳۷۱، ۱۲۰	(علم) نحو -
جنگ اہم تاریخی واقعات و حوادث:		۳۷۱، ۱۳۶۷، ۱۳۶۵، ۱۳۲۰، ۱۲۸۱	
۳۷۳، ۱۳۲۵	تاریخ یورش	۱۹	ہندوستانی فلسفہ اشراقیت
۳۶۳، ۱۱۳۱	جنگ خیر، غزوہ خیر	۱۵	یونانی اصطلاحات
۳۰۸	جنگ بدر	۳۲	یونانی علوم
۳۵۹	حجۃ الوداع	۱۹	یونانی فلسفہ اشراقیت
۳۰۸	سریہ	۲۵۸، ۱۲۵۷، ۱۲۵۰، ۱۲۴۷، ۱۳۶	یونانی منطق
۲۶۰، ۱۱۰۳، ۱۲۸	علیمی جنگ	مطالع:	
۳۶۳، ۱۳۶۰، ۱۳۰۸، ۱۲۰۷	غزوات	۱۲۳	مطبوعہ احمدی
۳۶۲	غزوہ اہد	۲۸۶	مطبوعہ امیر - مصر
۳۶۳	غزوہ او طاس		مطبوعہ انصار السنۃ - قاہرہ
۳۶۴، ۱۳۶۳	غزوہ تبوک	۱۶۱	مطبوعہ بولاق - مصر
۳۶۳	غزوہ حنین	۱۸۸	مطبوعہ حنیہ مصریہ
۳۶۳	غزوہ فح (ک)		مطبوعہ خیریہ - مصر
۱۹	فقتہ علوم بینہ	۲۰۰	مطبوعہ سلفیہ - مصر

۱۹۵	قبر ابو عمر	۳۶۵	مغازی
۲۱۳	مدفن سیدہ زینب	۳۰۸	واقعہ صلیب
۲۱۳	مدفن سیدہ سکینہ	۱۲۱	واقعہ قاذان
۲۱۳	مدفن حضرت علیؑ		ادوار و عہود اور سلطنتیں:
۲۱۳	مزار سید علی ہجویری	۳۸۱۲۵	اسلامی حکومتیں
۳۷۵۱۳۴۹	مقبرہ الباب الصغیر، دمشق	۲۳۵۱۳۸	اسلامی عہد
۳۷۳	مقبرہ الصوفیہ، دمشق	۲۶۱۱۷	ایوبی دور سلطنت - سلطنت ایوبیہ
	دیگر متفرقات:	۱۹۶	باطنی سلطنت
۳۷۳۱۳۷۲	اسرائیلیات	۳۱۸	حکومت سعودیہ
۲۹	اسلامی تہذیب	۱۷	زندگی دور سلطنت
۱۷۲	اصیل گھوڑے	۳۲	سلطنت ترکی
۲۶۳۱۲۳۱۲۱۶۱۲۰۷	بت، مورتی	۲۲۰	سلطنت عباسیہ
۲۵۳۱۲۵۳۱۱۹۸۱۱۷۲	چاندی	۱۷۱	سلطنت کسریٰ و قیصر
۸۸	چوسر	۱۹۶	عبیدی سلطنت
۲۸	چنگیزی عادات	۲۶۳	عہد قسطنطین
۲۲۳	درس نظامی	۲۶۷	عہد نبوت
۱۳۹	درہم	۲۶۳۱۲۶۰	عیسائی سلطنت
۲۳۰	دیی دیوتا		مشاہد، مزارات و مقابر:
۱۳۹	دینار	۳۶۹	روضہ دمشق

رفاعی سلسلہ

۱۹

عربی معاشرت

۲۹

تارہ کو اکب

۲۳۱،۲۳۰

عرش

۳۰۸ -

سونا

۲۵۴،۲۵۳،۱۹۸،۱۴۲

غدر ختم، یوم ختم

۳۰۴،۳۰۳

سیدہ

۲۵۴،۲۵۳

کنجشک (چڑیا)

۱۴۶

شطرنج

۸۸

منجین

۵۲

صلیب

۲۶۰،۱۶۴

یوم عرفہ

۳۰۴،۳۰۳

عربی (زبان)

۲۵۱،۱۶۳،۱۱۵،۱۲۷

